یونیورسٹی آف گجرات کے نصاب 2012ء ومابعد کے عین مطابق

مَنْ إِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيكُمْ بِضِيَآءٍ

"اللہ تعالیٰ کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہیں ضیاء (روشنی) لا دے" (القصص: ۷۱)

نظر ثانی شدہ ایڈیشن

ضیائے اسلامیات (لازمی)

بی ایس، بی اے، بی ایس سی، بی کام

بی ٹیک، ایل ایل بی، ایم بی بی ایس کلاسز

پروفیسر ڈاکٹر محمد نواز

چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ

یونیورسٹی آف گجرات

حجازی فاؤنڈیشن

راولپنڈی/اسلام آباد

0321-5098358, 0333-5174304

0321-5578529

Usman Sahi

Roll # 115

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَبِهٖ نَسْتَعِيْنُ

مَولَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا بے حد احسان ہے کہ اس کتاب کی تالیف کا کام پایۂ تکمیل تک پہنچا جو یونیورسٹی آف گجرات کے جدید نصاب کے عین مطابق ہے۔ یہ نصاب عصر جدید کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے عصری تقاضوں کے مطابق تیار کیا گیا ہے۔ یہ کتاب بی۔اے، بی۔ایس سی، بی کام، ایل ایل بی، بی ٹیک اور بی ایس وغیرہ کے سالانہ امتحانی نظام اور سمسٹر سسٹم کے تحت امتحان والے تمام پروگرامز کے مطابق ترتیب دی گئی ہے۔ اس کے نصاب میں وہ قرآنی آیات اور احادیث شامل کی گئی ہیں جو ہماری دینی اور دنیوی ضروریات کو پورا کرتی ہیں۔ نیز اس میں عصری تقاضوں کے مطابق دین فہمی کیلئے سیرت النبی ﷺ، فقہی ماخذ، مقاصد شریعت، اسلامی تہذیب وتمدن اور اس کی خصوصیات، اسلام کے معاشی، سیاسی اور معاشرتی نظام کی اہم خصوصیات شامل کی گئی ہیں تاکہ ہمارے طلباء ان نظاموں کے بارے اسلامی تعلیمات کو جان سکیں۔ ہمارے اسلاف نے سائنس کے میدان میں بڑی اہم خدمات سرانجام دیں جن سے عام طور پر ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ ناواقف ہے ان سے آگاہی کیلئے کچھ مسلمان سائنس دانوں اور ان کی سائنسی خدمات کو بھی شاملِ نصاب کیا گیا ہے تاکہ آنے والی نسلیں اپنے اسلاف کے سائنسی کارناموں سے آگاہ ہوسکیں۔ اس کتاب میں درج ذیل باتوں کا خصوصی التزام کیا گیا ہے۔

۱- آیات اور احادیث کے لفظی ترجمہ کے ساتھ ساتھ بامحاورہ ترجمہ بھی عام اور آسان الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔

۲- موضوعاتی جوابات لکھتے وقت موضوع یا عنوان کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم بیان کیا گیا ہے۔

۳- موضوعاتی جوابات کو قرآنی آیات اور احادیث کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔

۴- ہر موضوع کو ہیڈنگز کے ساتھ اختصار سے لکھا گیا ہے تفصیل اساتذہ سمجھا دیں گے۔

۵- چونکہ بی۔ایس کے تمام پروگرامز میں پیپرز معروضی اور انشائی دو حصوں پر مشتمل ہوتے ہیں اس لیے اس کتاب میں معروضی سوالات، (درست/غلط، سوالات کے مختصر جوابات اور کثیر الانتخابی سوالات) بنا دیئے گئے ہیں اور طلبہ کی آسانی کے لیے ہر باب کے آخر میں حصہ معروضی دیا گیا ہے۔ تاکہ امتحان کی تیاری میں آسانی ہو سکے۔

اساتذہ اور طلبا سے گزارش ہے کہ اغلاط کی نشاندہی ضرور کریں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ان اغلاط کی تصحیح کر دی جائے۔

فقط دعا کے طالب (مؤلفین)

1- قرآن مجید (تعارف، حفاظت اور فضائل)

تعارف

<u>قرآن کا لغوی معنی:</u> قرآن کا لفظ (قِرَاءَةٌ) سے بنا ہے جس کا معنی ہے پڑھنا، لہٰذا قرآن کا لغوی معنی ہے وہ کتاب جو بار بار پڑھی جائے۔ بعض علمائے لغت کے بقول قرآن کا لفظ "قَرَنَ" سے بنا ہے جس کا معنی ہے ملانا اور جمع کرنا۔ لہٰذا قرآن اس معنی کے لحاظ سے وہ کتاب ہے جو بہت سے علوم و معارف کا مجموعہ ہے۔

<u>قرآن کا اصطلاحی معنی:</u> "اَلْقُرْاٰنُ هُوَ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰى، اَلْمُنَزَّلُ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ اَلْمُتَعَبَّدُ بِتِلَاوَتِهٖ" ترجمہ: قرآن اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو حضرت محمد ﷺ پر اتارا گیا اور اس کی تلاوت کو نماز میں ضروری قرار دیا گیا۔

<u>نزولِ قرآن:</u> نزول قرآن کی ابتداء غار حراء سے ہوئی جہاں نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف تھے۔ ابتداء میں رمضان کے مہینے میں سورہ العلق کی ابتدائی پانچ آیات نازل ہوئیں۔ اس کے بعد قرآن مجید کی تکمیل تقریباً ۲۳ برس میں ہوئی۔

<u>حکمت نزولِ قرآن:</u> اللہ تعالیٰ نے انسان کی رہنمائی اور دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے قرآن مجید اتارا۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے خیر اور شر میں فرق کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے سابقہ انبیاء و رسل پر کتابیں نازل کیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی دائمی ہدایت کا بندوبست نبی کریم ﷺ پر قرآن مجید نازل کر کے فرمایا ہے۔

<u>مُصَدِّق و مُهَيْمِن کتاب:</u> گزشتہ انبیاء و رسل کی تعلیمات اور ان پر نازل ہونے والی کتابیں اصلی حالت میں محفوظ نہیں رہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ﴾ [سورۃ المائدہ: ۴۸] (اور ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب نازل کی ہے یہ حق لے کر آئی ہے سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی اور ان کی محافظ و نگہبان ہے۔) قرآن مجید کو سابقہ آسمانی کتابوں کیلئے مُهَيْمِن (محافظ) کہنے کی وجہ یہ ہے اس نے ان کتابوں کی تعلیمات اور عقائد کو صحیح ترین صورت میں اپنے اندر محفوظ کر لیا ہے۔ اس کی تعلیمات ہر علاقے اور ہر زمانے کیلئے قابلِ عمل ہیں۔

<u>مضامین قرآن:</u> قرآن کریم ہمیں زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ مثلاً

<u>ا- عقائد:</u> قرآن اپنے ماننے والوں کو بنیادی عقائد مثلاً توحید، نبوت و رسالت، سابقہ

آسمانی کتابوں، فرشتوں اور آخرت پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے اور ان کے بارے میں بڑے واضح دلائل دیتا ہے۔

۲- عبادات: تمام زندگی احکام الٰہی کے مطابق بسر کرنا قرآن کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کہلاتی ہے لیکن اس کے علاوہ قرآن ایک مخصوص نظام عبادت بھی دیتا ہے۔ مثلاً نماز قائم کرنا۔ رمضان کے روزے رکھنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا وغیرہ۔

۳- انفرادی زندگی: قرآن انسان کی انفرادی زندگی سے متعلق اخلاق حسنہ مثلاً تقویٰ، عدل، ذکر، شکر، تحمل و رواداری، عفو و درگزر، عدل و احسان اور صبر وغیرہ جیسی اعلیٰ صفات اپنانے کی تلقین کرتا ہے اور برے اخلاق مثلاً جھوٹ، منافقت، غیبت اور چوری وغیرہ سے بچنے کی تعلیم دیتا ہے۔

۴- اجتماعی زندگی: انسان معاشرے میں دوسرے انسانوں سے مل جل کر زندگی بسر کرتا ہے۔ لہٰذا قرآن اس سلسلے میں ہمیں ایک دوسرے کے حقوق و فرائض مثلاً ہمسایوں، رشتے داروں اور عام شہریوں کے بارے میں پر تاثیر انداز میں آگاہ کرتا ہے۔

۵- خاندانی زندگی: معاشرتی زندگی کی بنیادی اکائی خاندان ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں میاں بیوی، اولاد اور والدین کے حقوق و فرائض قرآن نے بڑی عمدگی سے بیان فرمائے ہیں۔

۶- معاشی زندگی: قرآن نے معاشی زندگی سے متعلق حلال و حرام کے اصول اور اسلامی معاشی اقدار کی جامع تعلیمات عطا کی ہیں۔

۷- سیاسی زندگی: قرآن کریم تمام مسلمانوں کو اپنے امیر کی اطاعت حکم دیتا ہے بشرطیکہ وہ قرآن وسنت کے خلاف احکام صادر نہ کرے۔

حفاظت قرآن

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو اس نے حضرت محمد ﷺ پر اتاری اور اس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود اٹھا لیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [سورۃ الحجر:۹] (بے شک ہم نے ہی یہ ذکر (قرآن مجید) نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)۔

۱- عہد نبوی ﷺ میں حفاظت قرآن: آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں قرآن پاک کی حفاظت کے تین طریقے تھے:

(I) کتابت (لکھنا) (II) حفظ (زبانی یاد کرنا) (III) تلاوت

I- کتابت: قرآن مجید اکٹھا نازل نہیں ہوا بلکہ تقریباً ۲۳ سال میں تھوڑا تھوڑا کر کے

نازل ہوتا رہا اور اس کو لکھا جاتا رہا۔
کاتبین وحی: وہ صحابہ کرامؓ جنہیں قرآن مجید کی ایک آیت بھی لکھنے کا شرف حاصل ہوا انہیں کاتبینِ وحی کہا جاتا ہے اور ان کی تعداد تقریباً چالیس بنتی ہے جو قرآنی آیت یا سورت نازل ہوتی تو نبی پاک ﷺ کاتب وحی کو بلوا کر اسے لکھوا دیتے اور ساتھ ہدایت فرما دیتے کہ اسے فلاں سورت یا آیت سے پہلے یا بعد میں لکھا جائے۔
مسجد نبوی میں متعین مقام: مسجد نبوی میں ایک مقام مخصوص تھا۔ جہاں وہ لکھی ہوئی آیات رکھ دی جاتی تھیں اور صحابہ کرامؓ اس کی نقل کر کے لے جاتے تھے۔ اس طرح عہدِ نبوی میں کتابتِ قرآن کا کام کیا گیا۔
(II) حفظ: جو صحابہ کرامؓ آیات کو لکھ کر ساتھ لے جاتے تو وہ انہیں یاد کر لیتے تھے۔ اس طرح قرآن مجید لکھا بھی جاتا رہا اور ساتھ ساتھ حفظ بھی ہوتا رہا اور اس کارِ خیر میں خواتین وحضرات نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا یہاں تک کہ عہد نبویؐ میں اکثر امہات المومنین، صحابہ و صحابیات اور اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کئی افراد کو قرآن حفظ ہو چکا تھا۔
(III) تلاوت: قرآن مجید کی حفاظت کا ایک ذریعہ اس کی تلاوت بھی تھی کیوں کہ پانچ نمازوں کے دوران قرآن مجید کی تلاوت ہر صورت کرنا پڑتی اور رمضان کے مہینے میں تراویح کے دوران بھی پورے قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے۔
۲- عہد صدیقی میں حفاظت قرآن: حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے دَورِ خلافت میں قرآن مجید کی حفاظت و تدوین کی خدمات سرانجام دیں۔ جن کی کچھ تفصیل مندرجہ ذیل ہے:
(I) جنگ یمامہ میں کثیر حفاظ صحابہ کرامؓ کی شہادت: حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دَورِ خلافت میں مُسَیلَمَہ کذّاب کے خلاف لڑی گئی جنگِ یمامہ میں کثیر حفاظ صحابہ کرامؓ شہید ہو گئے۔ جن کی تعداد تقریباً ۷۰ بتائی جاتی ہے۔
(II) حضرت عمرؓ کا مشورہ: اس کثرت کے ساتھ حفاظ صحابہؓ کی شہادت کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو مشورہ دیا کہ قرآن مجید کے لکھے ہوئے اجزاء کو ایک کتابی شکل میں مرتب کر لیا جائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے کافی غور و فکر کے بعد حضرت عمرؓ کی رائے کو تسلیم کر لیا۔
(III) حضرت زید بن ثابت انصاریؓ کا تقرر: حضرت ابو بکر صدیقؓ نے تدوین قرآن کا کام حضرت زید بن ثابت انصاریؓ کے سپرد کر دیا جنہوں نے قرآن کے تمام لکھے ہوئے اجزاء کو جمع کر کے قرآن مجید کا ایک نسخہ تیار کیا جس میں آیات اور سورتوں کی

ترتیب اور نام وہی تھے جو نبی پاک ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مقرر فرمائے تھے۔
۳- عہد عثمانیؓ میں حفاظت قرآن: حضرت عثمانؓ نے اپنے دَورِ خلافت میں قرآن کریم کو ایک قراءت پر جمع کر دیا جس وجہ سے انہیں "جامع القرآن" کہا جاتا ہے۔
(I) اختلاف قراءت: عربوں میں سات قراء تیں مشہور تھیں اور قرآن کو کسی بھی قراءت کے مطابق پڑھنا جائز تھا لیکن اسلام جب عرب سے نکل کر دوسرے علاقوں میں پھیل گیا تو اس وقت قرآن کی قراءت میں کئی اختلاف پیدا ہو گئے۔ جن کا خاتمہ ضروری تھا۔
(II) حضرت حُـذَیـفَۃؓ بن یمان کا مشاہدہ اور حضرت عثمانؓ کو مشورہ: حضرت حذیفہؓ بن یمان نے آذربائیجان اور آرمینیا کے علاقوں کے دَوروں کے دوران دیکھا کہ لوگوں کا قرآن کو پڑھنے کے طریقے میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ لہٰذا انہوں نے واپس مدینہ طیبہ میں آکر امیرالمومنین حضرت عثمانؓ کو مشورہ دیا کہ امت کو اختلاف سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ قرآن مجید کو قریش کی قراءت کے مطابق کر دیا جائے اور تمام کو اس کے مطابق پڑھنے کا پابند بنا دیا جائے تو امت محمدیہ ایک بہت بڑے اختلاف سے بچ جائے گی۔
(III) حضرت زیدؓ بن ثابت کی سربراہی میں کمیٹی کا قیام: حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کی سربراہی میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت سعید بن العاصؓ اور عبدالرحمٰن بن حارثؓ پر مشتمل کمیٹی تشکیل دی۔ ان میں حضرت زیدؓ کے علاوہ باقی تمام اصحاب قریشی تھے۔ اس طرح اس کمیٹی نے پورے قرآن مجید کو قریشی قراءت اور لہجے کے مطابق لکھ دیا۔ بعد میں اس کی نقول تیار کر کے ایک نسخہ مدینہ طیبہ میں رکھ دیا گیا اور باقی تمام صوبائی دارالحکومتوں میں بھی ایک ایک نسخہ بھیج دیا گیا اور ہدایت جاری کی گئی کہ آئندہ قرآن مجید کی تلاوت اور قراءت اس نسخے کے مطابق کی جائے۔

فضائل قرآن

قرآن مجید کے فضائل بے شمار ہیں ان میں سے چند ایک کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:
۱- شک سے بالاتر کتاب: قرآن مجید دنیا کی واحد کتاب ہے کہ جس میں دی ہوئی معلومات یقینی اور حقیقت پر مبنی ہیں اور ان میں کسی بھی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ [سورۃ البقرۃ: ۲] (قرآن مجید وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں)۔
۲- جامع تعلیمات: قرآن مجید اپنی تعلیمات کے لحاظ سے جامع ہے کیونکہ اس میں عقائد، عبادات، دعائیں، اخلاق، احکام اور تاریخی واقعات الغرض ہر خشک و تر اس کتاب میں موجود ہے۔
۳- عالمگیر تعلیمات: قرآن مجید کی تعلیمات میں عالمگیریت ہے اس میں ہر زمانے اور

ہر خطے کے لوگوں کے لیے دائمی اور مکمل ہدایت اور فوز و فلاح موجود ہے۔

۴- دنیا و آخرت کی کامیابی: یہ دنیا کی واحد کتاب ہے کہ جس کی تعلیمات پر عمل کرنے کی صورت میں دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضمانت دی گئی ہے۔

۵- تمام کلاموں کا سردار: قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور تمام کلاموں کا سردار ہے: كَلَامُ السَّيِّدِ سَيِّدُ الْكَلَامِ۔ (سردار کا کلام تمام کلاموں کا سردار ہوتا ہے)

۶- معلم قرآن کی فضیلت: جس طرح یہ قرآن تمام کلاموں سے بہتر ہے اسی طرح قرآن مجید کو سیکھ کر دوسروں کو سکھانے والا تمام لوگوں سے افضل ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَ عَلَّمَهٗ (تم میں سے بہتر وہ ہے جو خود قرآن مجید سیکھے اور اسے دوسروں کو سکھائے)۔

۷- تلاوت قرآن سب سے افضل عبادت: قرآن کریم کی تلاوت سب سے بڑی نیکی اور افضل عبادت ہے۔ فرمان نبویؐ ہے: "اَفْضَلُ عِبَادَةِ اُمَّتِيْ تِلَاوَةُ الْقُرْآنِ" (میری امت کے لیے سب سے زیادہ فضیلت والی عبادت قرآن مجید کی تلاوت ہے)۔

۸- ایک حرف کی تلاوت پر دس نیکیاں: نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ قرآن مجید کے ایک حرف کی تلاوت کرنے پر دس نیکیاں ملتی ہیں اور ایک نیکی کا ثواب دس گنا ہے۔

۹- قوموں کا عروج و زوال: قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ عروج اور ترقی عطا فرماتا ہے اور عمل نہ کرنے والوں کو زوال اور ذلت سے دو چار کر دیتا ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: "اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَّ يَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ" (اللہ تعالیٰ اس قرآن کے ذریعے کئی قوموں کو سربلند کرے گا اور کئی قوموں کو (عمل نہ کرنے کی وجہ سے) نیچا دکھائے گا۔

۱۰- آخری آسمانی کتاب: قرآن مجید آخری آسمانی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمائی۔

۱۱- محفوظ کتاب: گزشتہ تمام آسمانی کتابیں ردّ و بدل سے محفوظ نہ رہ سکیں لیکن قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود اٹھایا ہے اور دنیا کی سب سے زیادہ محفوظ کتاب قرآن مجید ہے۔ جس میں کسی قسم کی کوئی تحریف اور تبدیلی نہیں ہے۔

۱۲- قرآن مجید کی زبان زندہ ہے: سابقہ آسمانی کتابیں جن زبانوں میں نازل ہوئیں آج ان زبانوں کو بولنے اور سمجھنے والا کوئی بھی نہیں۔ قرآن مجید وہ کتاب ہے جو عربی زبان میں نازل ہوئی اور اس کی زبان بولنے اور سمجھنے والے دنیا کے گوشے گوشے میں موجود ہیں حتیٰ کہ عربی زبان بیس سے زائد ممالک کی قومی زبان ہے۔

۱۳- حفظ کرنا: قرآن مجید کا حفظ کرنا آسان ہے دنیا کی کسی بھی مذہبی کتاب کا حافظ کوئی

نہیں ملتا جبکہ قرآن مجید کے حافظ دنیا میں لاکھوں کی تعداد میں ہیں جن میں چھوٹے، بڑے، مرد وزن سب شامل ہیں۔

معروضی سوالات

سوال نمبر 1: درج ذیل میں ہر سوال کے ساتھ اس کے چار ممکنہ جوابات دیئے گئے ہیں، ان میں سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

1- قرآن کا لغوی معنی ہے ایسی کتاب:
(a) جو اللہ کی طرف سے نازل کی گئی ہو۔ (b) جس پر عمل کرنے سے ثواب ملے۔
(c) جو بار بار پڑھی جائے۔ ✓ (d) جو بہت بزرگی والی ہے۔

2- قرآن مجید سابقہ آسمانی کتابوں کی............کرتا ہے۔
(a) تردید (b) تصدیق ✓ (c) تکمیل (d) تصحیح

3- نزول قرآن کی ابتداء ہوئی۔
(a) خانہ کعبہ سے (b) سدرۃ المنتہیٰ ہے (c) غار حراء سے ✓ (d) مسجد نبوی ﷺ سے

4- مُهَيْمِنٌ کا معنی ہے۔
(a) حافظِ قرآن (b) محافظ ✓ (c) ہدایت دینے والا (d) منور

5- قرآن کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا ہے۔
(a) اللہ تعالیٰ نے ✓ (b) نبی کریم ﷺ نے (c) حضرت ابو بکر صدیقؓ (d) مومنین نے

6- کثیر تعداد میں قرآن کے حفاظ صحابہ کرامؓ شہید ہوئے۔
(a) غزوۂ بدر میں (b) غزوۂ اُحد میں (c) غزوۂ احزاب (d) جنگ یمامہ میں ✓

7- جامع القرآن............کا لقب ہے۔
(ا) حضرت ابو بکر صدیقؓ (ب) حضرت عمرؓ (ج) حضرت عثمانؓ ✓ (د) حضرت علیؓ

8- نبی کریم ﷺ نے فرمایا:
"میری امت کے لیے سب سے افضل عبادت ہے۔
(ا) تلاوتِ قرآن ✓ (ب) کلمہ طیبہ (ج) نماز پڑھنا (د) صدقہ کرنا

9- قرآن کریم کی کتابت مکمل ہوگئی۔
(a) عہد نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں ✓ (b) حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دور میں
(c) حضرت عمرؓ کے عہد میں (d) حضرت عثمانؓ کے دور میں

10-............کی زبان ایک زندہ زبان ہے۔
(a) تورات (b) زبور (c) انجیل (d) قرآن ✓

11- عربی میں............قراءتیں مشہور تھیں۔

(a) تین (b) پانچ (c) سات ✓ (d) دس

12- حضرت عثمانؓ نے جمع قرآن کے لیے کمیٹی کا سربراہ بنایا۔

(a) حضرت علیؓ (b) حضرت زید بن ثابتؓ ✓

(c) حضرت حذیفہ بن یمانؓ (d) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ

13- قرآن کا ایک .... پڑھنے سے دس نیکیاں ملتی ہیں۔

(a) لفظ (b) حرف ✓ (c) رکوع (d) پارہ

14- نزول قرآن کی تکمیل ہوئی۔

(a) چالیس سال میں (b) 63 سال میں (c) 23 سال میں ✓ (d) گیارہ سال میں

سوال نمبر 2: درج ذیل میں سے درست کے سامنے (✓) کا اور غلط کے سامنے (X) کا نشان لگائیں؟

1- نزول قرآن کی ابتداء غار ثور سے ہوئی۔ (X)

2- قرآن اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا۔ (✓)

3- اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لیے قرآن کریم نازل کیا۔ (✓)

4- گذشتہ تمام انبیاء پر نازل ہونے والی کتابیں محفوظ رہیں۔ (X)

5- آسمانی کتابوں میں تبدیلی کرنا کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ (X)

6- حضرت زید بن ثابتؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جمع قرآن کا مشورہ دیا۔ (X)

7- عہد نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں قرآن کو تحریری شکل میں محفوظ کر لیا گیا۔ (✓)

8- حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے حضرت عثمانؓ کو جمع قرآن کا مشورہ دیا۔ (✓)

9- قرآن مجید اپنی تعلیمات کے حساب سے ایک جامع کتاب ہے۔ (✓)

10- قرآن مجید کا ایک لفظ پڑھنے سے دس نیکیاں ملتی ہیں۔ (X)

سوال نمبر 3: درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجئے۔

س: قرآن کا لغوی معنی کیا ہے؟

ج: قرآن کا لغوی معنی بار بار پڑھی جانیوالی کتاب ہے یا ایسی کتاب جو علوم و معارف کا مجموعہ ہو۔

س: قرآن کا اصطلاحی معنی کیا ہے؟

ج: اصطلاحی طور پر قرآن اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا، اور اس کی تلاوت کو نماز میں ضروری قرار دیا گیا۔

س: نزول قرآن کا آغاز کب اور کہاں ہوا؟

ج: جب نبی کریم ﷺ کی عمر چالیس برس کی ہوئی تو غار حرا میں حضرت جبرائیل علیہ السلام پہلی وحی لے کر حاضر ہوئے۔

س۔ سب سے پہلے کونسی آیات نازل ہوئیں۔

ج: سب سے پہلے سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔

س: نزولِ قرآن کی حکمت کیا ہے؟

ج: قرآن ہدایت کی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی دائمی ہدایت کا بندوبست نبی کریم ﷺ پر قرآن مجید نازل کر کے فرمایا ہے۔

س: عہد نبوی ﷺ میں حفاظت قرآن کے کیا طریقے اختیار کیے گئے؟

ج: آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں قرآن پاک کی حفاظت کے لیے تین طریقے اختیار کیے گئے۔ 1- کتابتِ قرآن 2- حفظِ قرآن 3- تلاوتِ قرآن

س: کاتبین وحی سے کیا مراد ہے؟

ج: نبی کریم ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ صحابہ کرامؓ میں سے جو لکھنا جانتے تھے ان میں سے کسی کو بلا کر نازل ہونے والی آیات لکھوا دیتے تھے۔ جس جس صحابی کو کوئی آیت لکھنے کا شرف حاصل ہوا اسے کاتب وحی کہتے ہیں۔ ایسے سعادت مند صحابہ کرامؓ کی تعداد چالیس بنتی ہے جنہیں کاتبینِ وحی کہا جاتا ہے۔

س: جنگ یمامہ میں کیا واقعہ پیش آیا؟

ج: حضرت ابوبکر صدیق کے عہد مبارک میں ایک شخص مُسَلَیمَہ کذاب نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر دیا۔ مسلمانوں نے اس کے سدّباب کے لیے جو جنگ لڑی اسے جنگ یمامہ کہتے ہیں۔

س: عہد صدیقیؓ میں حضرت زید بن ثابتؓ نے کیا کارنامہ سرانجام دیا؟

ج: حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تدوینِ قرآن کا کام حضرت زید بن ثابتؓ کے سپرد کیا جنہوں نے قرآن مجید کے تمام لکھے ہوئے اجزاء کو جمع کر کے قرآن مجید کا ایک نسخہ تیار کیا۔

س: قوموں کے عروج و زوال میں قرآن مجید کا کیا کردار ہے؟

ج: نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے کئی قوموں کو سر بلند فرمائے گا اور کئی قومیں اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے تباہی و بربادی سے ہمکنار ہو جائیں گی۔

......☆......☆......☆......

2– منتخب قرآنی آیات

ترجمہ وتشریح

۱- سورۃ البقرۃ: (آیات: ۲۸۴-۲۸۶) ایمانیات

۲- سورۃ الأنعام (آیات ۱۵۱-۱۵۳) احکام

۳- سورۃ الفرقان (آیات ۶۳-۶۷) آدابِ معاشرت

۴- سورۃ الأحزاب (۶، ۲۱، ۴۰، ۵۶، ۵۷) تخصصاتِ نبوی

۵- سورۃ الحُجرات (آیات ۱-۱۸) آدابِ نبوی- معاشرتی احکام

اللہ تعالیٰ ہر ظاہر و پوشیدہ چیز کو جانتا ہے (سورۃ البقرۃ: ۲۸۴)

لِلّٰهِ	مَا	فِي	السَّمٰوٰتِ	وَ مَا	فِي	الْاَرْض
اللہ کے لیے	جو کچھ	میں	آسمانوں	اور جو کچھ	میں	زمین

جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اللہ کے لیے ہے

وَ	اِنْ	تُبْدُوْا	مَا	فِيْٓ	اَنْفُسِكُمْ	اَوْ	تُخْفُوْهُ
اور	اگر	تم ظاہر کرو	جو کچھ	میں	تمہارے دلوں	یا	تم چھپاؤ اسے

وہ باتیں جو تمہارے دلوں میں ہیں تم انہیں خواہ ظاہر کرو یا انہیں چھپاؤ، اللہ تم سے

يُحَاسِبْكُمْ	بِهِ	اللّٰهُ	فَيَغْفِرُ	لِمَنْ	يَّشَآءُ
وہ حساب لے گا تمہارا	اسکے ساتھ	اللہ تعالیٰ	پس وہ معاف کرے گا	جس کیلئے	وہ چاہے گا

اس کا حساب لے گا پھر جسے چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا

وَ	يُعَذِّبُ	مَنْ	يَّشَآءُ	وَاللّٰهُ	عَلٰى	كُلِّ	شَيْءٍ	قَدِيْرٌ
اور	وہ عذاب دے گا	جسے	وہ چاہے گا	اور اللہ	پر	تمام	چیز	قادر

اور اللہ ہر چیز پر کامل قدرت رکھنے والا ہے۔

تشریح

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم کا بیان ہے کہ جو کچھ بھی اس کائنات میں ہے اس کا پیدا کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا مالک بھی وہی ہے۔ جب تمام کائنات اور اس میں موجود ہر چھوٹی بڑی چیز اسی ذات کی پیدا کردہ ہے تو یقیناً وہ ذات ان تمام اشیاء کو خوب جانتی ہے چونکہ انسان اس کائنات کے موجودات میں سے ایک اہم جزو ہے اور قرآن کا مخاطب بھی انسان ہے اس لیے اس کو خبردار کیا گیا ہے کہ تمام کائنات کے پوشیدہ اور ظاہر کی طرح انسان کے دل میں موجود خیالات کو وہ اللہ خوب جانتا ہے۔ انسان ان خیالات کو ظاہر کرے یا اپنے دل کے نہاں خانوں میں چھپا کر رکھے وہ اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہیں اور انسان کو اس بات پر بھی خبردار کیا جارہا ہے کہ وہ یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ وہ اپنی سوچ اور منصوبوں میں آزاد ہے کہ جو چاہے سوچے اور منصوبے بنائے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے خیالات اور ارادوں کا بھی محاسبہ ہوگا البتہ یہ اختیار اللہ کا ہے کہ جسے چاہے معاف کردے اور جسے چاہے اس کو سزا کے طور پر عذاب میں مبتلا کردے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ انتہائی بے قراری کی حالت میں بارگاہِ رسالت

مآب ﷺ میں حاضر ہوئے اور اپنے گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آج تک جو بھی احکام نازل ہوئے ہم ان پر عمل کر سکتے تھے مگر اس آیت کے حکم پر عمل پیرا ہونا ہمارے بس میں نہیں۔ حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی بے چینی اور بے قراری کو جان لیا اور فرمایا کہ تم یہود و نصاریٰ کی طرح یہ مت کہو **سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا** یعنی (ہم نے سن تو لیا ہے مگر مانا نہیں) بلکہ تم اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے اپنا سر جھکا کر یہ کہو **سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا** یعنی ہم نے سنا اور ہم نے مان لیا اور اطاعت اختیار کی۔ آپ ﷺ کے ارشاد گرامی اور آپ ﷺ کی تعلیم پر صحابہ کرامؓ کی زبانوں پر یہ کلمات جاری ہو گئے۔

آیت کے مضمون کا عملی زندگی سے تعلق: اس آیت میں عمومی طور پر انسان کے دل میں پیدا ہونے والے ہر خیال پر محاسبے کا مفہوم پایا جاتا ہے اور یہی بات صحابہ کرامؓ کیلئے باعثِ تشویش بنی تھی جسے رسول اللہ ﷺ نے اطمینان میں بدل دیا۔ بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے دلوں میں جو وسوسے گزرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرماتا ہے جب تک وہ انہیں عمل میں نہ لائیں یا ان کا تذکرہ نہ کریں۔

یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ قرآن کی تشریح و تفسیر خود قرآن سے ہوتی ہے یا پھر اس کی تفسیر کا اوّلین حق رسالتِ مآب ﷺ کا ہے جو آپ ﷺ اپنی احادیث کے ذریعے ارشاد فرماتے ہیں۔ اس طرح آیت کی وضاحت حدیث میں کر دی گئی ہے۔

دل میں پیدا ہونے والے خیالات پر مواخذہ: انسان کے دل میں دو طرح کے خیال آتے ہیں۔ ایک بطور وسوسہ کے، جن سے دل کا خالی ہونا انسان کے اختیار میں نہیں۔ ایسے خیالات کو حدیثِ نفس یا وسوسہ کہا جاتا ہے اگر انسان اپنے خیالات کو برا جانے اور انہیں جھٹک دے اور ان پر عمل کرنے کا ارادہ نہ کرے تو ان پر مواخذہ نہیں۔ دوسرے وہ خیالات جن کو انسان اپنے ارادے سے دل میں جگہ دیتا ہے اور ایسے خیالات کو جھٹک کر ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بجائے انہیں طول دیتا رہتا ہے اور ان پر عمل کرنے کا ارادہ کرتا ہے ان پر مواخذہ ہوگا۔ اس آیت میں ان دوسری قسم کے خیالات کا تذکرہ ہے۔

ایمان کی بنیاد (سورۃ البقرۃ: ۲۸۵-۲۸۶)

وَ الْمُؤْمِنُوْنَ	مِنْ رَّبِّهٖ	اِلَيْهِ	اُنْزِلَ	بِمَآ	الرَّسُوْلُ	اٰمَنَ
اور مومنین	اسکے رب (کی طرف) سے	اسکی طرف	نازل کیا گیا	اس پر جو	رسول (ﷺ)	ایمان لایا

وہ رسول (ﷺ) اس پر ایمان لائے جو کچھ ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا اور اہل ایمان بھی

كُلٌّ	اٰمَنَ	بِاللّٰهِ	وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ	وَ كُتُبِهٖ	وَ رُسُلِهٖ
سب	ایمان لایا	اللہ پر	اور اس کے فرشتے	اور اس کی کتابیں	اور اس کے رسول

سب ہی ایمان لائے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر

لَا نُفَرِّقُ	بَيْنَ	اَحَدٍ	مِّنْ	رُّسُلِهٖ	وَ قَالُوْا	سَمِعْنَا	وَ اَطَعْنَا
نہیں ہم فرق کرتے	درمیان	کسی ایک	سے	اس کے رسولوں	اور انہوں نے کہا	ہم نے سنا	اور ہم نے اطاعت کی

(وہ سب ہی یہ کہتے ہیں) ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان بھی ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے اور وہ اللہ کے حضور عرض کرتے ہیں کہ ہم نے تیرا حکم سنا اور اطاعت قبول کی۔ اے ہمارے رب

غُفْرَانَكَ	رَبَّنَا	وَ	اِلَيْكَ	الْمَصِيْرُ ۝
تیری بخشش	اے ہمارے رب	اور	تیری طرف	لوٹنا

ہم تیری بخشش کے طلبگار ہیں اور ہمیں تیری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے

لَا يُكَلِّفُ	اللّٰهُ	نَفْسًا	اِلَّا	وُسْعَهَا	لَهَا	مَا	كَسَبَتْ	وَ	عَلَيْهَا	مَا اكْتَسَبَتْ
نہیں وہ تکلیف دیتا	اللہ	کوئی جان	مگر	اس کی قدرت	اس کیلئے	جو کچھ	اس نے کمایا	اور	اس پر	جو کچھ اس نے کمایا

اللہ کسی جان پر اس کی طاقت سے بڑھ کر ذمہ داری نہیں ڈالتا، جو نیکی اس نے کمائی اس کیلئے اس کا اجر ہے اور اس نے جو گناہ کیا اس کیلئے اس کی سزا ہے

رَبَّنَا	لَا تُؤَاخِذْنَآ	اِنْ	نَّسِيْنَآ	اَوْ	اَخْطَاْنَا	رَبَّنَا	وَ لَا تَحْمِلْ	عَلَيْنَآ
اے ہمارے رب	نہ تو مواخذہ کر ہمارا	اگر	ہم بھول گئے	یا	ہم نے خطا کی	اے ہمارے رب	اور نہ تو بوجھ ڈال	ہم پر

اے ہمارے رب تو ہماری گرفت نہ فرما اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر بیٹھیں اے ہمارے رب ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال

اِصْرًا	كَمَا	حَمَلْتَهٗ	عَلَى	الَّذِيْنَ	مِنْ	قَبْلِنَا	رَبَّنَا	وَ لَا تُحَمِّلْنَا	مَا
بوجھ	جیسا کہ	تو نے وہ بوجھ ڈالا	پر	جو	سے	ہم سے پہلے	اے ہمارے رب	اور نہ تو ہم پر بوجھ ڈال	جس

کہ جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا، اے ہمارے رب اور ہم پر اتنا بوجھ بھی نہ ڈال

لَاطَاقَةَ	لَنَا	بِهٖ	وَاعْفُ	عَنَّا	وَاغْفِرْلَنَا	وَارْحَمْنَا	اَنْتَ
نہیں طاقت	ہمارے لیے	ساتھ اس کے	معاف کرتو (درگذر کر)	ہم سے	تو بخشش کر ہمارے لیے	اورتو رحم فرما ہم پر	تو

کہ جسے اٹھانے کی طاقت ہم میں نہ ہو اور ہمارے گناہوں سے درگزر فرما اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما

مَوْلٰنَا	فَانْصُرْنَا	عَلَى	الْقَوْمِ	الْكٰفِرِيْنَ۞
ہمارا آقا	پس تو مدد کر ہماری	پر	قوم	کفار

تو ہی ہمارا کار ساز ہے تو ہمیں کافروں کی قوم پر غلبہ عطا فرما۔

تشریح

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ اور مومنین کے ایمان کا تذکرہ کیا ہے، جو اسلامی عقیدے کی بنیاد ہے۔ان آیات کے موضوعات درج ذیل ہیں:

۱۔اللہ تعالیٰ پر ایمان یعنی اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے اور صرف اسی کے معبود ہونے پر ایمان لانا۔

۲۔ملائکہ پر ایمان یعنی فرشتوں کا اللہ کی مخلوق ہونے اور معصیت سے پاک ہونے پر ایمان لانا۔

۳۔ کتب سماوی پر ایمان وہ تمام کتابیں اور صحیفے جو اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں انسانوں کی ہدایت کیلئے اپنے انبیاء و رسل پر نازل کیے ان پر ایمان لانا کہ وہ سب برحق اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں۔

۴۔رسولوں پر ایمان: تمام انبیاء اور رسول جو مختلف زمانوں میں مبعوث ہوئے سب اللہ تعالیٰ کے سچے اور تابع فرماں بندے تھے ان تمام پر ایمان لانا لازم ہے اور ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے۔ مزید یہ کہ ان کی رسالت اور تعلیمات میں بنیادی طور پر کوئی فرق نہیں اور نہ ہی محض نبی اور رسول ہونے کی بنیاد پر ان میں کوئی فرق ہے البتہ فضیلت کے لحاظ سے ان انبیاء اور رسولوں کے اپنے اپنے مراتب ہیں اور اس کا اظہار خود اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۳ میں کیا ہے۔ کہ ان رسولوں میں سے بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت عطا کی ہے۔

۵۔یوم آخرت پر ایمان: اگرچہ اس آیت میں یوم آخرت پر ایمان کا تذکرہ نہیں ہے لیکن قرآن و حدیث میں بار ہا یوم القیامہ اور اور یوم البعث کا تذکرہ کیا گیا ہے جو کہ بنیادی عقائد کا ایک لازمی جزو ہے۔ یوم آخرت یا یوم البعث سے مراد وہ دن ہے جب کائنات کا یہ نظام لپیٹ دیا جائے گا اور تمام انسان اپنے اعمال کی جوابدہی اور جزا و سزا کا سامنا کرنے کیلئے اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے اور کوئی اپنے اثر و رسوخ، مال و دولت یا

عہدے اور خاندان کی وجہ سے بچ نہ سکے گا۔

شانِ نزول: اس آیت کے شان نزول کے بارے میں صحیح مسلم اور مسند امام احمد میں حضرت ابوہریرہؓ سے یہ روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر یہ آیت لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ (البقرۃ:۲۸۴) نازل ہوئی اور صحابہ کرامؓ انتہائی بے قراری کی حالت میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اپنی پریشانی اور بے بسی کا ذکر کیا جس کی تفصیل آیت ۲۸۴ کی تشریح کے ضمن میں گزر چکی ہے تو آپ ﷺ کی تلقین پر صحابہؓ نے عمل کرتے ہوئے سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا کہتے ہوئے سر تسلیم خم کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر دل و جان سے عمل پیرا رہنے کیلئے اپنے عزم کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل کو قبول کیا اور بطور تحسین یہ دو آیات نازل فرما کر ان کے ایمان کی پختگی کی گواہی کو تا قیامت مثال بنا کر پیش کر دیا۔

ان آیات کی فضیلت: ان دو آیات کی فضیلت میں متعدد احادیث کتب احادیث میں مذکور ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سورۃ البقرۃ کی اختتامی آیات مجھے عرش الٰہی کے نیچے موجود خزانوں میں سے عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئیں...... اسی طرح بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی سورۃ البقرۃ کی آخری آیات رات کو پڑھ لے یہ اس کیلئے کافی ہیں۔

محاسبہ اور تخفیف: آیت نمبر ۲۸۴ میں اس بات کا ذکر ہے کہ تم لوگ اپنے دلوں کے خیالات کو چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ تعالیٰ تم سے اس بارے میں حساب لے گا دلوں کے خیالات کے محاسبے پر صحابہ کرامؓ بے چین ہوئے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی وساطت سے مومنین کو آیت نمبر ۲۸۶ میں یہ خوشخبری دی کہ کسی بھی بندے پر اس کی طاقت سے بڑھ کر احکام کا بوجھ نہیں ڈالا جائے گا لہٰذا اس مفہوم کو آپ ﷺ نے اپنے فرمان کے ذریعے واضح فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ میری امت کے دلوں میں پیدا ہونے والے ایسے وسوسوں سے کہ جب تک وہ اُن پر عمل نہ کریں درگزر فرماتا ہے۔

اس آیت میں لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ کے الفاظ میں بہت بڑی حکمت اور مومنین کے لیے خوشخبری ہے یعنی خیر اور بھلائی کیلئے لَهَا مَا كَسَبَتْ کے الفاظ ہیں جبکہ شر اور برائی کیلئے وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ کے الفاظ ہیں اکتسبت باب افتعال ہے جس میں ارادہ اور عزم کے ساتھ عمل کا مفہوم ہے یعنی نیکی جو بھی ہوگی اس کا اس کے لیے اجر ہے مگر برائی کی سزا اسی صورت میں ہوگی جب اس کے دل کا ارادہ اور عزم مکمل حاوی ہوگا۔ اسی مفہوم میں کچھ دیگر آیات بھی ہیں جیسے ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ

بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾ [البقرۃ: ۱۸۵] (اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں چاہتا) اور ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ [الحج: ۸۷] (اور اس نے تم پر دینی معاملات میں کوئی مشقت نہیں رکھی)۔

تلقین دعا: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دعا کیلئے متعدد مرتبہ تلقین کی ہے۔ انسان کیلئے جائز ہے کہ جن الفاظ میں بھی چاہے اپنی حاجات کیلئے اپنے رب سے دعا کرے مگر انسان کے الفاظ میں وہ جامعیت نہیں ہوسکتی جو کہ خالق و مالک کے الفاظ میں ہے۔ انسان اپنی سوچ اور تنگ دامنی کے مطابق ہی الفاظ کا چناؤ کرتا ہے جو کہ اللہ کی عطاؤں کے مقابلے میں بہت ہی محدود ہیں اس لیے بہتر ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ کے ساتھ دعا کرے جو اس نے خود تلقین کیے ہیں۔ قرآن میں تلقین کردہ متعدد دعاؤں میں سے سورۃ البقرۃ کی یہ آخری آیات بھی ہیں جو بہت جامع ہیں جن کا مفہوم مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ بھول اور خطا پر پکڑ نہ کرنے کی دعا: انسان اپنی ساری زندگی کے شب و روز میں قدم قدم پر خطاء اور بھول چوک سے دو چار ہوتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات مقتدر ہے وہ چاہے تو ان خطاؤں پر بھی بندوں کی پکڑ کرے۔ مگر اس رحیم و کریم رب نے اپنی عنایات سے خود اپنے بندوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ تم اپنی خطاؤں اور بھول چوک پر ڈٹ نہ جایا کرو بلکہ احساس ہونے پر ندامت کا اظہار کرتے ہوئے مجھ سے یوں دعا مانگو، رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا (اے ہمارے رب! تو ہماری بھول یا خطا پر ہماری گرفت نہ فرما) تو یقیناً میں تمہاری خطائیں معاف کرنے والا ہوں کیونکہ امام طبرانی، حاکم اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ذر غفاریؓ اور ابن عباسؓ سے یہ روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری امت کی بھول چوک خطاؤں اور ان اعمال پر درگزر فرمائے گا کہ جن پر انہیں مجبور کر دیا گیا ہو۔

طاقت سے زیادہ بوجھ اور مشقت سے بچنے کی درخواست: سابقہ امتوں پر احکام الٰہی کی مشقتیں ہم سے زیادہ تھیں جیسا کہ روایات میں ملتا ہے کہ ان پر مال کا چوتھائی حصہ زکوٰۃ فرض تھی، اسی طرح لباس میں نجاست سے آلودہ ہو جانے والی جگہ کاٹ دینے کا حکم، عبادت کرنے کیلئے صرف مخصوص جگہ کا متعین ہونا، ہفتے کے دن شکار کا منع ہونا۔ گناہوں کی توبہ کیلئے اپنی جان کو تلف کرنا، مالِ غنیمت کا حرام ہونا اور ان جیسے احکام کی وجہ سے وہ انتہائی مشقت میں پڑے رہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یہ دعا تلقین کر کے اس امت پر اپنی خصوصی رحمت کا اظہار فرمایا ہے۔ اس بات کی وضاحت احادیث میں بھی ملتی ہے۔ صحیح

بخاری میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا ہوئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئیں۔ اس حدیث میں جن پانچ چیزوں کا تذکرہ ہے ان میں سے دو کا تعلق اس مشقت سے نجات پانے سے بھی ہے جیسے تمام روئے زمین کو پاک کر دیا جانا کہ جہاں بھی آپ ﷺ کا امتی عبادت کرنا چاہے تو وہ کر سکتا ہے اس کے لیے مسجد یا کسی عبادت خانے کی پابندی نہیں ہے اور اسی طرح مال غنیمت کا حلال کیا جانا۔

ان آیات کے موضوعات اور ان کی خیر و برکت اور حکمتیں بے شمار ہیں جن میں سے چند ایک کا تذکرہ یہاں کر دیا گیا ہے۔

(سورۃ الأنعام: ۱۵۱-۱۵۳) حلال اور حرام چیزوں کے احکام

قُلْ	تَعَالَوْا	اَتْلُ	مَا	حَرَّمَ	رَبُّكُمْ	عَلَيْكُمْ	اَلَّا تُشْرِكُوْا	بِهٖ	شَيْئًا
کہہ دیں	آؤ	میں تلاوت کرتا ہوں	جو	حرام ٹھہرایا	تمہارے رب (نے)	تم پر	کہ نہ شریک کرو	اسکے ساتھ	کوئی چیز

(اے رسول ﷺ) آپ فرما دیں ان سے کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سنا دوں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں وہ یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

وَّ بِالْوَالِدَيْنِ	اِحْسَانًا	وَ لَا تَقْتُلُوْٓا	اَوْلَادَكُمْ	مِّنْ	اِمْلَاقٍ	نَحْنُ	نَرْزُقُكُمْ	وَ اِيَّاهُمْ
اور ماں باپ کے ساتھ	احسان	اور نہ قتل کرو	تمہاری اولاد	سے	مفلسی	ہم	ہم رزق دیتے ہیں تمہیں	اور ان کو

اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور مفلسی کے باعث اپنی اولاد کو قتل نہ کرو ہم ہی تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی

وَ لَا تَقْرَبُوا	الْفَوَاحِشَ	مَا	ظَهَرَ	مِنْهَا	وَ مَا	بَطَنَ
اور نہ قریب نہ جاؤ	بے حیائی کے کام	جو	ظاہر	ان میں سے	اور جو	پوشیدہ

اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ وہ پوشیدہ ہوں

وَ لَا تَقْتُلُوا	النَّفْسَ	الَّتِي	حَرَّمَ	اللّٰهُ	اِلَّا	بِالْحَقِّ	ذٰلِكُمْ	وَصّٰكُمْ بِهٖ	لَعَلَّكُمْ	تَعْقِلُوْنَ
اور نہ قتل کرو	جان	جسے	حرام کیا	اللہ	مگر	حق کے ساتھ	یہی وہ	اس نے وصیت کی تمہیں ان کی	تا کہ تم	تم عقل کرو

اور کسی کو ناحق قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے یہی وہ امور ہیں جن کا اس نے تمہیں تاکید سے حکم دیا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو

وَ لَا تَقْرَبُوا	مَالَ الْيَتِيمِ	إِلَّا	بِالَّتِي	هِيَ	أَحْسَنُ	حَتَّى	يَبْلُغَ	أَشُدَّهُ
اور نہ قریب جاؤ	یتیم کا مال	مگر	اس کے ساتھ	وہ	بہترین	حتی کہ	وہ پہنچ جائے	اس کی جوانی

اور یتیم کے مال کے قریب مت جانا مگر ایسے طریق سے جو بہت ہی پسندیدہ ہو یہاں تک وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے

وَ أَوْفُوا	الْكَيْلَ	وَ الْمِيزَانَ	بِالْقِسْطِ	لَا نُكَلِّفُ	نَفْسًا	إِلَّا	وُسْعَهَا
اور پورا کرو	پیمانے	اور ترازو	انصاف کے ساتھ	اور ہم تکلیف نہیں دیتے	کسی جان (کو)	مگر	اس کی طاقت

اور اپنے ناپ تول کو انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو ہم کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتے

وَ إِذَا قُلْتُمْ	فَاعْدِلُوا	وَ لَوْ كَانَ	ذَا قُرْبَى	وَ بِعَهْدِ اللَّهِ	أَوْفُوا	ذَلِكُمْ	وَصَّاكُمْ	بِهِ
اور جب تم بات کرو	تم عدل کرو	اور اگر وہ تھا	رشتہ دار	اور اللہ کے وعدہ کے ساتھ	وہ تم وفا کرو	وہ	اس نے تم وصیت کی تم کو	اسکے ساتھ

اور جب تم (کسی کی نسبت) بات کرو تو عدل کرو اگرچہ وہ تمہارا قرابت دار ہی ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو، یہی وہ باتیں ہیں جس کا اس نے تمہیں تاکید کے ساتھ حکم دیا ہے

لَعَلَّكُمْ	تَذَكَّرُونَ
تاکہ تم	تم نصیحت پکڑو

تاکہ تم نصیحت قبول کرو

وَ	أَنَّ	هَذَا	صِرَاطِي	مُسْتَقِيمًا	فَاتَّبِعُوهُ	وَ	لَا تَتَّبِعُوا	السُّبُلَ
اور	کہ	یہ	میرا راستہ	سیدھا	پس تم پیروی کرو اس کی	اور	نہ تم پیروی کرو	راستے

اور یہ کہ یہی (شریعت) میرا راستہ ہے جو کہ سیدھا ہے تم اسی کی پیروی کرو اور (اس کے علاوہ) دوسرے راستوں کی پیروی نہ کرو

فَتَفَرَّقَ بِكُمْ	عَنْ	سَبِيلِهِ	ذَلِكُمْ	وَصَّاكُمْ	بِهِ	لَعَلَّكُمْ	تَتَّقُونَ
پس وہ جدا کر دے تمہیں	سے	اس کا راستہ	وہ	اس نے وصیت کی تم کو	اس کے ساتھ	تاکہ تم	تم پرہیزگار ہو

وہ (دوسرے راستے) تمہیں اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گے۔ یہی وہ باتیں ہیں جن کا اس نے تمہیں تاکید کے ساتھ حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

تشریح

آیات کی فضیلت: ان آیات کی فضیلت اور ان میں موجود احکام کے حوالے سے متعدد روایات ذکر کی گئی ہیں انہیں میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت عبادہؓ بن صامت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو تین چیزوں پر مجھ سے بیعت کرے پھر آپ ﷺ نے یہی آیات (قُلْ تَعَالَوا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيكُمْ) تلاوت فرمائیں اور جب ان آیات کی تلاوت کر چکے تو فرمایا جو کوئی اس بیعت یا اس عہد کو پورا کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے اور جو کوئی اس عہد میں سے کچھ کمی کرے اور اللہ اس کی پکڑ دنیا میں ہی کرے تو یہی اس کی سزا ہے اور جس کی پکڑ کو اللہ آخرت تک مؤخر کر دے تو اس کا معاملہ بھی اللہ کے سپرد ہے اگر وہ چاہے اس کو سزا دے یا چاہے تو اس کو معاف کر دے (مستدرک امام حاکم) اسی طرح حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ سورۃ الانعام میں کچھ ایسی محکم آیات ہیں جو اُمّ الکتاب کا درجہ رکھتی ہیں پھر آپؐ نے یہی آیات تلاوت فرمائیں۔ اسی طرح حضرت عبداللہؓ ابن مسعود نے فرمایا کہ جو کوئی رسول اللہ ﷺ کی آخری وقت کی وصیت دیکھنا چاہتا ہو اسے چاہیے کہ وہ یہی آیات پڑھ لے۔

آیات کی تشریح: سورہ الأنعام کی ان آیات اور ان سے پہلے والی آیات کی مناسبت دیکھی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان سے پہلے والی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی ان خود ساختہ حلال اور حرام کردہ کھانے پینے کی اشیاء والے عقیدے کا ردّ فرمایا اور یہ واضح کر دیا کہ یہ ان مشرکین نے اپنے طور پر ہی حرام ٹھہرالی ہیں اللہ نے ان کو حرام ہرگز نہیں ٹھہرایا۔

اسی طرح سورۃ الأنعام کی آیات ۱۵۱ تا ۱۵۳ میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم ﷺ سے فرما رہے ہیں کہ اے حبیب ﷺ آپ ان کفار و مشرکین سے کہہ دیں تم اپنی خواہشات اور شیطانی وسوسوں کی وجہ سے حرام ٹھہرائی گئی چیزوں کو چھوڑو اور میرے پاس آؤ میں تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں کہ تمہارے رب نے اپنی وحی اور اپنے حکم سے کن چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے۔ ان آیات میں بیان کردہ امور دس ہیں۔ جن میں سے پانچ صیغہ نہی کے ساتھ بیان ہوئی ہیں اور پانچ صیغہ امر کے ساتھ جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ شرک کی ممانعت: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَلَّا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا یعنی تمہیں نصیحت کی جاتی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ کیونکہ جتنے بھی عظیم اور بڑے بڑے مظاہر ہیں جیسے سورج چاند، ستارے اور جتنی بھی عظیم المرتبت ہستیاں ہیں جیسے انبیاء، صالحین اور ملائکہ سب کے سب اللہ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں۔ ارشاد ربانی

ہے: ﴿اِنۡ كُلُّ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِى الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا﴾ [سورۃ مریم: ۹۳]
یعنی زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کے بندوں کے طور پر اس کے سامنے حاضر ہیں۔ اس لیے انسانوں پر بھی لازم ہے کہ وہ صرف اللہ وحدہ لاشریک کے سامنے ہی عبادت اور تعظیم کیلئے جھکیں اور اس کے علاوہ جو انہوں نے معبود بنا رکھے ہیں سب باطل ہیں ان کو چھوڑنا ضروری ہے۔

۲- والدین کے ساتھ بھلائی: ارشاد ربانی ہے: ﴿وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا﴾ یعنی اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور ان کا احترام دل و جان سے کرو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر شرک سے اجتناب اور والدین کے ساتھ حسن سلوک روا رکھنے کو ایک ساتھ بیان فرمایا ہے۔ مفسرین اس کی حکمت یہ بیان کرتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ حقیقی طور پر تخلیق فرمانے والا اور رزق عطا کرنے والا ہے جبکہ والدین اللہ تعالیٰ کے ان دو افعال کے مظہر اور وسیلہ ہیں۔ اسی طرح رب کے معنی پالنے والا ہے اور پرورش کا فریضہ والدین بھی انجام دیتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت اور اطاعت کے ساتھ والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کو ملا کر بیان فرمایا ہے تاکہ لوگوں کے قلوب و اذہان میں ان دونوں امور کی اہمیت رچ بس جائے۔

والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور ان کے ساتھ حُسنِ سلوک افضل اعمال میں سے ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ سب سے بہترین عمل کون سا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا اپنے وقت پر نماز، میں نے پوچھا پھر کون سا تو آپ ﷺ نے فرمایا والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک، اسی طرح طبرانی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اپنے والدین سے حُسنِ سلوک اختیار کرو تمہاری اولاد تم سے حُسنِ سلوک کرے گی۔

۳- اولاد کو قتل کرنے کی حرمت: اللہ تعالیٰ نے جس طرح اولاد کو والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کا اور ادب و احترام کا حکم دیا اسی طرح والدین کو اپنی اولاد پر رحمت و شفقت کا حکم دیا ہے اور اولاد کو فقر اور تنگ دستی کے خوف سے قتل کرنے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ رزق کی فراہمی اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے وہ رب کریم جو والدین کو رزق دیتا ہے تو اولاد کے رزق کا ذمہ دار بھی وہی ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۳۱ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اپنی اولاد کو فقر کے خوف سے قتل نہ کرو ان کو بھی اور تمہیں بھی رزق دینے والے ہم ہی ہیں، بے شک اولاد کا قتل بہت بڑا گناہ ہے۔ اسی طرح بیٹیوں کو غیرت کے نام پر قتل کرنا یا زندہ درگور کرنا یہ بھی قتلِ اولاد کے ضمن میں آتا ہے اس کو بھی اسی طرح حرام ٹھہرایا گیا ہے۔

۴۔ بے حیائی کے کاموں کی ممانعت: آیت میں لفظ ''الفواحش'' وسیع معانی کا حامل ہے مختصراً فواحش ان اعمال اور افعال کو کہتے ہیں جو حد درجہ قبیح ہوں اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کو جمع کے طور پر استعمال کیا ہے۔ لہٰذا اس سے مراد کوئی ایک برائی نہیں بلکہ ہر قسم کی قولی و فعلی برائیوں کے صرف ارتکاب سے نہیں بلکہ ان کے قریب بھی جانے سے منع کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ تمام چیزیں جو دل میں گناہوں کی تحریک پیدا کریں وہ حرام ہیں چاہے گندا لٹریچر ہو یا فحش تصویریں، بیہودہ میلے ٹھیلے ہوں یا گانے۔ اسی طرح ظاہر اور باطن دونوں صورتوں میں برائی کو حرام ٹھہرایا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عرب اعلانیہ بدکاری کو برا خیال کرتے اور چھپ کر ایسا کرنے میں کوئی حرج نہ سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں قسموں کو حرام کیا ہے۔

۵۔ قتل ناحق کی ممانعت: انسانی جان کا قتل انسانیت کے خلاف بہت بڑا جرم ہے اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق پر جرأت کا اظہار اور بغاوت ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں حق کے بغیر کسی جان کو قتل کرنے کو پوری انسانیت کے قتل سے تعبیر کیا گیا اور صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جو کوئی معاہد (ذمی) کو قتل کرے وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا جبکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت کی دوری سے محسوس کی جاسکتی ہے۔ حق کے ساتھ قتل کرنے کی وضاحت بھی حدیث نبوی سے ملتی ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کا خون کرنا حلال نہیں سوائے تین میں سے کسی ایک وجہ کی بنا پر ۱۔ شادی شدہ زانی ۲۔ قصاص میں قتل کیا جانا ۳۔ دین اسلام سے منحرف ہو کر مرتد ہونے والا۔

۶۔ یتیم کے مال کی حفاظت: ارشاد ربانی ہے: (وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ) اس کا مفہوم یہ ہے کہ یتیم کی مصلحت اور اس کے نفع کی غرض کے بغیر یتیم کے مال کا استعمال گناہ ہے لہٰذا کسی اور نیت سے یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ یہ انہیں کی امانت ہے جو کفیل کے سپرد ہے۔ اسی طرح اسراف، لالچ اور بے دردی سے یتیم کے مال کو خرچ کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ البتہ اگر یتیم کی کفالت کرنے والا خود مفلس ہے تو بقدر ضرورت معروف طریقے سے کچھ لے سکتا ہے اور پھر یتیم جب اپنے سنِ بلوغت کو پہنچ جائیں اور سمجھ دار ہو جائیں تو ان کا مال ان کے سپرد کر دینا چاہیے۔

سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: (إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا) یعنی جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔

۷- ناپ تول میں عدل و انصاف: حکم باری تعالیٰ ہے (وَ اَوفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ) یعنی ماپ تول کرتے وقت عدل و انصاف سے پورا پورا ماپا اور تولا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ جب لوگوں کو دو تو کمی کر دو اور جب ان سے لو تو پورا لو۔ اسی مضمون کو سورۃ المُطَفِّفِيْن میں یوں بیان فرمایا: ''بربادی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کیلئے ان کے لیے جو لوگوں سے لیتے وقت پورا پورا ماپ تول کرتے ہیں اور جب ان کو دیتے ہیں تو ماپ تول میں کمی کر دیتے ہیں''۔ خرید و فروخت دونوں میں ناپ اور تول پورا کرنے کا حکم ہے اگلی آیت اس حوالے سے مزید تفصیلات لیے ہوئے ہے جس میں ارشاد ربانی ہے کہ ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ یعنی خرید و فروخت میں ماپ تول کرنے والا اپنی نیت اور کوشش کے لحاظ سے اخلاص کے ساتھ انصاف پر مبنی عمل کرے البتہ اس کی اچھی نیت اور کوشش کے باوجود کچھ کمی بیشی ہو جائے تو وہ معاملہ اللہ کے سپرد ہے یقیناً اللہ تعالیٰ درگزر فرمانے والا معاف فرمانے والا ہے۔

۸- فیصلوں اور بات چیت میں عدل: گواہی دیتے وقت عدل و انصاف سے گواہی دینا اور فیصلے میں عدل و انصاف سے کام لینا ایسی باتیں ہیں کہ جس پر پُر امن معاشرے کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں۔ گواہی ہو یا فیصلہ روز مرّہ کی گفتگو ہو یا باہمی تنازعات میں صلح صفائی ان تمام باتوں میں انصاف اور عدل ضروری ہے اور اس کو اَلْعَدْلُ فِی الْقَول یعنی بات میں عدل کے ضمن میں شمار کیا جاتا ہے جبکہ ماپ تول میں عدل و انصاف اَلْعَدْلُ فِی الْفِعْل یعنی کام میں عدل کے ضمن میں آتا ہے جس کا حکم پہلے گزر چکا ہے۔

۹- عدل میں تعصُّب سے اجتناب: تعصب انسانی طبیعت میں رچا بسا ہونے کی وجہ سے اس بات کا بہت احتمال ہوتا ہے کہ عام لوگوں کے بارے میں عدل وانصاف کا معیار اپنے قریبی رشتہ داروں کے معاملے میں انصاف کے معیار سے مختلف ہو اسی لیے حکم دیا گیا کہ عدل و انصاف کے دوہرے معیار نہ اپنائے جائیں بلکہ تمہارا فیصلہ چاہے اپنے قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو عدل و انصاف سے ہرگز نہ ہٹو۔

۱۰- ایفائے عہد: وعدے کا تعلق لوگوں سے ہو یا اپنے رب سے دونوں صورتوں میں ایفائے عہد کی تاکید ہے۔ اس آیت میں بطور خاص اللہ کے ساتھ کیے گئے وعدے کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہ وہ وعدہ ہے جو ایک مسلمان اسلام قبول کرتے وقت اور کلمہ طیبہ پڑھتے وقت اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کی پیروی کا اقرار کیا جاتا ہے۔ اس لیے انسانوں کے ساتھ کیے گئے وعدوں کو پورا کرنا بھی حکم باری تعالیٰ کو پورا کرنا ہے اس لیے یہ معاملہ بھی اللہ کے عہد کو پورا کرنے کے اندر شامل ہے۔

اسی طرح رسول ﷺ کے تمام احکام جو سنت اور احادیث سے ثابت ہیں ان کو پورا کرنا اور ان پر عمل کرنا بھی اللہ کے ساتھ کیے گئے وعدے کے اندر شامل ہیں کیونکہ صرف اللہ کی توحید کے اقرار سے ایمان مکمل نہیں ہوتا جب تک اس کے رسول ﷺ کے احکام کو دل و جان سے قبول نہ کیا جائے۔

ان دس احکام کے بیان کے بعد اس مضمون کا اختتام یوں کیا گیا کہ یہ میرا راستہ ہے جو بالکل سیدھا ہے اسی کی پیروی تم پر لازم ہے اس کے علاوہ دیگر تمام راستے گمراہی اور نافرمانی کی طرف جاتے ہیں ان سے بچو ورنہ تم گمراہ ہو کر بھٹک جاؤ گے اور یہ بھٹکنا تمہیں جہنم میں لے جائے گا۔ امام نسائی اور امام حاکم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ایک سیدھا خط کھینچا اور فرمایا یہ اللہ کا راستہ ہے جو سیدھا ہے اور پھر اسی خط کے دائیں بائیں کئی خطوط کھینچ کر فرمایا ان میں سے ہر راستے پر شیطان ہے جو اپنی طرف بلاتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ﴾ [سورۃ الانعام: ۱۵۳] (بلاشبہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے پس اسی کی پیروی کرو اور (دوسرے) راستوں کی پیروی مت کرنا وہ تمہیں اس (اللہ) کے راستہ سے ہٹا دیں گے)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ سورۃ الأنعام کی یہ آیات ایسے دس احکام پر مشتمل ہیں۔ جو پہلے انبیاء کی شریعتوں میں بھی جاری رہے اور یہ کسی بھی ملت میں منسوخ نہیں ہوئے اور یہ آیات محکمات ہیں۔ اسی طرح حضرت کعبؓ الاحبار کا قول ہے کہ توراۃ کا آغاز بھی انہی احکام سے ہوتا ہے۔

آدابِ معاشرت
(سورۃ الفرقان آیات: ۶۳-۶۷)

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ	الَّذِیْنَ	یَمْشُوْنَ	عَلَی الْاَرْضِ	هَوْنًا	وَّاِذَا
اور بندے رحمٰن کے	جو	وہ چلتے ہیں	زمین پر	آہستہ	اور جب

اور رحمان کے (مقبول) بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب

خَاطَبَهُمُ	الْجٰهِلُوْنَ	قَالُوْا	سَلٰمًا
اس نے مخاطب کیا ان کو	جاہل لوگ	انہوں نے کہا	سلام

ان سے جاہل لوگ (ناپسندیدہ) بات کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے (ہوئے الگ ہو جاتے) ہیں

وَالَّذِیْنَ	یَبِیْتُوْنَ	لِرَبِّھِمْ	سُجَّدًا	وَّقِیَامًا
اور جو	وہ رات بسر کرتے ہیں	ان کے رب کیلئے	حالت سجدہ	اور حالت قیام

اور جو اپنے رب کیلئے سجدوں اور قیام میں راتیں بسر کرتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ	یَقُوْلُوْنَ	رَبَّنَا	اصْرِفْ	عَنَّا	عَذَابَ جَھَنَّمَ	اِنَّ	عَذَابَھَا	کَانَ	غَرَامًا
اور جو	وہ کہتے ہیں	اے ہمارے رب	تو پھیر دے	ہم سے	جہنم کا عذاب	بے شک	اس کا عذاب	تھا	مہلک

اور جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو ہم سے دوزخ کا عذاب ہٹالے بے شک اس کا عذاب بڑا مہلک ہے

اِنَّھَا	سَآءَتْ	مُسْتَقَرًّا	وَّمُقَامًا
بے شک وہ	بُرا	ٹھکانا	اور جگہ

بے شک وہ بہت برا ٹھکانا اور بری قیام گاہ ہے

وَالَّذِیْنَ	اِذَا	اَنْفَقُوْا	لَمْ یُسْرِفُوْا	وَلَمْ یَقْتُرُوْا	وَکَانَ	بَیْنَ
اور جو	جب	انہوں نے خرچ کیا	انہوں نے فضول خرچی نہیں کی	اور نہ انہوں نے بخل کیا	اور تھا	درمیان

اور جو کہ خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ ہی بخل سے کام لیتے ہیں

ذٰلِکَ	قَوَامًا ○
وہ	درست

بلکہ ان کا خرچ ان دو حدوں کے درمیان مبنی پر اعتدال پر مبنی ہوتا ہے۔

تشریح

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی صفاتِ حمیدہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہی وہ صفات ہیں کہ جن کی بدولت اللہ کے یہ مقبول بندے جنت کے اعلیٰ درجات حاصل کریں گے۔ حقیقی طور پر تمام انسان خواہ کفار و مشرکین ہوں یا مسلمان، نیک ہوں یا بد سب اللہ کے بندے ہیں اور اللہ ہی ان کا آقا و مولیٰ ہے مگر یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں کیلئے بندگی کی نسبت کو پسند فرما کر ان کی جن صفات کا بیان فرمایا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صفات نہ صرف انسانیت بلکہ تمام مخلوقات کی صفات سے اعلیٰ و افضل ہیں۔ ان آیات میں مندرجہ ذیل صفات کا بیان ہے۔

۱۔ <u>تواضع و انکساری:</u> مقبولانِ بارگاہ رب العالمین کی صفات میں سے تواضع اور انکساری

بنیادی صفت ہے۔ اللہ کے یہ بندے جب زمین پر چلتے ہیں تو وقار اور متانت ان کی نمایاں نشانی ہوتی ہے اور اللہ کے بندوں سے معاملات میں انتہائی نرمی کا برتاؤ رکھتے ہیں۔ ان کے اعمال تکبر اور غرور سے پاک ہوتے ہیں کیونکہ کبریائی صرف ربّ کائنات کیلئے ہے اس کے علاوہ جو بھی تکبر کا اظہار کرے وہ نہ صرف جھوٹا ہے بلکہ اس کا عمل شرک کے مشابہ ہے اس لیے اللہ کے ان بندوں کو تکبر، غرور، فساد فی الارض اور اپنی برتری کی دھاک بٹھانے کیلئے ظلم روا رکھنے جیسی صفات سے دور ہونا لازمی امر ہے۔

قرآن مجید میں حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو نصیحت بھی اسی مفہوم سے متعلق ہے ارشاد ہوتا ہے "وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ" اور زمین پر اکڑ کر نہ چل بے شک اللہ تعالیٰ کسی بھی اکڑنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

اکڑ کر نہ چلنے اور وقار و متانت سے چلنے کے حکم سے یہ شبہ پیدا نہیں ہونا چاہیے کہ اس سے مراد جان بوجھ کر مریضوں کی طرح لاغر اور نحیف بن کر چلا جائے کہ جس میں تصنع پایا جائے بلکہ اس سے مراد ایسا چلنا ہے کہ جس میں تواضع کا اظہار اللہ تعالیٰ کیلئے ہوتا ہو اور وہ کسی قسم کے تصنع اور بناوٹ یا ریاکاری سے پاک ہو۔ اس سلسلے میں سیرت کی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کا معمول ہمارے سامنے ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو کہ تمام بنی آدم کے سردار ہیں جب چلتے تو اس وقار اور متانت سے چلتے گویا ایسے محسوس ہوتا کہ زمین آپ ﷺ کے قدموں کی طرف سمٹی چلی آرہی ہے اور آپ ﷺ کا چلنا ایسے ہوتا گویا کسی ڈھلوان سے ہموار جگہ کی طرف آرہے ہیں۔

جس طرح اکڑ کر چلنے کو ناپسندیدہ گردانا گیا ہے اسی طرح چلتے ہوئے تصنع اور لاغرپن کے اظہار کو بھی ناپسندہ قرار دیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب ایک جوان کو انتہائی دھیمے اور کمزوری سے چلتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ کیا تو مریض ہے اس نے کہا نہیں امیر المومنین تو آپؓ نے اسے طاقت اور متانت سے چلنے کا حکم دیا۔

۲۔ <u>بردباری اور نرم خوئی:</u> مومنین کی نرم خوئی اور بردباری کی صفت کے بیان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا، جس کا مفہوم یہ ہے کہ جب جاہل لوگ بدکلامی سے ان کے ساتھ پیش آئیں تو وہ اسی طرح کی بدکلامی سے ان کو جواب نہیں دیتے بلکہ درگزر کرتے ہوئے اور کلمہ خیر کہتے ہوئے اپنا دامن الجھنے سے بچاتے ہیں۔ یہی عمل رسول اللہ ﷺ کا بھی رہا ہے۔ ایک دفعہ راستے میں جاتے ہوئے ایک دیہاتی نے آپ ﷺ کی چادر مبارک شدت سے کھینچی جس سے آپ ﷺ کی گردن

مبارک پر رگڑ کے نشان پڑ گئے اور پھر اس نے آپ ﷺ سے مال طلب کیا تو آپ ﷺ نے اس کے ساتھ سختی سے پیش آنے کے بجائے نرمی سے برتاؤ کیا اور اس کی خواہش کے مطابق مال بھی عطا فرمایا۔

کسی کی بدکلامی کے جواب میں درگزر اور نرمی اختیار کرنا ایسا عمل ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ہاں بہت پسندیدہ ہے اور اس کے متعدد فوائد بھی ہیں کہ انسان بے شمار جھگڑوں سے بچ جاتا ہے اور بدکلامی کرنے والے کو بھی سوچنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے جس سے اس کی اصلاح بھی ممکن ہے۔ مسند امام احمد میں روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں ایک آدمی نے دوسرے آدمی کو گالی دی جس کے جواب میں اس شخص نے کہا تم پر سلام ہو، یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا ایک فرشتہ تم دونوں کے درمیان آیا اور وہ تمہارا (جسے گالی دی گئی تھی) دفاع کرتا رہا اور جونہی اس نے تمہیں گالی دی اس فرشتے نے کہا بلکہ تم ہی اس گالی کے زیادہ حق دار ہو اور جب تم نے اس کو سلام کہا تو اس فرشتے نے کہا یہ نہیں بلکہ اس سلام کے تم خود زیادہ حق دار ہو۔ گویا نرم خوی سے معاشرے کے مجموعی ماحول پر بھی خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا بھی حاصل ہوتی ہے۔

۳۔ راتوں کی عبادت کا انداز: ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا اللہ تعالیٰ کو ان مقبول بندوں کا راتوں کو جاگ کر اللہ کی عبادت میں بسر کرنا انتہائی پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کے دن جس طرح امن اور سلامتی میں بسر ہوتے ہیں کہ وہ نہ کسی پر ظلم کرتے ہیں نہ تکبر و غرور، بلکہ انتہائی نرم مزاجی سے لوگوں کے درمیان معاملات کو سرانجام دیتے ہیں۔ اسی طرح ان کی راتیں بھی غفلت اور بدمستی سے پاک ہوتی ہیں بلکہ ان کی راتیں اس لحاظ سے ان کے دنوں سے بہتر ہوتی ہیں کہ وہ اپنے آرام کے لمحات کو اللہ تعالیٰ کے حضور سر بسجود ہو کر اور اسے راضی کرتے ہوئے گزارتے ہیں۔ سورۃ السجدۃ میں اللہ تعالیٰ نے ان بندوں کی اس صفت کا اظہار یوں فرمایا: تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یعنی ان بندوں کے پہلو رات کو بھی اپنے بستروں سے الگ ہوتے ہیں۔ نرم اور آرام دہ بستروں کو چھوڑنا آسان نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے خاص بندے اپنے آرام کے لمحات میں سے بھی اپنے رب کیلئے وقت نکال کر عبادت میں مشغول ہوتے ہیں اور ان کا ایسا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو ہر چیز پر مقدم رکھتے ہیں۔ ایسے بندے کسی کیلئے تکلیف کا باعث نہیں بن سکتے ہیں بلکہ ایسے بندوں کے دم قدم سے معاشرے آباد اور خوشحال و پرامن ہوتے ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کی پکڑ اور دوزخ کے عذاب کا خوف: ان مقبول بندوں کی ایک خوبی

یہ بھی ہے کہ وہ تمام تر عبادات اور اپنی اطاعت شعاری کے باوجود اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف نہیں ہو جاتے اور نہ ہی وہ اپنی عبادت پر کبھی نازاں ہو کر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بے نیاز ہو جاتے ہیں کیونکہ اپنے نیک اعمال پر اِترانا اور اپنے آپ کو برتر تصور کرنا شیطان کا طریقہ ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے اپنی بساط کے مطابق عبادت و اطاعت شعاری اختیار کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم کے طالب ہوتے ہیں اور اس کی پکڑ اور جہنم سے پناہ مانگتے ہیں۔

اس آیت میں عذاب جہنم کی دو ہولناکیوں کا بھی تذکرہ ہے:

الف: فرمایا گیا: ''اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا'' اس لفظ کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں:

۱-غراما سے مراد ایسا عذاب جو چمٹ جانے والا ہو اور چھوڑنے والا نہ ہو، مراد دائمی عذاب۔ ۲- غراما کا دوسرا معنی مہلک اور ہلاک کرنے والا عذاب بھی ہے۔ ان دونوں معنوں میں مناسبت یہ ہے کہ جو عذاب دائمی اور چمٹ جانے والا ہو اس سے بڑھ کر ہلاکت خیز کوئی اور عذاب نہیں ہو سکتا۔

ب: جہنم کی دوسری ہولناکی جس کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ ہے: ''اِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا'' یعنی جہنم انتہائی بُرا ٹھکانہ اور انتہائی سخت عذاب سہنے کی جگہ ہے اہل ایمان اور صالحین ایسے برے ٹھکانے سے پناہ مانگتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے جو پناہ دینے والی ہے۔

۵-<u>خرچ میں اعتدال:</u> ارشاد ربانی ہے: "وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا" ان پسندیدہ بندوں کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ نہ ہی فضول خرچ ہوتے ہیں اور نہ بخیل بلکہ وہ ہمیشہ اعتدال کی راہ پر گامزن رہتے ہیں۔ اسراف سے مراد فضول خرچی یعنی وہ دولت جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل کر خرچ کی جائے۔

اسی طرح اِقْتار یعنی بُخل یہ ہے کہ مال کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے اندر رہتے ہوئے خرچ کرنے کے موقع پر بھی خرچ نہ کرنا۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں نہ اسراف پسندیدہ ہے اور نہ بُخل بلکہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال کو اس کی اطاعت کے اندر رہتے ہوئے جائز اور بھلائی کے کاموں میں خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔لہٰذا وہ رب کے مقبول بندے اسی میانہ رَوی پر گامزن ہوتے ہیں۔ اس مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے سورہ بنی اسرائیل میں یوں بیان فرمایا: ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾ یعنی نہ ہی اپنے ہاتھ کو بخل کی وجہ سے گردن سے باندھے رکھو اور بالکل خرچ نہ کرو اور نہ ہی اپنے ہاتھ کو بالکل کھلا چھوڑ دو کہ جائز و

ناجائز اور حرام وحلال کی تمیز کیے بغیر خرچ کیے جاؤ۔

رسول اللہ ﷺ نے میانہ روی کو پسند فرمایا کیونکہ میانہ روی میں ہی غنا اور ثروت ہے اور دونوں جہانوں کی بھلائی بھی۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے۔ "مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ" وہ تنگ دست نہ ہوا جس نے میانہ روی اور اعتدال اختیار کیا۔ اسی طرح آپ ﷺ نے خرچ کرنے میں اعتدال پر رہنے والے کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: "مِنْ فِقْهِ الرَّجُلِ قَصْدُهٗ فِیْ مَعِیْشَتِهٖ" آدمی کی سمجھداری کی دلیل یہ ہے کہ وہ اپنی معیشت میں اعتدال پر رہے۔

سورہ الفرقان کی یہ پانچ آیات اور اس کے بعد کی کچھ آیات اللہ کے خاص اور مقبول بندوں کے تذکرے پر مشتمل ہیں۔ ان آیات میں جو صفات بیان کی گئی ہیں یہ ایسی صفات ہیں کہ اگر معاشرے کے افراد کی اکثریت ان سے متصف ہو جائے تو معاشرہ امن وامان ترقی و خوشحالی کا اعلیٰ نمونہ بن سکتا ہے اور جن معاشروں کے افراد ان صفات کو اپنانے میں ناکام رہتے ہیں وہ کبھی پرامن اور خوشحال معاشرے نہیں بن سکتے۔

آج کے دور میں ہمارے معاشرے میں جہاں افرا تفری اور بدامنی نے اپنے ڈیرے جما رکھے ہیں اس کی بنیادی وجہ ان زرّیں اصولوں سے رُوگردانی اور اللہ تعالیٰ کی حقیقی بندگی سے دوری ہے۔ معاشرے افراد سے بنتے ہیں اس لیے اگر ہر فرد اپنی اصلاح کو مقدم کر لے اور ان صفات سے متصف ہو جائے تو معاشرہ سنورنے اور خوشحال و پُرامن بننے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔

دوسرا نام جنگ احزاب، ۸ ہجری

تَخَصُّصَاتِ نبوی ﷺ جنگ خندق (سورۃ الأحزاب، آیت:٦)

اَلنَّبِیُّ	اَوْلٰی	بِالْمُؤْمِنِیْنَ	مِنْ	اَنْفُسِهِمْ	وَ	اَزْوَاجُهٗٓ	اُمَّهٰتُهُمْ
نبی ﷺ	زیادہ قریب	مومنین کے ساتھ	سے	جانیں ان کی	اور	بیویاں اس کی	مائیں ان کی

یہ نبی (مکرم ﷺ) مومنوں کیلئے ان کی جانوں سے زیادہ قریب اور حقدار ہیں اور آپ ﷺ کی ازواج ان کی مائیں ہیں۔

وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ	بَعْضُهُمْ	اَوْلٰی	بِبَعْضٍ	فِیْ	كِتٰبِ اللّٰهِ	مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ
اور خونی رشتہ دار	بعض ان میں سے	زیادہ قریب	بعض کے ساتھ	میں	اللہ کی کتاب	مومنین سے

اور اللہ کی کتاب میں خونی رشتہ دار دیگر مومنین اور مہاجرین کی نسبت ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں

وَ	الْمُهٰجِرِيْنَ	اِلَّآ	اَنْ تَفْعَلُوْٓا	اِلٰٓى	اَوْلِيٰٓئِكُمْ	مَّعْرُوْفًا
اور	ہجرت کرنے والے	مگر	کہ تم سب کام کرو	طرف	تمہارے دوست	معروف طریقہ/ بھلائی

سوائے اس کہ تم اپنے دوستوں پر احسان کرنا چاہو

كَانَ	ذٰلِكَ	فِي	الْكِتٰبِ	مَسْطُوْرًا
تھا	وہ	میں	کتاب	لکھا ہوا

یہ حکم کتابِ الٰہی میں لکھا گیا ہے۔

تشریح

<u>نبی اکرم ﷺ کا اپنی امت سے تعلق</u>: نبی اکرم ﷺ کا اپنے امتیوں سے جو تعلق ہے اس کو سمجھنے کیلئے یہ آیت بنیاد ہے۔ قرآن مجید قیامت تک آنے والے مومنین کیلئے اعلان فرما رہا ہے کہ دین و دنیا کے تمام امور میں نبی ﷺ مومنین کے لیے ان کی اپنی جانوں سے بڑھ کر خیر خواہ ہیں کیونکہ آپ ﷺ مومنین کیلئے صرف اسی بات کو پسند کرتے ہیں اور صرف اسی بات کا حکم ارشاد فرماتے ہیں جس میں ان کی دین و دنیا کی بھلائی اور کامیابی یقینی ہوتی ہے اور مومنین کی جانوں سے زیادہ قریب ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ لوگ خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں اور نبی ﷺ ان کو ہلاکت و گمراہی سے نکال نکال کر کامیابی اور نجات کی طرف لے جاتے ہیں۔ اس بات کی وضاحت صحیح مسلم کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: "اِنَّمَا مَثَلِیْ وَ مَثَلُ اُمَّتِیْ كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا فَجَعَلَتِ الدَّوَّابُ وَالْفُرُشُ يَقَعْنَ فِيْهِ وَأَنَا اٰخِذٌ بِحُجُزِكُمْ وَاَنْتُمْ تَقْتَحِمُوْنَ فِيْهِ" یعنی میری اور میری امت کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی ہو اور جانور اور پروانے اس میں گرنے کیلئے دوڑے چلے آرہے ہوں۔ میں تمہاری کمر سے پکڑ پکڑ کر اس سے بچا رہا ہوں اور تم اس میں گرنے پر اصرار کر رہے ہو۔

اسی طرح حضور ﷺ کا فرمان صحیح بخاری میں بھی ہے کہ جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ کوئی ایسا مومن نہیں کہ آخرت میں جس کا میں والی نہ ہوں اور اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ قرآن و حدیث تو واضح طور پر اس تعلق کا اعلان کر رہے ہیں کہ نبی ﷺ کا لطف و کرم اپنے امتیوں پر اس سے بھی زیادہ ہے کہ جتنا کوئی شخص خود اپنے ساتھ بھلائی کر سکتا ہے۔ مگر افسوس ہے ایسے امتیوں پر کہ جو ایسے شفیق نبی کی شفقت اور رحمت سے اپنے آپ کو محروم رکھیں اور آپ ﷺ کی شریعت کی پیروی کو

چھوڑ کر اپنی خواہشات کی پیروی میں لگ جائیں۔ یہ آیت ایک واضح پیغام دے رہی ہے کہ اگر دنیا و آخرت کی کامیابی چاہتے ہو تو خواہشات نفس کی پیروی سے بچو اور اہل دنیا میں سے ایسے دوستوں اور حکام کی خوشنودی حاصل کرنے سے بچو جو تمہیں شریعت اسلامیہ سے منحرف کرنے والے ہیں۔

اسی آیت میں حضور ﷺ کی ازواج مطہراتؓ کی عزت افزائی کا بھی تذکرہ ہے اور مومنین کو حکم دیا جارہا ہے کہ تم اپنی حقیقی ماؤں کے ادب سے بھی بڑھ کران کا ادب و احترام بجالاؤ کیونکہ نبی ﷺ کی ازواج مومنین کی مائیں ہیں۔ اسی آیت کا ایک موضوع وراثت بھی ہے۔ ہجرت مدینہ کے بعد مہاجرین وانصار میں جو بھائی چارہ قائم کیا گیا اس کا تعلق اتنا گہرا تھا کہ آگے چل کر وراثت کے معاملات کو اس بھائی چارے کے تعلق سے صراحتاً الگ کر دیا گیا اور بتایا گیا کہ میّت کے چھوڑے ہوئے ترکے پر دیگر مومنین اور مہاجرین کی نسبت صرف وارثوں کا ہی حق ہے لیکن اگر کوئی شخص اپنے محسن یا دوست کی بھلائی کا بدلہ دینا چاہے تو اسے وراثت میں حصہ دار تو نہیں بنا سکتا البتہ اس کے حق میں ایک خاص حد تک وصیت کر سکتا ہے۔ اس آیت میں موجود لفظ کتاب سے مراد قرآن مجید بھی ہوسکتا ہے اور لوح محفوظ بھی کہ جس میں تمام تکوینی امور درج کیے گئے ہیں۔

(سورۃ الاحزاب، آیت: ۲۱) اسوہ حسنہ

لَقَدْ	كَانَ	لَكُمْ	فِيْ	رَسُوْلِ اللّٰهِ	اُسْوَةٌ	حَسَنَةٌ	لِّمَنْ	كَانَ
تحقیق	تھا	تمہارے لیے	میں	اللہ کا رسول	نمونہ	بہترین	اس کیلئے	تھا

بے شک تمہاری رہنمائی کیلئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے یہ اس کیلئے ہے

يَرْجُوا	اللّٰهَ	وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ	وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝
وہ امید رکھتا ہے	اللہ کی	اور آخرت کے دن	اور اس نے ذکر کیا اللہ کا بہت زیادہ

جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے

تشریح

تعارف: یہ آیت غزوہ خندق کے دنوں میں نازل ہوئی۔ اس اعتبار سے اس کا تعلق ان حالات سے ہے کہ جب مسلمان شدید مشکلات اور مصائب میں گھرے ہوئے تھے اور دشمن سارے عرب سے قبائل کو ساتھ ملا کر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کیلئے آچکا تھا۔ یہ حملہ اتنا اچانک تھا کہ اس کو روکنے کیلئے جس تیاری کی ضرورت تھی اس کیلئے خاطر خواہ وقت نہیں تھا۔ تعداد بھی کم اور سامان رسد کی اتنی قلت تھی کہ کئی پہر فاقہ کرنا پڑ رہا تھا۔ مدینہ

کے یہود نے عین وقت پر غداری کرتے ہوئے معاہدہ توڑ ڈالا جس کی وجہ سے حالات بہت پیچیدہ ہو چکے تھے ان حالات میں حضور ﷺ اپنے جانثار صحابہؓ کے ساتھ موجود ہیں اور مل کر ایک عام سپاہی کی طرح خندق کھودنے میں مصروف ہیں ساتھ ہی دوسرے مجاہدین کی طرح فاقہ کشی کی اذیت بھی برداشت فرما رہے ہیں اور اپنے دفاع اور جنگ کی تیاری میں اس طرح مصروف ہیں کہ حالات کے خوف اور موسم کی سختی کو ذرا برابر بھی خاطر میں نہیں لا رہے بلکہ ان ناگفتہ بہ حالات میں صبر و استقامت اور عزم و ارادہ کے لحاظ سے پہاڑ سے بھی زیادہ مضبوط بن کر مقابلہ فرما رہے ہیں۔

اُسوہ کا مفہوم: اُسوہ کے ایک معنی رہنما اور نمونہ کے ہیں جبکہ اسے بھی اسوہ کہتے ہیں جو غمزدہ دل کی تسلی کا باعث ہو۔ حضور ﷺ نے دنیا کی ہر تکلیف برداشت کی لیکن تمام حالات میں صابر و شاکر رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب اور اس کی قضا پر راضی رہے۔

آیت کا ہماری عملی زندگی سے تعلق: یہ آیت اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہے اور اس کو محض ایک واقعے تک محدود نہیں رکھا جاسکتا بلکہ اس کو شریعت اسلامیہ کے تمام احکام کے ساتھ نسبت اور تعلق ہے۔ دین اسلام کے احکام نہ فلسفیانہ نظریات کا مجموعہ ہیں اور نہ ہی ان کا تعلق ایسے نظریات اور مباحث سے ہے کہ جو قابل عمل نہ ہوں بلکہ یہ ہر زمانے اور ہر علاقے کے رہنے والوں کے لیے قابل عمل ہیں چونکہ دین اسلام بنی نوع انسان کی ہدایت اور رہنمائی کیلئے ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ عملی طور پر ایک کامل نمونہ حیات ہیں۔ آپ ﷺ نے زندگی کے تمام حالات میں احکام شریعت کی عملی تصویر پیش کر کے ثابت کر دیا کہ یہ دین ایسے خیالات و نظریات کا مجموعہ نہیں کہ جو قابل عمل نہ ہوں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے مسلمانوں کیلئے آپ کی زندگی کو رہنما مقرر فرما دیا ہے مگر ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اس بات کی وضاحت بھی فرما دی کہ آپ ﷺ کو کامل نمونہ مان کر اس سے رہنمائی حاصل کرنے والے صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور یوم جزاء کے حساب و کتاب پر یقین رکھنے والے ہوں گے۔ وہ ایسے لوگ ہیں جو اپنی زندگیوں کو حضور کی شریعت اور سنت کے مطابق ڈھالنے والے ہیں۔

ختم نبوت

(سورۃ الأحزاب، آیت: ۴۰)

مَا	كَانَ	مُحَمَّدٌ	اَبَآ	اَحَدٍ	مِّنْ	رِّجَالِكُمْ	وَلٰكِنْ	رَّسُوْلَ اللّٰهِ
نہیں	تھا	محمد ﷺ	باپ	ایک	سے	تمہارے مرد	اور لیکن	اللہ کا رسول

محمد ﷺ تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول

وَ خَاتَمَ النَّبِيّنَ	وَ	كَانَ	اللّٰهُ	بِكُلِّ	شَيْءٍ	عَلِيمًا
اور خاتم النبیین	اور	تھا	اللہ	ہر	چیز	جاننے والا

اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

تشریح

شانِ نزول: اس آیت کے شان نزول کے بارے میں جامع ترمذی میں حضرت عائشہؓ سے روایت منقول ہے کہ جب اُمُّ المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو زوجۃ الرسول ہونے کا شرف حاصل ہوا تو کفار و منافقین نے بہتان تراشی کرتے ہوئے طعن و تشنیع کا طوفان بپا کر دیا اور کہنے لگے یہ کیا عجب بات ہوگئی ہے کہ اپنے بیٹے کی سابقہ بیوی کو اپنی زوجہ بنا لیا ہے۔ ہمارے رسم و رواج کو تو رہنے ہی دو لیکن یہ خود بھی تو آج تک یہی بتاتے آ رہے ہیں کہ بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ جب کہ یہ بات ہر کسی کو معلوم تھی کہ حضرت زیدؓ کے باپ کا نام حارثہ تھا، وہ محض حضور ﷺ کے منہ بولے بیٹے تھے۔ لہٰذا قرآن مجید نے ان کی اس ہرزہ سرائی کو ایک جملہ سے ختم کر کے رکھ دیا کہ حضور ﷺ تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں اور جب باپ نہیں تو زیدؓ بیٹا کیسے بن گیا۔ اس لیے ان کا یہ اعتراض محض خُبثِ باطن کی پیداوار ہے اور اس کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں۔

اس آیت میں جہاں آپ ﷺ کے بارے میں مردوں میں سے کسی کا باپ ہونے کی نفی کی گئی ہے وہیں اللہ تعالیٰ کا رسول ہونے اور نبیوں کے سلسلے کے آخری نبی و رسول ہونے کا اعلان بھی فرمایا گیا ہے۔

عقیدہ ختم نبوت اسلام کے ان عقائد میں سے ایک عقیدہ ہے کہ جس پر آغاز اسلام سے لے کر آج تک ہر دور اور ہر جگہ امت مسلمہ متفق رہی ہے اور پوری امت کا اس پر اجماع رہا ہے۔ اس حوالے سے سورۃ الأحزاب کی یہ آیت اتنی واضح دلیل ہے کہ مزید کسی وضاحت اور تفصیل کی ضرورت نہیں۔

حضرت محمد ﷺ ہی آخری نبی اور رسول ہیں اور آپ کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا اور اس عقیدہ پر شروع سے آج تک اجماع امت کا ہی نتیجہ ہے کہ جب بھی اور جہاں کہیں بھی کسی کذّاب نے دعویٰ نبوت کیا تو امت مسلمہ اس کے آگے ڈٹ گئی اور اس کے اس من گھڑت اعلان کو نہ صرف رد کیا بلکہ اس جھوٹے مدعی نبوت کے خلاف باقاعدہ عَلَم جہاد بلند کر کے اس کی جھوٹی عظمت کو خاک میں ملا دیا۔ مسیلمہ کذاب نے جب نبوت کا

جھوٹا دعویٰ کیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نتائج کی پرواہ کیے بغیر اس کے خلاف لشکرکشی کی اور اس کے خاتمے تک چین سے نہیں بیٹھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی امت اس عقیدۂ ختم نبوت کے دفاع میں یکسو اور متحد ہے۔ البتہ ایک شبہ جو بعض جھوٹے مدعیان نبوت کی طرف سے پھیلایا جاتا رہا ہے ان کا کہنا ہے کہ ہم حضرت محمد ﷺ کی نبوت کا انکار نہیں کرتے ان کو سچا نبی مانتے ہوئے انہیں کی نبوت کے تسلسل میں اپنی نبوت کا اعلان کرتے ہیں۔ یہ ایسا فریب ہے کہ جو نیا نہیں ہے بلکہ آغاز اسلام میں مسیلمہ کذاب نے بھی جب نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو اس نے بھی آپ ﷺ کو نبی و رسول مانتے ہوئے اپنی نبوت کا اعلان کیا تھا کیونکہ اس نے جو خط حضور ﷺ کو لکھا تھا اس کے شروع میں اس نے لکھا مِنْ مُسَيْلَمَةِ رسولِ للّٰهِ إلىٰ محمّدٍ رّسُوْلِ اللّٰه. (اللہ کے رسول مسیلمہ کی جانب سے اللہ کے رسول محمد کی طرف) لہٰذا حضرت صدیق اکبر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے خلاف جہاد کر کے اس بات پر مہر ثبت کر دی کہ حضرت محمد ﷺ کے بعد جو بھی اعلانِ نبوت کرے خواہ وہ آپ ﷺ کو نبی ہی کیوں نہ مانتا ہوں وہ کذاب ہے۔

نبی ﷺ پر درود وسلام کی اہمیت اور آپ کو ایذا دینے کی ممانعت

(سورۃ الأحزاب، آیات: ۵۶-۵۷)

اِنَّ	اللّٰهَ	وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ	يُصَلُّوْنَ	عَلَى	النَّبِيِّ	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
بے شک	اللہ تعالیٰ	اور اس کے فرشتے	درود بھیجتے ہیں	پر	نبی ﷺ	اے وہ لوگ جو

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو

اٰمَنُوْا	صَلُّوْا	عَلَيْهِ	وَ سَلِّمُوْا	تَسْلِيْمًا
ایمان لائے ہو	تم درود بھیجو	ان پر	اور تم سلام کرو	سلام کرنا

تم بھی آپ پر درود بھیجا کرو اور خوب اچھی طرح سلام عرض کیا کرو

اِنَّ	الَّذِيْنَ	يُؤْذُوْنَ	اللّٰهَ	وَ رَسُوْلَهٗ	لَعَنَهُمُ	اللّٰهُ
بے شک	جو لوگ	ایذا دیتے ہیں	اللہ	اور اس کا رسول	لعنت کی ان پر	اللہ

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اللہ ان پر لعنت کرتا ہے

فِی الدُّنْيَا	وَ الْاٰخِرَةِ	وَ اَعَدَّ	لَهُمْ	عَذَابًا	مُّهِيْنًا ○
دنیا میں	اور آخرت	اور تیار کیا	ان کیلئے	عذاب	رسوا کن

دنیا اور آخرت میں اور ان کیلئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔

تشریح

آیت کا مفہوم اور دفاعِ رسالت: اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر نہ صرف کفار مکہ بلکہ قیامت تک آنے والے ایسے لوگوں کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا جو نبی ﷺ کی ذات پر طعن و تشنیع کا ارادہ رکھتے ہوں اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے واضح فرما دیا کہ میرے حبیب مکرم اور رسول معظم کے مرتبہ و مقام کو تم لوگ اپنے ناپاک منصوبوں سے گھٹا نہیں سکتے آپ ﷺ کے رفعتِ مراتب کی بات اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ خود اللہ تعالیٰ جو خالق کائنات ہے اور اس کے ان گنت نورانی فرشتے اس رسولِ مکرم کی توصیف بیان کرتے ہیں اس لیے اگر کچھ بدبخت لوگ آپ ﷺ کی شان میں ہرزہ سرائی کرتے بھی رہیں تو ان کی شان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جس طرح ان کفار کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے قیامت تک ایسے بدباطنوں کے منصوبے ناکام ہوتے رہیں گے۔

صلاۃ اور اس کا مفہوم: اس آیت میں فعل صلاۃ کے تین فاعل ہیں: ۱- اللہ تعالیٰ ۲- فرشتے ۳- اہل اسلام۔ جب اس فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ فرشتوں کی محفل میں اپنے رسول ﷺ کی تعریف کرتا ہے اور جب فعل صلاۃ کی نسبت ملائکہ کی طرف ہو تو اس کا مطلب دعا کا ہوتا ہے یعنی فرشتے رسول ﷺ کی بلندیِ درجات اور رفعتِ مقام کیلئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعاگو رہتے ہیں اور جب اس فعل کی نسبت اہلِ اسلام کی طرف ہو تو اس کا مطلب آپ ﷺ کی ذات گرامی پر دُرود و سلام بھیجنے کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح صلاۃ اللہ کی طرف سے رحمت اور رضا، ملائکہ کی طرف سے دعا اور اُمت کی طرف سے دعا اور تعظیمِ نبی ﷺ ہے۔

اس آیت کی ایک شان یہ بھی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے مومنین پر لازم قرار دیا ہے کہ اپنے نبی ﷺ کی ذات سے اپنی نسبت کو پختہ اور مضبوط رکھنے کیلئے ان پر درود و سلام کے نذرانے پیش کرتے رہیں۔ اسی طرح احادیث کی کتب میں دُرود و سلام کی فضیلت پر کثرت سے احادیث مذکور ہیں اس سلسلے میں چند ایک احادیث کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱- حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اس پر لازم ہے کہ وہ مجھ پر دُرود بھیجے اور جو شخص ایک مرتبہ مجھ پر درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ درود بھیجے گا۔

۲- اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب لوگ کسی مجلس

میں بیٹھتے ہیں اور اس میں نہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور نہ ہی اس کے نبی ﷺ پر دُرود پڑھتے ہیں قیامت کے دن وہ مجلس ان کیلئے وبال ہوگی چاہے تو اللہ ان کو عذاب دے یا چاہے تو بخش دے۔

۳۔ حضرت عمر فاروقؓ سے مروی ہے کہ دعا میں جب تک درود پاک نہ پڑھا جائے وہ قبول نہیں ہوتی اور وہ زمین و آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے۔

یہ آیت جو دُرود و سلام کے حکم پر مبنی ہے اس کی ابتدا جملہ اسمیہ سے ہوتی ہے اور جملہ اسمیہ دوام کا فائدہ دیتا ہے یعنی یہ دُرود و سلام جو رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور امت کی طرف سے بھیجا جارہا ہے یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا جو کہ رکنے والا نہیں ہے جبکہ اس آیت کا اختتام جملہ فعلیہ پر ہوا ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اکرام و تعظیم دن بدن اور گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ بڑھ رہا ہے گویا کہ یہ آیت ہر اعتبار سے نبی اکرم ﷺ کی رفعتِ شان کی دلیل ہے۔

آیت کا مفہوم اور شان نزول: آیت نمبر ۵۷ کے شان نزول کے حوالے سے ایک روایت حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کی مذمت میں اتری جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کے حضرت صفیہ بنت حیی بن اُخطب سے نکاح کے وقت آپ کو طعن و تشنیع سے ایذاء پہنچائی تھی لیکن موضوع کے اعتبار سے یہ آیت عام ہے لہٰذا جو شخص کسی بھی طرح اللہ اور رسول کو ایذاء دینے کا سبب بنتا ہے یہ آیت اس کے لیے شدید وعید لیے ہوئے ہے اور اللہ تعالیٰ کو ایذاء دینے سے مراد بھی درحقیقت اللہ کے محبوب ﷺ کی ایذاء ہے کیونکہ جس طرح قرآن نے رسول ﷺ کی اطاعت کو ہی اللہ کی اطاعت قرار دیا ہے اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ کو ایذاء دینا حقیقت میں اللہ کو ایذاء دینا ہے اور رسول ﷺ کو ایذاء دینا بہت بڑا جرم قرار دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے ایسے بدبختوں کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے بلکہ ان کو شدید عذاب اور دنیا اور آخرت میں ذلت و رسوائی سے دو چار کرنے کا اعلان فرمایا ہے۔ لہٰذا قیامت تک جو بھی ایسا بدبخت ہوگا جو کسی حوالے سے اللہ کے رسول ﷺ کی ایذاء کا سبب بنے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرتا رہے گا اور دنیا و آخرت میں اس کو رسوا کن عذاب سے دو چار کیا جائیگا۔

تعارف و مضامین سورۃ الحُجُرات

وجہ تسمیہ: اس سورۃ کے نام "الحُجُرَات" کا تذکرہ آیت نمبر 4 میں ہوا۔ حُجُرات عربی زبان کا لفظ ہے جس کا واحد حجرۃ ہے جبکہ حجرات سے مراد حضور اکرم ﷺ کی ازواج

مطہرات رضی اللہ عنہن کے ایک ایک کمرے پر مشتمل وہ گھر ہیں جو مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے پاس تعمیر کیے گئے تھے۔ بنو تمیم کے وفد کی مدینہ منورہ آمد پر ان لوگوں نے آپ ﷺ کی آمد کا انتظار کرنے کے بجائے ازواج مطہرات کے انہی گھروں کے باہر سے آوازیں لگانا شروع کر دیا تھا کہ جہاں ایک گھر میں آپ ﷺ آرام فرما رہے تھے۔ ان لوگوں کی اس بے ادبی پر سرزنش کی گئی ہے۔ اسی واقعہ کی اہمیت اور اس کے اس سورۃ میں ذکر کیے جانے کی بناء پر اس کا نام سورۃ الحجرات رکھا گیا ہے۔

سورۃ الحجرات کے مضامین: اس سورۃ کی کل 18 آیات ہیں جن میں تین اہم موضوعات بیان کیے گئے ہیں۔ اور ان کا تعلق اخلاق و آداب سے ہے اس اعتبار سے اس سورۃ کو سورۃ الاخلاق بھی کہا جاتا ہے۔ آغاز سورۃ میں نبی اکرم ﷺ کا اپنی امت سے تعلق اور آدابِ بارگاہِ نبوی کا ذکر ہے۔ اس ضمن میں آپ ﷺ کی اطاعت کو ہر حالت میں لازم ٹھہرا کر آپ ﷺ کی مخالفت اور نافرمانی سے منع کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں آوازوں کو پست رکھنے، اور آپ ﷺ سے بات کرنے کے آداب کا تذکرہ ہے۔ اس سورۃ کا دوسرا اہم موضوع اجتماعی زندگی کے آداب سے متعلق ہے۔ معاشرے کو پر امن رکھنے اور تہذیب سے ہمکنار کرنے کے لیے لوگوں کے آپس کے تعلقات بہتر بنانے اخلاق رذیلہ یعنی برے اخلاق کی مذمت اور اخلاق حسنہ کی ترغیب دی گئی ہے۔ بغیر تصدیق کے افواہوں پر توجہ نہ دینے کا حکم اور دو گروہوں، قبیلوں یا قوموں کے باہمی تنازعات کو عدل و انصاف سے حل کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ باہمی حسد، کینہ، غیبت، بہتان تراشی، تمسخر اڑانے اور بُرے ناموں سے پکارنے کی ممانعت کر دی گئی ہے کہ ایسی باتیں معاشرے کے امن و سکون کو تباہ کر دیتی ہیں۔ آخر میں انسانی مساوات کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ تمام انسان مرد ہوں یا عورتیں ایک مرد اور ایک عورت یعنی حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کی اولاد ہیں اس بنیاد پر الگ نسل اور قبیلے برتری کا معیار ہرگز نہیں ہو سکتے بلکہ ان کا مقصد تو پہچان اور تعارف ہے اور سورۃ کا اختتام ایمان کی حقیقت کے بیان پر ہو رہا ہے کہ محض زبان سے اسلام کا اقرار کافی نہیں ہے جب تک اسلام کی حقانیت دلوں میں گھر نہ کر لے اور جب ایسا ہو جائے اور دل تسلیم و رضا کا پیکر بن جائے اور تعلیمات اسلام انسانی اعمال میں ڈھل جائیں تو ایمان کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں۔

(سورۃ الحُجُرَات) نبی کریم ﷺ کی تعظیم کے آداب (آیات ۱-۵)

یَآیُّھَا الَّذِیْنَ	اٰمَنُوْا	لَا تُقَدِّمُوْا	بَیْنَ	یَدَیِ
اے وہ لوگو جو	وہ ایمان لائے	تم آگے نہ بڑھو	درمیان سے	سامنے

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ

اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ	وَاتَّقُوا اللّٰہَ	اِنَّ اللّٰہَ	سَمِیْعٌ
اللہ اور اس کے رسول کریمؐ	اور اللہ سے ڈرتے رہو	بے شک اللہ تعالیٰ	خوب سننے والا

سے آگے نہ بڑھا کرو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے والا

عَلِیْمٌ ○	یَآیُّھَا الَّذِیْنَ	اٰمَنُوْا	لَا تَرْفَعُوْٓا
خوب جاننے والا	اے وہ لوگو جو	وہ ایمان لائے	تم بلند نہ کیا کرو

اور جاننے والا ہے۔ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو تم اپنی آوازوں کو

اَصْوَاتَکُمْ	فَوْقَ	صَوْتِ	النَّبِیِّ	وَلَا تَجْھَرُوْا
اپنی آوازوں کو	اوپر	آواز	نبی مکرم	اور نہ بلند آواز کرو

(اس) نبی محتشم کی آواز سے زیادہ بلند نہ کرو اور نہ ہی آپ ﷺ

لَہٗ	بِالْقَوْلِ	کَجَھْرِ	بَعْضِکُمْ
آپ ﷺ سے	بات	جیسے بلند آواز سے	تم میں سے کوئی

کو باآواز بلند بلایا کرو جس طرح کہ تم ایک دوسرے کو اونچی آواز سے

لِبَعْضٍ	اَنْ تَحْبَطَ	اَعْمَالُکُمْ	وَاَنْتُمْ
کسی ایک کا	کہیں ضائع نہ ہو جائیں	تمہارے اعمال	اور تمہیں

بلاتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس (بے ادبی کی وجہ سے) سے تمہاری نیکیاں ضائع ہو جائیں

لَا تَشْعُرُوْنَ ○	اِنَّ	الَّذِیْنَ	یَغُضُّوْنَ
نہیں پتہ بھی نہ چلے	بے شک	وہ لوگ	پست رکھتے ہیں

اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔ بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے رسول کی بارگاہ میں

اَصْوَاتَھُمْ	عِنْدَ	رَسُوْلِ اللّٰہِ	اُولٰٓئِکَ	الَّذِیْنَ
اپنی آوازیں	پاس	اللہ کے رسول	وہی ہیں	وہ لوگ

اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں

امْتَحَنَ	اللّٰهُ	قُلُوْبَهُمْ	لِلتَّقْوٰى	لَهُمْ
آزمایا ہے	اللہ نے	ان کے دلوں کو	تقویٰ کیلئے	ان کے لیے

کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے منتخب فرما لیا ہے اور ان کے لیے

مَّغْفِرَةٌ	وَّاَجْرٌ	عَظِيْمٌ ٥	اِنَّ	الَّذِيْنَ	يُنَادُوْنَكَ
بخشش ہے	اور اجر ہے	بہت بڑا	بے شک	وہ لوگ	آپ کو پکارتے ہیں

بخشش اور بہت بڑا اجر ہے۔ بے شک وہ لوگ جو آپ کو

مِنْ	وَّرَآءِ	الْحُجُرَاتِ	اَكْثَرُهُمْ	لَا يَعْقِلُوْنَ ٥
سے	پیچھے (باہر)	حجروں	ان کی اکثریت	ناسمجھ ہیں

حجرات (کمروں) کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر ناسمجھ ہیں

وَلَوْ	اَنَّهُمْ	صَبَرُوْا	حَتّٰى	تَخْرُجَ	اِلَيْهِمْ
اور اگر	بے شک وہ	صبر کرتے	یہاں تک کہ	آپ باہر تشریف لاتے	ان کی طرف

اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود اپنی مرضی سے باہر ان کے پاس تشریف لاتے

لَكَانَ	خَيْرًا	لَّهُمْ	وَ اللّٰهُ	غَفُوْرٌ	رَّحِيْمٌ ٥
تو ہوتا یہ	بہتر	ان کے لیے	اور اللہ تعالیٰ	بخشنے والا	رحم فرمانے والا

تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا اور اللہ تعالیٰ خوب بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

تشریح

بارگاہ رسالت کے آداب: اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں حضور نبی کریم ﷺ کی عزت و تکریم کا حکم دیا گیا ہے نیز آپ ﷺ کی بارگاہ کے آداب سکھائے جا رہے ہیں۔

آیت نمبر 1: اس آیت کے شان نزول کے بارے میں حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے عید قربان والے دن اپنے قربانی کے جانور رسول اللہ ﷺ کی قربانی سے پہلے ذبح کر دیئے تو آپ ﷺ نے انہیں دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت نے قیامت تک آنے والے مومنین کو پابند کر دیا ہے کہ تم اپنے کاموں اور فیصلوں میں اللہ اور اس کے رسول مکرم ﷺ سے سبقت نہ کرو۔ اس حکم کا

ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا واضح حکم معلوم ہو جانے پر اپنی خواہشات ارادوں اور اپنی مرضی کو شریعت کے تابع کر دینا ہی کامل مومن کی نشانی ہے اس بات کا اعادہ ایک اور حدیثِ نبوی میں بھی کیا گیا ہے جہاں فرمایا گیا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائیں جبکہ شریعت کے برعکس اپنی خواہشات کو ترجیح دینے کے عمل کی قرآن نے نہ صرف مذمت کی ہے بلکہ اسے شرک کی ایک قسم گردانا ہے ارشاد ربانی ہے: ﴿أَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوٰهُ﴾ [سورۃ الفرقان:۴۳] یعنی کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل کو یمن بھیجتے وقت رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم کیسے فیصلے کرو گے تو انہوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول کے بعد اپنی رائے سے اجتہاد کرنے کا کہا جس کو رسول اللہ ﷺ نے بہت پسند فرمایا گویا تمام معاملات میں اپنی رائے پر کتاب و سنت کو مقدم رکھنا ایمان ہے اور اپنی رائے کو کتاب و سنت پر ترجیح دینا ایمان کی نفی اور اس قرآنی حکم کی واضح مخالفت ہے۔ آیت میں **لاتقدموا** فعل متعدی ہونے کے باوجود اس کا مفعول کا ذکر نہ کیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھنے کا حکم ہر معاملے میں ہے اور اگر اس کا مفعول ذکر کر دیا جاتا تو اس حکم کی وسعت محدود ہو جاتی۔

<u>آیت نمبر 2:</u> اس آیت میں آپ ﷺ سے گفتگو کا طریقہ بتایا کہ اگر تمہیں میرے محبوب کی بارگاہ میں شرف باریابی نصیب ہو اور ان سے ہم کلامی کی سعادت نصیب ہو تو یاد رکھو کہ تمہاری آواز میرے محبوب کی آواز سے بلند نہ ہونے پائے بلکہ آپ کی بارگاہِ ناز میں ادب و احترام کی تصویر بن جایا کرو۔ اس آیت کریمہ کے ابتدائی کلمات میں اہل ایمان کو مخاطب کر کے بتایا کہ اگر تم نے میرے محبوب کے آداب کا خیال نہ رکھا اور ذرا سی بھی کوتاہی ہو گئی تو تمہارے سارے نیک اعمال، ہجرت، جہاد اور عبادات ضائع ہو جائیں گے۔ یہ آیت کریمہ حضور نبی اکرم ﷺ کے روضۂ اطہر پر آج بھی سنہری الفاظ میں کندہ ہے تاکہ آپ کے وصالِ مقدس کے بعد بھی وہاں حاضر ہونے والے امتی آداب نبوی کو ملحوظ رکھیں۔ کسی عاشق رسول شاعر نے اس آیت کا ترجمہ شعری انداز میں یوں کیا ہے:

باب جبریل کے پہلو میں ذرا دھیرے سے
فخر جبریل کو یوں کہتے ہوئے پایا گیا
اپنی پلکوں سے درِ یار پہ دستک دینا
اونچی آواز ہوئی عمر کا سرمایا گیا

جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ جو پہلے بھی آپ ﷺ کی بارگاہ میں حد درجہ آداب نبوی کا خیال رکھتے تھے اور زیادہ محتاط ہو گئے

آیت نمبر 3: اس آیت میں آپ ﷺ کے سامنے پست آواز میں گفتگو کرنے والوں کے لیے درج ذیل تین انعامات ربانی کا اعلان فرمایا: (۱) ان کے دل تقویٰ کی آماجگاہ بن جاتے ہیں۔ (۲) ان کے لیے مغفرت ہے۔ (۳) انہیں اجر عظیم سے نوازا جائے گا۔

آیت نمبر 4-5: ۹ھ میں بنو تمیم کے وفد نے آپ ﷺ کے حجرے کے باہر سے آپ کو باآواز بلند پکارنا شروع کر دیا تھا تو ان کو اللہ تعالیٰ نے نادان قرار دیا۔ نیز فرمایا کہ اگر وہ میرے محبوب کے خود سے باہر تشریف لانے تک صبر کرتے تو یہ بات ان کے لیے بہتر ہوتی۔

خلاصۂ بحث: ان آیات میں آوازوں کو بارگاہ نبوت میں پست رکھنے کا حکم اس بات کی دلیل ہے کہ بارگاہِ نبوت کے آداب کا معاملہ بہت نازک ہے اس بارگاہ میں غفلت اور بے احتیاطی سے آوازوں کا بلند ہونا، اگر سارے اعمال کو ضائع کرنے کا سبب بن سکتا ہے تو رسالت مآب ﷺ کی ذات بابرکات کے حوالے سے جان بوجھ کر بے ادبی پر مبنی گفتگو اور بحث مباحثہ کس حد تک خوفناک انجام سے دو چار کر سکتا ہے اس کا تصور ہی دل دہلا دینے والا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے محبوب نبی ﷺ کے بارے میں اشارے کنائے سے بھی کی جانے والی ذو معنی گفتگو کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند کر دیا ہے۔

تحقیقِ احوال اور اطاعتِ نبویؐ کا حکم

نیز صحابۂ کرامؓ کے ایمان کی گواہی (آیات: ۶-۸)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْۤا	اِنْ	جَآءَكُمْ	فَاسِقٌۢ
اے وہ لوگو جو	وہ ایمان لائے	اگر	تمہارے پاس آئے	کوئی فاسق

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تمہارے پاس کوئی فاسق (بدکار)

بِنَبَاٍ	فَتَبَيَّنُوْۤا	اَنْ	تُصِيْبُوْا	قَوْمًاۢ
کوئی خبر لے کر	پس خوب تحقیق کیا کرو	کہیں ایسا نہ ہو	تم ضرر پہنچاؤ	کسی قوم کو

کوئی خبر لے کر آئے تو اس (خبر) کی خوب تحقیق کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بے علمی

بِجَهَالَةٍ	فَتُصْبِحُوْا	عَلٰى	مَا فَعَلْتُمْ	نٰدِمِيْنَ ○
بے علمی میں	پس تم ہو جاؤ	اوپر	اپنے کیے	پچھتانے والے

میں کسی قوم پر (حملہ) کر دو اور پھر تمہیں اپنے کیے پر نادم ہونا پڑے

وَاعْلَمُوْٓا	اَنَّ	فِيْكُمْ	رَسُوْلَ اللّٰهِ	لَوْ
اور خوب جان لو	بے شک	تمہارے درمیان	اللہ کے رسول	اگر

اور خوب یاد رکھو کہ تمہارے درمیان اللہ کا رسول موجود ہے اور اگر وہ

يُطِيْعُكُمْ	فِيْ	كَثِيْرٍ	مِّنَ الْاَمْرِ	لَعَنِتُّمْ
وہ تمہاری بات مانیں	میں	اکثر	معاملات	تم مشقت میں پڑ جاؤ

اکثر معاملات میں تمہاری باتیں ماننے لگیں تو پھر تم مشکل میں پڑ جاؤ گے

وَلٰكِنَّ	اللّٰهَ	حَبَّبَ	اِلَيْكُمُ	الْاِيْمَانَ
اور لیکن	اللہ تعالیٰ نے	محبوب بنایا	تمہارے نزدیک	ایمان کو

لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایمان کو محبوب بنا دیا ہے اور

وَزَيَّنَهٗ	فِيْ	قُلُوْبِكُمْ	وَكَرَّهَ	اِلَيْكُمُ
اور اسے سجا دیا	میں	تمہارے دلوں	اور قابل نفرت بنایا	تمہارے نزدیک

اسے تمہارے دلوں میں مزین کر دیا ہے اور تمہارے لیے کفر، فسق

الْكُفْرَ	وَالْفُسُوْقَ	وَالْعِصْيَانَ	اُولٰٓئِكَ	هُمُ
کفر کو	اور فسق کو	اور نافرمانی کو	یہی لوگ	وہ ہیں

اور نافرمانی کو ناپسند کر دیا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو

الرّٰشِدُوْنَ ○	فَضْلًا	مِّنَ اللّٰهِ	وَنِعْمَةً
ہدایت یافتہ	یہ فضل ہے	اللہ کی طرف سے	اور انعام ہے

ہدایت یافتہ ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ کے فضل اور انعام سے ہے

وَاللّٰهُ	عَلِيْمٌ	حَكِيْمٌ ○
اور اللہ تعالیٰ	خوب جاننے والا	بڑا دانا

اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اور بڑا دانا ہے۔

تشریح

آیت نمبر 6-8: آیت نمبر 6 کے شان نزول کے حوالے سے مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی جسے آپ ﷺ نے بنی مصطلق کی طرف زکوٰۃ کی وصول کیلئے بھیجا تھا۔ اسلام سے پہلے ان کی آپس میں دشمنی تھی یہی وجہ کہ جب ولید بن عقبہ اس قبیلے کی بستی کے نواح میں پہنچے اور لوگوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو ڈر کر

واپس پلٹ آئے اور مدینہ منورہ پہنچ کر یہ خبر مشہور کر دی کہ وہ لوگ زکوۃ دینے سے انکاری ہیں اور انہوں نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی ہے۔ نبی مکرم ﷺ مسلمانوں کے مشورے سے ان کے خلاف کسی اقدام کا ارادہ کر رہے تھے کہ اسی اثناء میں بنی مصطلق کے ایک وفد نے آ کر بتایا کہ ہم تو آپ ﷺ کے نمائندے کے استقبال کیلئے نکل رہے تھے نہ کہ اس کے قتل کیلئے، حقیقت حال کا بر وقت پتہ چل جانے کی وجہ سے بڑا حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس شان نزول کے باوجود یہ آیت عمومی مفہوم کی حامل ہے جس میں کسی بھی معاملے میں جلد بازی سے اقدام کرنے کی ممانعت اور تحقیق احوال کا حکم دیا گیا ہے۔

تحقیق احوال کا حکم: چنانچہ اس آیت میں اہل ایمان کو حکم دیا کہ تم اتنے سادہ لوح نہ بن جاؤ کہ جس کسی نے کوئی بات کہہ دی فوراً اس پر یقین کر لیا اور اس افواہ پر عمل پیرا ہو گئے بلکہ فرمایا کہ ایسے سفلہ مزاج لوگوں کی افواہ کی خوب تحقیق کر لیا کرو کیونکہ عین ممکن ہے اس وجہ سے تم کسی بڑے نقصان میں پڑ جاؤ اور پھر تمہیں شرمندگی اٹھانا پڑے۔ دینی و دنیوی اور علمی معاملات میں تحقیق کا حکم شریعت اسلامیہ کا ایسا وصف ہے جو اسے باقی تمام ادیان اور تہذیبوں سے نمایاں کرتا ہے۔ تحقیق و جستجو نہ صرف ایک علمی اور فکری رویہ ہے بلکہ یہ شریعت اسلامیہ کا حکم ہے جسے اپنا کر ہم دین و دنیا میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔

آیت نمبر ۷-۸ میں فرمایا کہ میرے حبیب مکرم ﷺ تمہارے درمیان موجود ہیں ان کے ہوتے ہوئے تمہیں اپنی عقل کے گھوڑے دوڑانے کی ضرورت نہیں ہے میرا رسولؐ نورِ نبوت سے ہر معاملہ کو اچھی طرح جانتا ہے اس لیے اس کی پیروی اور اطاعت کرو۔ ساتھ ہی فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اپنے رسول مکرمؐ کے صحابہؓ کے دلوں میں ایمان کو راسخ کر دیا ہے اور کفر و نافرمانی کو ان کے لیے ناپسندیدہ کر دیا ہے۔

عظمت صحابہؓ: صحابہ کرامؓ کی رفعت شان اور عظمت کے حوالے سے بھی یہ آیات بہت بڑی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے دلوں میں ایمان کو راسخ کر دیا ہے اور اس ایمان کو اطاعتِ رسولؐ اور ادبِ رسولؐ سے مزین فرما دیا ہے اور کفر، فسق اور نافرمانی سے ان کو دور رکھنے کے لیے ان برائیوں سے ان کے دلوں کو متنفر بنا دیا ہے۔ گویا قیامت تک آنے والے مومنین کے لیے بھی ایمان اور اس کی زینت کا معیار اطاعت، ادب اور حبِ رسول کو مقرر فرما دیا اور بے ادبی، گستاخی اور معصیت رسول کو بے ایمانی اور کفر کی راہ قرار دے کر ایسی برائیوں کو قابل نفرت بنا دیا۔

باہمی جنگ و جدال کے دوران صلح کروانے کا حکم اور اخوت اسلامی (آیات:۹-۱۰)

وَاِنْ	طَآئِفَتٰنِ	مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	اقْتَتَلُوْا
اور اگر	دو گروہ	مومنوں کے	باہم لڑ پڑیں

اور اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں

فَاَصْلِحُوْا	بَيْنَهُمَا	فَاِنْۢ	بَغَتْ	اِحْدٰهُمَا
پس صلح کرا دو	ان دونوں کے درمیان	پس اگر	زیادتی کرے	ان دونوں میں سے کوئی ایک

تو ان کے درمیان صلح کرا دو، پس اگر ان میں سے کوئی ایک دوسرے

عَلَى	الْاُخْرٰى	فَقَاتِلُوا	الَّتِىْ	تَبْغِىْ
اوپر	دوسرے پر	پس تم سب لڑو	اس گروہ سے	جو زیادتی کرے

گروہ پر زیادتی کرے تو اس زیادتی کرنے والے کے خلاف تم بھی لڑو یہاں تک

حَتّٰى	تَفِيْٓءَ	اِلٰى	اَمْرِ اللّٰهِ	فَاِنْ	فَآءَتْ
یہاں تک کہ	وہ لوٹ آئے	طرف	اللہ کا حکم	پس اگر	وہ لوٹ آئے

کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پس اگر وہ باز آجائے

فَاَصْلِحُوْا	بَيْنَهُمَا	بِالْعَدْلِ	وَاَقْسِطُوْا
پس صلح کرا دو	ان دونوں کے درمیان	عدل (وانصاف) سے	اور انصاف کرو

تو ان دونوں (گروہوں) کے درمیان عدل و انصاف سے صلح کروا دو۔

اِنَّ اللّٰهَ	يُحِبُّ	الْمُقْسِطِيْنَ ٥	اِنَّمَا
بے شک اللہ تعالیٰ	محبت کرتا ہے	انصاف کرنے والوں کو	بے شک

بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ بے شک

الْمُؤْمِنُوْنَ	اِخْوَةٌ	فَاَصْلِحُوْا	بَيْنَ	اَخَوَيْكُمْ
اہل ایمان	آپس میں بھائی بھائی ہیں	پس تم صلح کرا دو	درمیان	اپنے دو بھائیوں

تمام مومن (اہل ایمان) تو آپس میں بھائی بھائی ہیں پس تم اپنے دو بھائیوں

وَاتَّقُوا اللّٰهَ	لَعَلَّكُمْ	تُرْحَمُوْنَ ٥
اور اللہ سے ڈرتے رہو	تا کہ تم پر	رحم کیا جائے

کے درمیان صلح کروا دو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے

تشریح

آیت نمبر 9 میں حکم دیا کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان کوئی نزاع اور جھگڑا پیدا ہو جائے تو دیگر مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کے درمیان صلح صفائی کی کوشش کریں۔ پھر فرمایا کہ اگر ان میں سے کوئی فریق صلح کی بات نہ مانے اور لڑائی کرنے پر ہی بضد ہو تو پھر تم بھی مظلوم کا ساتھ دو اور ظالم کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دو۔ چنانچہ جب وہ صلح پر آمادہ ہو جائے تو ان دونوں کے درمیان عدل و انصاف سے صلح کرا دو۔

آیت نمبر 10 میں مومنین کو آپس میں رشتہ اخوت میں جوڑ دیا ہے رشتہ اخوت کی اس اہمیت کی طرف نبی رحمت ﷺ نے بار بار ہماری توجہ دلائی ہے۔ اس موضوع پر متعدد احادیث ذکر کی گئیں ہیں جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

۱- اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس پر خود ظلم کرتا ہے اور نہ ایسے بے یارو مددگار چھوڑتا ہے۔

۲- اِذَا دَعَا الْمُسْلِمُ لِاَخِيْهِ مِنْ ظَهْرِ الْغَيْبِ قَالَ الْمَلَكُ آمِيْنَ وَلَكَ مِثْلُهُ: جب کو مسلمان اپنے بھائی کیلئے اس کی عدم موجودگی میں دعا کرتا ہے تو ایک فرشتہ آمین کیلئے ہوئے کہتا ہے یہی دعا تیرے لیے بھی مقبول ہو۔

۳- اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا ایک مومن دوسرے مومن کیلئے اس عمارت کی طرح جس کی ایک اینٹ دوسری کو مضبوط کرتی ہے۔

قرآن و احادیث کی ان نصوص سے واضح ہے کہ مسلم معاشرے کی بنیادیں خیر خواہی، بھائی چارے، باہمی محبت و الفت اور ہمدردی پر قائم ہیں۔ اس لیے جو شخص مسلمان ہوئے ہوتے بھی ان صفات سے عاری ہو گویا وہ اپنے عمل سے مسلم معاشرے کی بنیادیں کھوکھلی کر رہا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور مہربانی جیسی صفات کا حقدار انہیں مسلمانوں کو ٹھہرایا ہے جو ان اعلیٰ اوصاف سے متصف ہوں گے کیونکہ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

گویا کائنات کے تمام مسلمانوں کو اخوت کی لڑی میں پرو دیا اور انہیں ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔ اس اُخوتِ اسلامی کا عملی مظاہرہ ہمیں ہجرت مدینہ کے بعد ملتا ہے جب حضور نبی کریم ﷺ نے مکہ سے آئے ہوئے مہاجرین اور مدینہ کے انصار کے درمیان رشتۂ مؤاخات قائم فرمایا تھا۔ پھر چشمِ فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ وہ انصار اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنے اپنے گھروں میں لے گئے اور اپنے گھر کا آدھا اثاثہ الگ کر کے ان کے حوالے کر دیا لیکن مہاجرین نے کہا کہ ہمیں بازار کا راستہ دکھا دو ہم خود محنت کر کے اپنی روزی کما لیں گے۔

اخلاقِ رذیلہ تمسخر، عیب جوئی، بدگمانی، جاسوسی اور غیبت کی ممانعت

(آیات: ۱۱-۱۲)

مِنْ قَوْمٍ	قَوْمٌ	لَا يَسْخَرْ	اٰمَنُوْا	يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ
کسی قوم کا	کوئی قوم	مذاق نہ اڑائے	وہ ایمان لائے	اے لوگو جو

اے اہل ایمان تم میں سے کوئی قوم کسی دوسری قوم کا مذاق نہ اڑایا کرے

وَلَا نِسَآءٌ	مِّنْهُمْ	خَيْرًا	اَنْ يَّكُوْنُوْا	عَسٰٓى
اور نہ عورتیں (مذاق اڑائیں)	ان سے	بہتر	کہ وہ ہوں	شاید

شاید وہ (مذاق اڑائے جانے والے) ان (مذاق اڑانے والوں) سے بہتر ہوں۔ اور نہ ہی عورتیں

مِّنْهُنَّ	خَيْرًا	اَنْ يَّكُنَّ	عَسٰٓى	مِّنْ نِّسَآءٍ
ان سے	بہتر	وہ ہوں	شاید	عورتوں کا

دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں شاید وہ (مذاق اڑائی جانے والیاں) ان (مذاق اڑانے والیوں) سے بہتر ہوں

بِالْاَلْقَابِ	وَلَا تَنَابَزُوْا	اَنْفُسَكُمْ	وَلَا تَلْمِزُوْٓا
برے القاب سے	اور نہ بلاؤ	ایک دوسرے کو	اور نہ عیب لگاؤ

اور نہ ہی ایک دوسرے کو عیب لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو

وَمَنْ	بَعْدَ الْاِيْمَانِ	الْفُسُوْقُ	الِاسْمُ	بِئْسَ
اور جو شخص	ایمان کے بعد	فاسق کہلانا	نام	برا ہے

ایمان لانے کے بعد فاسق کہلانا کتنا ہی بُرا ہے۔ اور جو شخص (ان)

الظّٰلِمُوْنَ ○	هُمُ	فَاُولٰٓئِكَ	لَّمْ يَتُبْ
بے انصاف	وہی	پس وہ لوگ	توبہ نہیں کرے گا

باتوں سے) توبہ نہیں کرے گا پس وہی لوگ ظالم (بے انصاف) ہوں گے

مِّنَ	كَثِيْرًا	اجْتَنِبُوْا	اٰمَنُوا	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
سے	بکثرت	دور رہا کرو	جو ایمان لائے ہو	اے وہ لوگو!

اے اہل ایمان! کثرت کے ساتھ بدگمانیاں کرنے سے دور رہا کرو

وَلَا تَجَسَّسُوا	اِثْمٌ	الظَّنِّ	بَعْضَ	اِنَّ	الظَّنِّ
اور جاسوسی نہ کرو	گناہ ہیں	بدگمانیاں	کچھ	بے شک	بدگمانیاں

بے شک کچھ بدگمانیاں تو گناہ ہوتی ہیں اور جاسوسی نہ کیا کرو

وَلَا يَغْتَبْ	بَّعْضُكُمْ بَعْضًا	اَيُحِبُّ	اَحَدُكُمْ
اور غیبت نہ کرو	ایک دوسرے کی	کیا پسند کرتا ہے	تم میں سے کوئی

اور نہ ہی غیبت کیا کرو ایک دوسرے کی، کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے

اَنْ يَّاْكُلَ	لَحْمَ	اَخِيْهِ	مَيْتًا	فَكَرِهْتُمُوْهُ
کہ وہ کھائے	گوشت	اپنے بھائی کا	مردہ	پس تم اسے مکروہ سمجھتے ہو

کہ وہ اپنے مردار بھائی کا گوشت کھائے پس اس بات کو تم مکروہ سمجھتے ہو

وَاتَّقُوا اللّٰهَ	اِنَّ	اللّٰهَ	تَوَّابٌ	رَّحِيْمٌ o
اور اللہ سے ڈرتے رہو	بیشک	اللہ تعالیٰ	بہت توبہ قبول کرنے والا	بہت رحم کرنے والا

اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے

تشریح

آیت نمبر 11-12: ان آیات میں مسلمانوں کو باہمی محبت و الفت اور اخوت و بھائی چارے کو پاش پاش کر دینے والے اخلاقِ رزیلہ سے منع کیا جا رہا ہے۔ قرآن و سنت کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان میں صرف اوامر و نواہی پر مشتمل احکام ہی نہیں ہیں بلکہ انسانی معاشرے کی اصلاح کیلئے مکمل رہنمائی اور اس معاشرے میں بگاڑ اور فساد بپا کرنے والے امور کی بھی بیخ کنی کی گئی ہے۔

آیت نمبر 11: بحیثیت مجموعی کسی قبیلے یا قوم، گروہ، طبقے یا جماعت کا دوسرے طبقات کا تمسخر اڑانا یا کسی فرد کا دوسرے فرد کے بارے میں تحقیر و تمسخر پر مبنی رویّہ روا رکھنا ایسی صورتیں ہیں جو معاشرے کو پر امن نہیں رہنے دیتیں اس لیے باہمی محبت و الفت قائم رکھنے کے لیے ایسے اجتماعی یا انفرادی اعمال سے منع فرمایا گیا جو نفرت کا باعث بن سکتے ہیں۔ انہی اخلاقِ رذیلہ میں سے ایک بُرے القاب سے پکارنا یا برے نام رکھنا ہے۔ قرآن مجید نے اس عمل کو فسق یعنی اعلانیہ گناہ قرار دیا ہے اور اگر کوئی مومن ہوتے ہوئے بھی بے خبری یا غفلت میں اس عمل کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کیلئے حکم ہے کہ اللہ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کا حکم سمجھ آجانے کے بعد توبہ کرے اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا عزم کرے کیونکہ ان اخلاقِ رزیلہ پر ڈٹے رہنے والوں کو ظالم قرار دیا گیا ہے۔

آیت نمبر 12: میں مومنوں کو بدگمانی سے منع کیا گیا کیونکہ اکثر حالات میں بدگمانی نفرت

اور بغض کو جنم دیتی ہے اور آگے چل کر یہی نفرت اور بغض دشمنی میں بدل جاتا ہے۔ اس لیے اس کو گناہ قرار دے کر اس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔

یہ بات ہمارے روزمرّہ مشاہدے کی ہے کہ ہم اپنے رشتہ داروں، عزیزوں، ہمسایوں اور دوستوں کے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر جب بدگمانی کو اپنے دل میں جگہ دیتے ہیں تو وہ "بدگمانی" بغض، حسد اور دشمنی میں بدل جاتی ہے جبکہ اگر اس غلط فہمی کو برداشت اور صبر کے ساتھ رفع کرنے کی کوشش کریں تو بہت جلد ہمیں غلطی کا احساس ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دوسروں کے بارے میں ٹوہ میں رہنا بھی وہ برائی ہے جس کے پیچھے حسد اور بغض چھپا ہوتا ہے۔ دوسروں کی جاسوسی اور ٹوہ میں لگنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ عمل بھی معاشرے میں بگاڑ کا باعث ہے۔ آقا علیہ الصلوٰۃ و السلام نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ اس لیے ایمان سے مطابقت رکھنے والے جذبات خیر خواہی اور بھلائی پر مشتمل ہوتے ہیں نہ کہ دوسروں کے عیب اور نقص تلاش کرنے میں۔ اس ضمن میں غیبت سے منع کیا گیا ہے کیونکہ غیبت ایسا گناہ ہے جو بدگمانی بغض اور دشمنی کو پیدا کرتا ہے اور یہ بغض اور دشمنی بعض اوقات فساد اور قتل و غارت پر منتج ہوتی ہے اس لیے غیبت جیسے مکروہ عمل کو ایک مثال کے ذریعے واضح کیا گیا ہے کہ غیبت کرنا اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف ہے اور کوئی سلیم الطبع شخص انسانی گوشت نہیں کھا سکتا تو جس طرح اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا ناجائز اور مکروہ عمل ہے ایسے ہی غیبت بھی برا عمل ہے۔

حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ نے اپنے صحابہ سے پوچھا: کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ پھر فرمایا: تمہارا اپنے بھائی کے بارے میں ایسی بات کرنا جسے وہ ناپسند کرتا ہو کہا گیا یا رسول اللہ ﷺ اگر وہ بات اس میں پائی جائے تو بھی غیبت ہے آپ ﷺ نے فرمایا: یہی غیبت ہے اور اگر وہ بات اس میں موجود نہیں جو تُو کہہ رہا ہے تو پھر تُو نے اس پر بہتان لگایا ہے یعنی یہ عمل پہلے عمل سے بھی بُرا ہے۔

انسانی تفاخر کا خاتمہ، تقویٰ معیارِ فضیلت و شرافت (آیت:۱۳)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ	اِنَّا	خَلَقْنٰكُمْ	مِّنْ	ذَكَرٍ	وَّ
اے لوگو!	بے شک ہم نے	تمہیں پیدا کیا	سے	مرد	اور

اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے

اُنثٰی	وَجَعَلْنٰكُمْ	شُعُوْبًا	وَّقَبَآئِلَ	لِتَعَارَفُوْا
عورت	اور ہم نے تمہیں بنایا	قومیں	اور قبیلے	کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو

پیدا کیا ہے اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو

اِنَّ	اَكْرَمَكُمْ	عِنْدَ اللّٰهِ	اَتْقٰكُمْ	اِنَّ
بیشک	تم میں سے زیادہ معزز	اللہ کے ہاں	جوتم میں سے زیادہ متقی	بے شک

پہچان سکو، بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا ہے وہ ہے جوتم میں

اللّٰهَ	عَلِيْمٌ	خَبِيْرٌ ۝
اللہ تعالیٰ	خوب جاننے والا	خوب باخبر

سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اور خوب خبر رکھنے والا ہے۔

تشریح

آیت نمبر۱۳: اس آیت میں انسانی تفاخر کا خاتمہ فرمایا اور بتایا کہ نسل، قومیت رنگ اور زبان وجہِ افتخار نہیں ہے بلکہ شرافت اور برتری کی اصل بنیاد تو تقویٰ ہے۔ تمہاری نسل کا سلسلہ ایک اصل سے جا کر ملتا ہے اور وہ ہیں آدم علیہ السلام، جن کی تم سب اولاد ہو۔ تمہارا ایک دوسرے پر برتری کا دعویٰ سراسر کم فہمی اور نادانی ہے۔ مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کسی کو حقیر اور کسی کو برتر سمجھنے کے لیے نہیں ہے بلکہ اس لیے ہے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو اور باہمی معاملات میں گڑ بڑ نہ ہو۔

بدّوؤں کا ایمانی دعویٰ، حقیقتِ ایمان اور احسانِ خداوندی (آیات:۱۴-۱۸)

قَالَتِ	الْاَعْرَابُ	اٰمَنَّا	قُلْ	لَّمْ تُؤْمِنُوْا
کہا	دیہاتیوں نے	ہم ایمان لائے	آپ فرمائیے	تم ایمان نہیں لائے

بدوؤں (دیہاتیوں) نے کہا کہ ہم ایمان لائے اے محبوب آپ فرما دیجئے ابھی تم ایمان نہیں لائے

وَلٰكِنْ	قُوْلُوْٓا	اَسْلَمْنَا	وَلَمَّا	يَدْخُلِ	الْاِيْمَانُ
اور لیکن	تم یہ کہو	ہم نے اطاعت کی	اور ابھی نہیں	داخل ہوا	ایمان

لیکن تم یہ کہو کہ ہم نے اطاعت قبول کر لی ہے ابھی تک (حقیقی) ایمان تمہارے

فِيْ	قُلُوْبِكُمْ	وَاِنْ	تُطِيْعُوا	اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
میں	تمہارے دلوں	اور اگر	تم (سچی) اطاعت کرو	اللہ اور اس کے رسول

دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے اور اگر تم اللہ اور اس کے رسولِ مکرم کی سچی اطاعت کرو گے

لَا يَلِتْكُمْ	مِّنْ اَعْمَالِكُمْ	شَيْئًا	اِنَّ	اللّٰهَ	غَفُوْرٌ
وہ کمی نہیں کرے گا	تمہارے اعمال میں	کچھ بھی	بیشک	اللہ تعالیٰ	بخشنے والا

تو وہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کمی نہیں کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا

رَّحِيْمٌ ۝	اِنَّمَا	الْمُؤْمِنُوْنَ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا
رحم کرنے والا	بیشک	(کامل) مومن	وہ جو کہ	ایمان لائے

اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ بے شک (کامل) مومن تو وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر

بِاللّٰهِ	وَرَسُوْلِهٖ	ثُمَّ	لَمْ يَرْتَابُوْا	وَجٰهَدُوْا
اللہ پر	اور اس کے رسولؐ پر	پھر	کبھی شک نہ کیا	اور انہوں نے جہاد

اس کے رسول مکرمؐ پر ایمان لائے پھر انہوں نے کسی لحہ شک نہیں کیا اور انہوں نے

بِاَمْوَالِهِمْ	وَاَنْفُسِهِمْ	فِيْ	سَبِيْلِ اللّٰهِ	اُولٰٓئِكَ
اپنے مالوں کے ذریعے	اور اپنی جانوں کے ساتھ	میں	اللہ کی راہ میں	یہی لوگ

اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا۔ ایسے ہی لوگ

هُمُ	الصّٰدِقُوْنَ ۝	قُلْ	اَ	تُعَلِّمُوْنَ	اللّٰهَ
وہی ہیں	سچے (راستباز)	آپؐ فرمائیے	کیا	تم آگاہ کرتے ہو	اللہ کو

سچے (مومن) ہیں۔ اے محبوب آپؐ فرما دیجئے کہ کیا تم اپنے دین قبول کرنے کے بارے

بِدِيْنِكُمْ	وَاللّٰهُ	يَعْلَمُ	مَا	فِي	السَّمٰوٰتِ
اپنے دین کے بارے	(جبکہ) اللہ تعالیٰ	جانتا ہے	جو کچھ	میں	آسمانوں

اللہ کو آگاہ کرتے ہو جبکہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسے

وَمَا	فِي الْاَرْضِ	وَاللّٰهُ	بِكُلِّ	شَيْءٍ	عَلِيْمٌ ۝
اور جو کچھ	زمین میں	اور اللہ تعالیٰ	ہر ایک	چیز کا	جاننے والا

خوب جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

يَمُنُّوْنَ	عَلَيْكَ	اَنْ	اَسْلَمُوْا	قُلْ
وہ احسان جتاتے ہیں	آپؐ پر	کہ	وہ اسلام لائے	آپؐ فرما دیجئے

وہ (دیہاتی) اپنے ایمان لانے کا آپؐ پر احسان جتاتے ہیں آپؐ فرما دیجئے کہ

لَا تَمُنُّوْا	عَلَيَّ	اِسْلَامَكُمْ	بَلِ اللّٰهُ	يَمُنُّ
تم احسان نہ جتاؤ	مجھ پر	اپنے اسلام کا	بلکہ اللہ ہے	جس نے احسان کیا

تم اپنے اسلام لانے کا مجھ پر احسان نہ جتاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ہے کہ

عَلَيْكُمْ	اَنْ	هَدٰىكُمْ		
تم پر	یہ کہ	تمہیں ہدایت دی		
		لِلْاِيْمَانِ	اِنْ	كُنْتُمْ
		ایمان لانے کی	اگر	تم ہو

اس نے تمہیں ایمان لانے کی توفیق نصیب کی ہے اگر تم اپنے اس دعویٰ میں

صٰدِقِيْنَ ۝	اِنَّ	اللّٰهَ	يَعْلَمُ	غَيْبَ
سچے	بے شک	اللہ تعالیٰ	وہ جانتا ہے	پوشیدہ

سچے ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ

السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ	وَاللّٰهُ	بَصِيْرٌ	بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝
آسمانوں کا	اور زمینوں کا	اور اللہ تعالیٰ	خوب دیکھ رہا ہے	جو کچھ تم کرتے ہو

باتوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے (تمام) اعمال کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے۔

تشریح

حقیقت ایمان و اسلام: ان آیات میں بدوؤں (دیہاتیوں) کے ایمانی دعوے کی حقیقت واضح فرمائی گئی ہے۔ قبیلہ بنو اسد کے لوگ قحط سالی کی وجہ سے اپنے اہل و عیال اور جانوروں سمیت مدینہ میں آ گئے، مدینہ کی گلیوں کو گندگی سے بھر دیا اور مسلمانوں سے غلہ و خوراک کا مطالبہ کرنے لگے اور فقط زبانی طور پر اپنے اسلام لانے کا اقرار کرنے لگے جبکہ ان کے دل ایمان کے نور سے خالی تھے ان کے علاوہ بھی کچھ اور قبائل مدینہ میں آ کر ایمان کا دعویٰ کرنے لگے ان میں قبیلہ مُزَیْنَہ، جُزَیْنَہ اور بنو اسلم کے نام تفسیر کی کتابوں میں درج ہیں۔ نیز انہوں نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں آ کر احسان جتلانا شروع کر دیا کہ دیکھیں ہم ایمان لائے ہیں اور ہماری وجہ سے اسلام کو ترقی ہوئی۔ اللہ کریم نے ان آیات میں ان کے ایمان کی حقیقت کھول دی اور فرمایا کہ تم تو فقط دنیوی مفادات کی خاطر ایمان لانے کا دعویٰ کر رہے ہو ایمان کی منزل تو بڑی اہم ہے ابھی تو تم مکمل طور پر اسلام بھی نہیں لائے ہو۔ ایمان کا مرتبہ تو تمہیں تب نصیب ہو گا جب تم میرے حبیب ﷺ کی کامل اتباع کرو گے اور اپنے جان و مال اسلام کی خاطر قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ گے۔ آخر میں فرمایا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں اسلام اور ایمان لانے کی توفیق عطا کی ہے۔ کیونکہ وہ دلوں کے بھید خوب جانتا ہے۔ اسے تمہارے اعمال اور تمہاری نیتوں کے احوال کا بخوبی علم ہے اور وہ زمین و آسمان کے رازوں سے بھی باخبر ہے لہٰذا تم میں سے کوئی اس گمان میں نہ رہے کہ تم محض اپنے زبانی دعوؤں سے مومن بن جاؤ گے اور تم پہچانے نہیں جاؤ گے بلکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے اور اس سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

معروضی سوالات

سوال نمبر 1: درج ذیل میں ہر سوال کے ساتھ اس کے چار ممکنہ جوابات دیئے گئے ہیں، ان میں سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے۔

۲- آپ کے نصاب میں سورۃ البقرۃ کی آخری .....آیات شامل ہیں۔
(a) 2 (b) 3 ✓ (c) 4 (d) 5

۳- عبادالرحمٰن زمین پر چلتے ہیں۔
(a) جھوم کر (b) تکبر سے (c) جھک کر (d) عاجزی سے ✓

۴- املاق کا معنی ہے۔
(a) امیری (b) عیاشی (c) غریبی ✓ (d) فحاشی

۵- یُعَذِّبُ کا معنی ہے۔
(a) وہ عذاب دیتا ہے ✓ (b) اس نے عذاب دیا۔ (c) عذاب (d) انعام

۶- کَیْلٌ کا معنی ہے؟
(a) کھینچنا (b) تولنا (c) ناپنا ✓ (d) انڈیلنا

۷- عبادالرحمٰن ہوتے ہیں؟
(a) فضول خرچ (b) میانہ رو ✓ (c) عیاش (d) کنجوس

۸- عبادالرحمٰن کی راتیں گزرتی ہیں۔
(a) سوکر (b) خوشی میں (c) غمی میں (d) سجدہ و قیام میں ✓

۹- نبی کریم ﷺ کی بیویاں مومنوں کی ہیں۔
(a) مائیں ✓ (b) بہنیں (c) معلمات (d) تینوں صحیح نہیں

۱۰- نبی کریم ﷺ کا حق اہل ایمان پر زیادہ ہے۔ (a) اپنی اولاد سے
(b) اپنی جانوں سے ✓ (c) اپنے مالوں سے (d) اپنے والدین سے

۱۱- نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت کا ذکر ہے۔
(a) سورہ محمد میں (b) سورۃ رحمٰن میں (c) سورہ فتح میں (d) سورہ الاحزاب میں ✓

۱۲- نبی کریم ﷺ کو حجرات کے باہر سے آواز دینے والوں کو قرآن نے قرار دیا ہے۔
(a) جھوٹے (b) منافق (c) مخلص (d) بے عقل ✓

۱۳- کس آدمی کی کہی ہوئی بات کی تحقیق کرنا ضروری ہے۔
(a) صادق (b) فاسق ✓ (c) کاذب (d) فاجر

۱۴- غیبت کی حرمت کا ذکر کس سورۃ میں ہے۔
(a) الحجرات ✓ (b) ھود (c) یوسف (d) ابراہیم

سوال نمبر:2 درج ذیل میں سے درست کے سامنے (✓) کا اور غلط کے سامنے (X) کا نشان لگائیے۔

۱- اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔	✓
۲- اہل ایمان کہتے ہیں سَمِعْنَا و اطعنا۔	✓
۳- غربت کی وجہ سے اپنی اولاد قتل کردو۔	X
۴- یتیموں کا مال کھانا ثواب کا کام ہے۔	X
۵- عباد الرحمٰن جہلاء کو سلام کہہ کر اپنی راہ لیتے ہیں۔	✓
۶- عباد الرحمٰن اسراف سے کام لیتے ہیں۔	X
۷- نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات امہات المؤمنین ہیں۔	✓
۸- سورہ محمد ﷺ میں آپ ﷺ کو خاتم النبیین کہا گیا ہے۔	X
۹- اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔	✓
۱۰- فاسق کی لائی ہوئی خبر کی تحقیق ضروری نہیں۔	X
۱۱- غیبت کو مردار چچا کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔	X

سوال نمبر3: درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجئے۔

س : سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا کا کیا معنی ہے؟

ج : ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

س : انسان کے دل میں کتنی طرح کے اور کون کون سے خیالات آتے ہیں؟

ج : انسان کے دل میں دو طرح کے خیالات آتے ہیں، ایک بطور وسوسہ کے جن سے دل کا خالی ہونا انسان کے اختیار میں نہیں۔ دوسرے وہ خیالات جن کو انسان اپنے ارادے سے دل میں جگہ دیتا ہے۔

س : یوم البعث سے کیا مراد ہے؟

ج : یوم البعث سے مراد قیامت کا دن ہے۔ جب کائنات کا یہ نظام لپیٹ دیا جائے گا اور تمام انسان اپنے اعمال کی جواب دہی اور جزا و سزا کا سامنا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے۔

س : سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیات کی فضیلت کے بارے میں کوئی ایک حدیث لکھیے؟

ج : بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیات رات کو پڑھ لے یہ اس کے لیے کافی ہے۔''

س : سابقہ امتوں پر کون کون سی مشقتیں تھیں؟

ج : سابقہ امتوں پر مال کا چوتھائی حصہ زکوٰۃ فرض تھی، اسی طرح لباس میں نجاست سے آلودہ ہو جانے والی جگہ کاٹ دینے کا حکم، عبادت کے لیے مخصوص جگہ کا متعین ہونا، ہفتے کے دن شکار کا منع ہونا، گناہوں کی توبہ کے لیے اپنی جان کو تلف کرنا، مال غنیمت کا حرام ہونا۔

س : وَلَا تَتَّبِعُوا کا کیا معنی ہے؟

ج : اور تم پیروی نہ کرو۔

س : سورۃ الانعام میں یتیم کے مال کے بارے میں کیا احکام ہیں؟

ج : اس سورۃ میں یتیم کے مال کے بارے میں درج ذیل احکام ہیں:

۱۔ یتیم کی مصلحت اور نفع کی غرض کے بغیر اس کے مال کا استعمال گناہ ہے۔

۲۔ اسراف، لالچ اور بے دردی سے یتیم کے مال کو خرچ کرنا منع ہے۔

۳۔ اگر یتیم کی کفالت کرنے والا خود مفلس ہے تو بقدر ضرورت معروف طریقے سے کچھ لے سکتا ہے۔

۴۔ جب یتیم بالغ ہو جائیں تو ان کے اموال ان کے سپرد کر دیئے جائیں۔

س : حضور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے کا حکم کس سورۃ میں ہے؟

ج : حضور نبی کریم ﷺ پر دورد بھیجنے کا حکم سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 56 میں ہے۔

س : عباد الرحمٰن کی راتیں کس انداز میں گزرتی ہیں؟

ج : ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا﴾ (اور وہ لوگ جو کہ اپنے رب کے حضور سر بسجود ہو کر اور قیام کی حالت میں راتیں بسر کرتے ہیں) گویا رحمٰن کے بندے اپنی راتیں عبادت میں گزارتے ہیں۔

س : سورۃ الحجرات کی ابتدائی آیات میں کن آدابِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا بیان ہے؟

ج : سورۃ الحجرات کی ابتدائی آیات میں درج ذیل آدابِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا بیان ہے:

۱۔ قول و عمل میں حضور نبی کریم ﷺ سے سبقت نہ کی جائے۔

۲۔ آپ ﷺ کی بارگاہ میں آواز پست رکھی جائے۔

۳۔ آپ ﷺ کو نام لے کر نہ پکارا جائے۔

۳- حدیث

- حدیث کی تعریف
- حدیث کی اقسام

(متواتر، مشہور، عزیز، غریب، مرفوع، موقوف، مقطوع، صحیح لذاتہ، صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ، ضعیف اور موضوع)

- تدوینِ حدیث

(عہدِ نبوی، عہدِ صحابہ وتابعین وصحاح ستہ)

- ۲۰ منتخب احادیث کا ترجمہ وتشریح

تعارفِ حدیث

حدیث کا لغوی مفہوم: حدیث کا لغوی معنی جدید، بات اور گفتگو ہے یہ قدم کا متضاد بھی ہے۔

حدیث کا اصطلاحی مفہوم: محدثین کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کو حدیث کہا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے حدیث کی تین اقسام ہیں۔

۱- قولی حدیث: وہ حدیث جس میں نبی کریم ﷺ کے قول یا فرمان کو ذکر کیا گیا ہو اسے حدیث قولی کہتے ہیں جیسے آپ ﷺ کا فرمان ہے: "اعمال کا دار و مدار صرف نیتوں پر ہے"

۲- فعلی حدیث: وہ حدیث جس میں نبی کریم ﷺ کے قول یا عمل کو بیان کیا گیا ہو وہ حدیث فعلی کہلاتی ہے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ ہمیشہ ہاتھ اٹھا کر دعا فرمایا کرتے تھے۔

۳- تقریری حدیث: جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے کسی صحابی نے کوئی کام کیا ہو یا کوئی بات کہی ہو اور نبی کریم ﷺ نے اسے منع نہ کیا ہو بلکہ اس پر خاموشی اختیار کی ہو تو اس فعل یا قول کو تقریری حدیث کہتے ہیں کیونکہ اگر وہ فعل یا قول خلاف شریعت ہوتا تو نبی کریم ﷺ اسے ضرور منع فرماتے۔ آپ ﷺ کا خاموش رہنا اس فعل یا قول کے درست ہونے کی دلیل ہے۔

① رواۃ کے اعتبار: متواتر، مشہور
② سند کے اعتبار: مرفوع، موقوف
③ صحت کے اعتبار: صحیح، حسن

اقسامِ حدیث

I- حدیث مُتَوَاتِر: وہ حدیث جس کے روایت کرنے والے راویوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو کہ جس کے بارے میں عقل یہ ماننے سے انکار کر دے کہ اتنی زیادہ تعداد نے جھوٹ پر اتفاق کیا ہو۔ یہ کثرت تعداد چار سے کم نہ ہو۔ مثلاً مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔ (ترجمہ: جس نے میری طرف جان بوجھ کر کوئی جھوٹی بات منسوب کی وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے) یہ متواتر ہے کیونکہ اسے بہت سے لوگوں نے روایت کیا ہے۔

متواتر حدیث کا حکم اور درجہ: متواتر حدیث سے یقینی علم کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اس کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں رہتا۔ متواتر حدیث ساری کی ساری مقبول ہوتی ہے اور اس کے راویوں کے حالات جاننے اور پرکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

حدیث مشہور: وہ حدیث جس کو روایت کرنے والے راویوں کی تعداد کم از کم کسی بھی دَور میں تین سے کم نہ ہو۔ تین یا تین سے زیادہ تعداد رہی ہو اور وہ تواتر کی حد تک نہ پہنچی ہو جیسے فرمان رسول ﷺ "اللہ تعالیٰ علم نہیں اٹھاتا بلکہ اہل علم کو اٹھا لیتا ہے" حدیث مشہور ہے۔

حدیث عزیز: وہ حدیث جس کے راویوں کی تعداد سلسلہ سند کے تمام طبقات میں دو سے کم

نہ رہی ہو اسے حدیث عزیز کہتے ہیں جیسے رسول اللہ ﷺ کا فرمان: "لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ" حدیث عزیز ہے۔

حدیث غریب: وہ حدیث جس کے سلسلہ سند میں راویوں کی تعداد کسی ایک یا ایک سے زیادہ طبقات میں صرف ایک رہ گئی ہو اسے حدیث غریب کہتے ہیں۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" حدیث غریب ہے کیونکہ اسے صرف ایک صحابی حضرت عمر فاروقؓ نے روایت کیا ہے۔

حدیث مرفوع: وہ قول یا فعل یا تقریر جو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہو اور صحابی وغیرہ یوں کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے نبی کریم ﷺ کو یوں کرتے دیکھا یا یوں کہے کہ میں نے آپ ﷺ کی موجودگی میں یہ بات کہی یا یہ کام کیا اور آپ ﷺ نے مجھے منع نہیں کیا۔ تو یہ تمام صورتیں حدیث مرفوع کہلائیں گی۔

حدیث مَوْقُوف: وہ قول یا فعل یا تقریر جو کسی صحابی کی طرف منسوب ہو۔ جیسے امام بخاری کا قول ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس نے تیمم کر کے جماعت کروائی۔

حدیث مُقْطُوع: وہ قول یا فعل جو کسی تابعی وغیرہ کی طرف منسوب ہو، حدیث مقطوع کہلاتا ہے۔

صحیح لذاتہ: وہ حدیث جس کی سند متصل ہو، اس کے تمام راوی عادل اور تام الضبط ہوں۔ وہ نہ شاذ ہو اور نہ ہی معلول ہو، صحیح لذاتہ کہلاتی ہے۔

وضاحت:

۱۔ سند کے متصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سلسلہ سند میں سے کوئی بھی شروع سے آخر تک حذف نہ ہو۔

۲۔ راویوں کے عادل ہونے مطلب ہے کہ تمام راوی عاقل، بالغ، مسلمان اور نیک اور پرہیزگار ہوں۔

۳۔ تام الضبط کا مطلب ہے کہ وہ کامل حافظہ کے مالک ہوں اور حدیث کو حفظ کر کے یاد رکھتے ہوں یا اسے لکھ کر محفوظ کر لیتے ہوں۔

۴۔ شاذ نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں کم ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت نہ کر رہا ہو۔

۵۔ معلول نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حدیث میں کوئی ایسی خفیہ علت بھی نہ پائی جاتی ہو جس کی وجہ وہ حدیث محدثین کے نزدیک قابل قبول نہ ہو۔

مثال: نبی کریم ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورۃ الطور پڑھی۔ (بخاری)

حکم اور درجہ: ایسی حدیث پر عمل کرنا بالاتفاق واجب ہوتا ہے۔ محدثین جب "هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ" یعنی یہ حدیث صحیح ہے کہتے ہیں تو وہ اس سے مراد صحیح لذاتہ لیتے ہیں۔ جب محدثین "هٰذَا حَدِيثٌ غَيْرُ صَحِيحٍ" یعنی یہ حدیث صحیح نہیں، کہتے ہیں تو اس سے مراد ان کے نزدیک یہ ہے کہ یہ صحیح لذاتہ نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ وہ حدیث کی کوئی اور قسم مثلاً صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ یا حسن لغیرہ ہو سکتی ہے لیکن اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ حدیث غلط ہے۔

حَسَن لِذَاتِہٖ: وہ حدیث جس کی سند متصل ہو، تمام راوی عادل ہوں لیکن ان کا یا کسی ایک کا حافظہ کمزور ہو، نہ وہ شاذ ہو اور نہ وہ معلول ہو تو ایسی حدیث کو حسن لذاتہ کہا جاتا ہے۔

حکم اور درجہ: قوت میں کمزور ہونے کے باوجود یہ حدیث بھی صحیح لذاتہ کی طرح قابل عمل ہوتی ہے۔ مثال: اِنَّ اَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ" (الترمذی) یقیناً جنت کے دروازے تلواروں کے سایوں کے نیچے ہیں۔

صَحِيح لِغَيْرِہٖ: وہ حَسَن لِذَاتِہٖ حدیث جسے اپنے جیسے یا اپنے سے زیادہ قوی طریق سند سے روایت کیا جائے وہ حدیث صحیح لغیرہ کہلاتی ہے۔

حکم اور درجہ: اس کا درجہ حسن لذاتہ سے اعلیٰ اور صحیح لذاتہ سے کم تر ہوتا ہے۔ مثال: لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِىْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ۔ (الترمذی) (اگر مجھے اپنی امت کے مشقت میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز سے پہلے مسواک کرنے کا حکم دیتا)۔

حَسَن لِغَيْرِہٖ: وہ ضعیف حدیث جسے مختلف طرق سے روایت کیا جائے جبکہ اس ضعیف حدیث کا ضعف راوی کے جھوٹ یا فسق کی وجہ سے نہ ہو۔ تو ایسی حدیث کو حسن لغیرہ کہتے ہیں۔

حکم اور درجہ: یہ حدیث قابلِ قبول ہے اور اس کا درجہ حسن لذاتہ سے کم ہے۔

حدیث ضعیف: وہ حدیث جو حسن لغیرہ کی بھی شرائط پوری نہ کر سکے خواہ وہ ایک بھی شرط کی کمی تو اس حدیث کو حدیث ضعیف کہتے ہیں۔

حکم: جمہور یعنی اکثر علماء کے نزدیک اشخاص یا اعمال کے فضائل میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا مستحب ہے لیکن یاد رہے کسی کے عقیدے یا حلت و حرمت کے مسائل میں ضعیف قابل قبول نہیں ہوتی۔

حدیث موضوع: نبی کریم ﷺ کی طرف کوئی ایسا قول یا فعل یا تقریر منسوب کرنا جو آپ ﷺ نے نہ کہا ہو اور نہ ہی کیا ہو گویا آپ ﷺ کی طرف کوئی جھوٹی بات یا جھوٹا عمل منسوب کرنا حدیث موضوع کہلاتی ہے۔ حقیقت میں یہ حدیث ہی نہیں ہوتی۔

حکم و درجہ: چونکہ یہ جھوٹ ہوتا ہے نہ ہی یہ قابل قبول ہے اور نہ ہی اس کا روایت یا بیان

کرنا جائز ہے بلکہ گناہ ہے۔ روایت یا بیان کرنے والا بھی جھوٹا شمار ہوگا۔

اہمیت وحیثیت حدیث

حدیث کی دینی حیثیت: قرآن مجید کے بعد حدیث نبوی علی صاحبہ الصلوۃ والسلام کا مقام ہے۔ یہ اسلامی فقہ کا دوسرا ماخذ ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کی پیروی کو اپنی اطاعت قرار دیا اور آپ ﷺ کی ذات اور زندگی کو مسلمانوں کے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیا چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [الاحزاب:۲۱] (تحقیق تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ (کی ذات و زندگی) میں بہترین نمونہ ہے۔ گویا آپ کی زندگی اور ارشادات قرآن مجید کی تفسیر ہیں۔ جب کہ حدیث نبوی میں ایسا کوئی بیان نہیں ہے جس کی بنیاد قرآن میں نہ ہو۔ گویا پورا دین قرآن و سنت کا مجموعہ ہے۔ آپ ﷺ نے قرآن کی تفسیر و تشریح میں جو ارشادات فرمائے اور جن چیزوں کو حلال اور جن کو حرام ٹھہرایا نیز باہمی معاملات میں جو فیصلے فرمائے ان سب کی حیثیت دینی اور شرعی ہے اور امت کے لیے ان سب احکام کو ماننا ضروری ہے۔

حدیث کی اہمیت: جیسا کہ اوپر بیان ہوا حدیث نبوی ﷺ قرآن کی تفسیر ہے۔ قرآن میں احکام کا اجمال ہے جب کہ احادیث اور سنت رسول ﷺ اس اجمال کی تفصیل ہے۔ اگر حدیث اور سنت کا انکار کیا جائے تو قرآن کو ہرگز ہرگز سمجھا نہیں جا سکتا۔ مثال کے طور پر نماز قائم کرنے کا حکم ہے لیکن کتنی رکعات اور کیسے پڑھیں؟ اس کا بیان نہیں ہے اس کی وضاحت حدیث اور سنت رسول ﷺ سے ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح دیگر ارکان اسلام زکوۃ اور حج ہیں جن کی مکمل تفصیلات صرف اور صرف حدیثِ رسول ﷺ کے ذریعے سے معلوم ہوتی ہیں۔

حدیث کی حجیت اور ضرورت: قرآن مجید اسلام کے اصولوں اور تعلیمات کا مجموعہ ہے جب کہ احادیث نبوی ان اصولوں اور تعلیمات کی مکمل تفسیر ہے۔ اس لیے ہر آسمانی کتاب کے ساتھ رسول کا آنا لازمی رہا ہے کیونکہ رسول یا نبی بغیر کتاب کے تو ممکن ہے لیکن کتاب بغیر رسول کے ناممکن ہے۔

سنت (حدیث) کا انکار: فقط قرآن ہی کو اسلام کا مآخذ سمجھنا اور سنت رسول ﷺ کا انکار کرنا اسلام کا انکار ہے اور سنت کا انکار بہت بڑا فتنہ ہے۔

اسوہ کامل: آپ ﷺ کا کام صرف کتاب کا پہنچانا ہی نہ تھا بلکہ اس کتاب کے مطابق ایک کامل نمونہ بن کر بھی دکھانا تھا۔ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہبر، حاکم، معلم اور شارع ہیں۔ جن کی اطاعت اور پیروی ضروری ہے۔ آپ کی ذات بیک وقت معلم، مبلغ، حکمران،

سپہ سالار، جج، قانون دان، تاجر، باپ، خاوند، دولت مند، صاحب فقر غرضیکہ تمام صفات جمال و کمال کا حسین مرقع تھی۔

تعلیم و تزکیہ نفس: آپ ﷺ نے نہ صرف کتاب کی تعلیم عطا فرمائی بلکہ امت کے دلوں کو پاک کرنا بھی آپ کے فرائض نبوت میں شامل ہے۔ قرآن مجید میں واضح ارشاد فرمایا:

﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ﴾ [سورۃ الجمعہ:۲] وہ (رسول ﷺ) ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرتے اور ان کو پاک صاف کرتے ہیں۔

قرآن کی روشنی میں حجیت حدیث: قرآن مجید میں بار بار آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم ہے اور ظاہر ہے یہ اطاعت آپ ﷺ کے ارشادات اور سنت کے بغیر ناممکن ہے اس ضمن میں ذیل میں چند آیات درج کی جاتی ہیں جن سے حجیت حدیث ثابت ہوتی ہے۔

۱- ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ [النساء:۸۰] ''جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔''

۲- ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ [النساء:۶۴] ''ہم نے رسولوں کو بھیجا ہی اس لیے ہے کہ اللہ کے حکم سے ان کی اطاعت کی جائے۔''

۳- ﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ [الحشر:۷] ''اور جو کچھ تمہیں یہ عظیم رسول ﷺ عطا فرمائیں وہ لے لو اور جس کام سے تمہیں روک دیں تو رک جاؤ''۔

۴- ﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ [النساء:۶۵] ''آپ ﷺ کے رب کی قسم ہے یہ اس وقت تک کامل مومن ہو ہی نہیں سکتے جب تک کہ اپنے تمام جھگڑوں میں آپ کو حَکَمْ (ثالث) تسلیم نہ کریں۔''

حدیث کی روشنی میں حجیت حدیث: حدیث کا حجت اور دلیل ہونا خود احادیث نبوی سے بھی ثابت ہے۔ اس ضمن میں چند ارشادات نبوی نقل کیے جاتے ہیں:

۱- آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں جب تک ان کو تھامے رکھو گے ہرگز گمراہ نہیں ہوگے۔ کتاب اللہ اور میری سنت۔

۲- ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: "عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ" ترجمہ: تم پر میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت واجب ہے اسے مضبوطی سے تھامے رکھو اور اسے داڑھوں سے مضبوط پکڑو۔

۳- ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: "مَنْ اَحْيَا سُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِيْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ

شَهِيْدٍ" ترجمہ: جس نے میری امت میں فساد کے وقت میری سنت کو زندہ کیا اس کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔

تدوینِ حدیث

تدوین سے مراد جمع کرنا، اکٹھا کرنا اور ترتیب دینا کے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کی احادیث کی تدوین کو درج ذیل چار اَدوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

دَور اول...... عہدِ نبوی

یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ احادیث نبوی کے کئی اہم مجموعے خود حضور نبی کریم ﷺ کے مبارک دور میں تحریر ہو چکے تھے۔ ان میں سے کچھ حصہ تو وہ ہے جسے حضور ﷺ نے خو تحریر کروایا جبکہ کچھ احادیث وہ ہیں جو صحابہ کرامؓ نے اپنے طور پر تحریر کیں اور یہ انہی صحابہؓ کے نام سے موسوم صحائف کہلاتے ہیں۔ اسے باقاعدہ تدوین تو نہیں کہا جاسکتا لیکن تدوین کی جانب ایک اہم پیش رفت ضرور تھی۔ ان تمام کاوشوں کو الگ الگ درج ذیل عنوانات کے ذریعے بیان کیا جاسکتا ہے۔

۱- سیاسی معاہدات ۲- مکتوبات نبویؐ (حکمرانوں کے نام) ۳- کتاب الصدقہ
۴- قبائل کو تحریری ہدایات ۵- امان نامے ۶- مدینہ منورہ کی مردم شماری کی دستاویزات
۷- انتظامی فرامین (گورنروں کے نام)

محققین نے ان کے علاوہ بھی حضور ﷺ کے دَور کی کئی دستاویزات کا سراغ لگایا ہے۔ ان میں ڈاکٹر حمید اللہ کا عہدِ رسالت کی تقریباً اڑھائی سو دستاویزات کا مجموعہ مصر میں زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔ ذیل میں عہد نبوی کے دَور کی مندرجہ بالا کاوشوں کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

۱- آپ ﷺ کے سیاسی معاہدات

<u>میثاق مدینہ:</u> حضور نبی کریم ﷺ نے ہجرت مدینہ کے بعد اپنی اعلیٰ سیاسی بصیرت کے پیش نظر مدینہ کے اندر اور ارد گرد آباد یہودی اور دیگر مشرک قبائل کے ساتھ ایک امن کا معاہدہ کیا۔ جسے تاریخ میں میثاق مدینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ پہلا اسلامی تحریری معاہدہ تھا۔

<u>صلح نامہ حدیبیہ:</u> حضور ﷺ اپنے چودہ سو کے لگ بھگ صحابہؓ کے ساتھ ۶ ہجری میں عمرہ کرنے کی غرض سے مدینہ سے مکہ تشریف لے جانے لگے لیکن کفار قریش نے انہیں

حدیبیہ کے مقام پر روک دیا اور عمرہ نہ کرنے دیا۔ اس موقع پر مسلمانوں اور کفار مکہ کے درمیان ایک صلح نامہ تحریر کیا گیا جس کی رو سے مسلمانوں کے لیے اگلے سال عمرہ کی غرض سے مکہ آنے کا معاہدہ طے پایا جبکہ اس میں دیگر کئی شقیں بھی شامل تھیں۔ جو بعد میں اسلام اور اہل اسلام کے لیے نہایت مفید ثابت ہوئیں۔

۲- انتظامی فرامین: حضور ﷺ نے مختلف علاقوں کے گورنروں کے نام کئی انتظامی فرامین خود تحریر کروائے۔

۳- حکمرانوں کے نام دعوتی خطوط: حضور ﷺ نے قیام مدینہ کے دوران کئی چھوٹی اور بڑی ریاستوں کے حکمرانوں کو دعوت اسلام کے لیے تبلیغی خطوط ارسال فرمائے۔ یہ خطوط آپ ﷺ کے مقرر کردہ صحابہ کرامؓ لے کر ان کے درباروں میں گئے۔ ان صحابہ کرامؓ کے نام اور خطوط کتب احادیث و تاریخ میں محفوظ ہیں۔ آپ کے کئی مکتوبات دنیا کے عجائب خانوں میں بھی محفوظ ہیں۔

۴- کتاب الصدقہ: یہ حضور ﷺ کے ان خطوط کا مجموعہ ہے جو آپ ﷺ نے زکوۃ، عشر اور دیت کے احکام کے متعلق گورنروں کے نام بھجوائے۔ چونکہ ان فرامین کی ایک کاپی مرکز میں بھی محفوظ رکھ لی جاتی تھی اس لیے اس مجموعہ کو "کتاب الصدقہ" کا نام دیا گیا۔ یہ مجموعہ بعد میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے پاس بھی رہا۔

۵- قبائل کو تحریری ہدایات: حضور ﷺ مختلف اوقات میں کئی قبائل کے نام تحریری ہدایات بھی بھجواتے تھے۔ ان میں سے کئی اب بھی تاریخ میں محفوظ ہیں۔

۶- امان نامے: حضور ﷺ نے کئی مواقع پر کچھ لوگوں یا قبائل کیلئے امان نامے تحریر کروائے۔ ہجرتِ مدینہ کے سفر کے دوران آپ کا تعاقب کرنے والے سراقہ بن مالک کیلئے امان نامہ تحریر کروایا جو تاریخ میں مشہور ہے۔

۷- مدینہ منورہ کی مردم شماری: حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی زیر نگرانی مدینہ منورہ کے مسلمانوں کی مردم شماری کروائی اور ایک دستاویز میں صحابہ کرامؓ کے نام درج کروائے۔

دوسرا دَور...... عہد صحابہؓ

ان میں درج ذیل صحابہ کے مجموعے زیادہ مشہور ہیں۔

I- حضرت ابوہریرہؓ کا مجموعہ: اسے صحیفہ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں۔ یہ مجموعہ آپ کے شاگرد ہمّام بن مُنبّہ نے روایت کیا ہے۔ اس کے دو مخطوطے دمشق اور برلن میں اب بھی محفوظ ہیں جبکہ ان میں درج احادیث صحیح بخاری اور مُسند امام احمد میں بھی مکمل طور پر محفوظ ہیں۔

II- صحیفۂ صادقہ: یہ عہد نبویؐ کا مستند ترین مجموعہ حدیث ہے اسے حضرت عبداللہ بن عمرو

بن العاصؓ نے تحریر کیا۔

III- صحیفۂ علیؓ: اس میں تقریباً ۵۰۰ احادیث درج تھیں۔ آپؓ اسے ہمیشہ اپنے ہاں محفوظ رکھتے تھے۔

IV- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مجموعہ: ان کو حضور ﷺ کے ہاں ہر وقت حاضر ہونے کی آزادانہ اجازت تھی۔ آپ نے بھی احادیث نبویؐ کا ایک مجموعہ خود تحریر کیا تھا۔

ان کے علاوہ حضرت انس، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت، حضرت سمرہ بن جندب اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی روایات کے مجموعے مشہور ہیں۔

تیسرا دور (۱۰۰ ہجری تا ۲۰۰ ہجری)

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کی خدمات: تدوین حدیث کے اس دور میں حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کا نام سرفہرست ہے۔ آپ نے ۹۹ ہجری میں خلافت کی ذمّہ داری سنبھالی۔ آپ نے اپنے دَور خلافت میں جب دیکھا کہ دنیا سے صحابہ کرامؓ رخصت ہوتے جارہے ہیں تو فوراً تمام ممالک کے علماء کو فرمان جاری کیا کہ احادیث نبوی کو تلاش کر کے جمع کیا جائے۔ چنانچہ آپ کے فرمان کی تعمیل میں درج ذیل کتب اور مجموعے منظر عام پر آئے۔

امام شعبیؒ کی تصنیف: آپ کا تعلق کوفہ سے تھا۔ آپ نے خلیفۂ وقت کے حکم کی تعمیل میں احادیثِ نبوی ﷺ کا ایک مجموعہ تیار کیا۔

امام زہریؒ کی تصانیف: مدینہ کے امام زہریؒ نے گلی گلی اور گھر گھر جا کر حضور ﷺ کی حادیث کو جمع کر کے لکھا۔

امام مکحولؒ کی تصنیف: شام میں امام مکحولؒ نے حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے حکم کی تعمیل میں احادیث نبوی ﷺ کو جمع کیا۔ اس کے علاوہ کبار ائمہ اور تابعین نے پہلی صدی ہجری کے آخر میں تدوین حدیث میں اہم کردار ادا کیا۔

دوسری صدی ہجری میں تدوین حدیث: دوسری صدی ہجری میں احادیث کو مدون کرنے کی کوششیں اور تیز ہوگئیں۔ اس دور میں احادیث کے علاوہ صحابہؓ، اہل بیت کے آثار اور تابعین کے فتاویٰ اور اقوال تک محفوظ کر لئے گئے۔ اس صدی کی مشہور تصانیف درج ذیل ہیں:

I- موطا امام مالکؒ: اس کتاب کو بہت زیادہ شہرت ملی کیونکہ یہ شہر مدینہ کی احادیث کا مجموعہ ہے۔ اس کے مؤلف حضرت امام مالک بن انسؒ نے اس کو فقہی ابواب میں تقسیم کیا

ہے۔ یہ حدیث کی سب سے پہلی مدون کتاب ہے۔

II- کتاب آلاثار: یہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا تالیف کردہ مجموعہ احادیث ہے اس کو بھی فقہی ابواب کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہے۔

III- جامع: دوسری صدی ہجری کی تیسری اہم کتاب حضرت امام ثوریؒ کی جامع ہے۔

چوتھا دَور (تیسری صدی ہجری)

تیسری صدی ہجری تدوینِ حدیث کا سنہری دور کہلاتی ہے کیونکہ اس دَور میں علم حدیث کا تقریباً ہر شعبہ پایہ تکمیل کو پہنچا نیز حدیث کی مشہور کتب کا تعلق اسی دور سے ہے۔ حدیث کی چھ مستند ترین کتابیں جنھیں صحاح ستہ کہا جاتا ہے اسی دور کی تصنیفات ہیں۔ علاوہ ازیں اس دور میں حدیث کے متعلق درج ذیل دو علوم پر بہت کام ہوا۔

I- اصولِ حدیث II- اسماء الرّجال

اصول حدیث: اس کے ذریعے احادیث کی صحت اور عدم صحت کا علم ہوتا ہے اور احادیث کو مختلف زاویوں سے پرکھا جاتا ہے۔

اسماء الرّجال: یہ ایسا علم ہے جس کے ذریعے روایانِ حدیث کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں اور ان کے حالات زندگی اور سیرت و کردار پر بحث ہوتی ہے۔

صِحَاح سِتَّہ کا تعارف

حدیث کی چھ مستند اور مشہور کتب کو صحاح ستہ کہتے ہیں۔ صحاح صحیح کی جمع ہے اور سِتَّۃ عربی میں چھ کو کہتے ہیں۔ ذیل میں ان کتب کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

۱- صحیح بخاری: اس کا عام نام "الجامع الصحیح" ہے۔ اس کے مولف امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ ہیں۔ جو بخارا میں 194ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا حافظہ باکمال تھا آپ کا انتقال 256ھ میں ہوا۔

صحیح بخاری کی خصوصیات: ۱- امام بخاری نے اس کو چھ لاکھ احادیث میں سے منتخب کر کے ۱۶ سال کے عرصہ میں مکمل کیا۔ ۲- ابن حجر عسقلانی کے بقول بخاریؒ کی احادیث کی تعداد مع مکرّرات 9682 ہیں۔ ۳- مکرّرات، کے بغیر احادیث کی تعداد 2623 ہے۔ ۴- قرآن مجید کے بعد اس کو حدیث کی صحیح ترین کتاب شمار کیا جاتا ہے۔

۲- صحیح مسلم: اس کا نام بھی "الجامع الصحیح" ہے۔ یہ ابو الحسن مسلمؒ بن حجاج نیشا پوری کی تالیف ہے۔

۳- صحیح مسلم کی خصوصیات: ۱- اس کا درجہ صحیح بخاری کے بعد ہے۔ ۲- مکرّرات کے علاوہ

احادیث کی تعداد 4000 ہے۔ ۳-امام مسلم نے 3 لاکھ احادیث میں سے اس کا انتخاب کیا۔ ۴- اس کی تالیف پندرہ سال میں ہوئی۔

۳- جامع ترمذی: یہ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰؒ کی تالیف ہے، جن کی وفات 279ھ میں ہوئی۔

جامع ترمذی کی خصوصیات: ۱- امام ترمذی کو امام بخاری، مسلم اور ابو داؤد کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ ۲- یہ کتاب جامع الترمذی، الجامع الصحیح اور سنن ترمذی کے نام سے مشہور ہے۔ ۳- امام ترمذی اسناد کے بارے میں تنقیدی رائے دیتے ہیں۔ ۴- بعض مقامات پر راویوں کے حالات کے بارے میں بھی معلومات دیتے ہیں۔ ۵- بعض اوقات مختلف اسناد لاتے ہیں اور ترجیح بھی ذکر کرتے ہیں۔

۴- سنن اَبی داؤد: اس کا اصل نام ''کتاب السنن'' ہے جو امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی کی تالیف ہے جن کا زمانہ 202ھ تا 275ھ ہے۔

سنن اَبی داؤد کی خصوصیات: ۱- آپ کو 5 لاکھ احادیث یاد تھیں ان میں سے 4800 احادیث پر مشتمل یہ کتاب تالیف کی۔ ۲- وہ تمام احادیث ذکر کر دیں جن سے فقہاء مسائل مستنبط کرتے ہیں۔ ۳- اس کتاب کی ترتیب فقہی ہے۔ ۴- اس کتاب میں بعض ضعیف احادیث بھی ہیں۔

۵- سُنَنِ نَسائی: یہ کتاب ابوعبدالرحمٰن احمد بن علی بن شعیب النسائی کی تالیف ہے جن کا زمانہ 215ھ تا 303ھ ہے۔

سنن نَسائی کی خصوصیات: ۱- آپ نے صحیح اور ضعیف احادیث پر مشتمل ایک ضخیم کتاب تالیف کی جس کا نام ''السنن الکبریٰ'' رکھا۔ ۲- پھر اس کتاب کا اختصار کر کے اور صحیح احادیث منتخب کر کے ایک مجموعہ ''المجتبیٰ'' ترتیب دیا۔ اسی کتاب کو آج ''سنن نسائی'' کہتے ہیں۔ ۳- احادیث کی تعداد 5761 ہے۔ ۴- زیادہ تر احادیث کا تعلق عبادات سے ہے۔

۶- سُنَن ابن ماجہ: یہ کتاب امام ابوعبدالرحمٰن محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی کی تالیف ہے۔

سنن ابن ماجہ کی خصوصیات: ۱- اس میں احادیث کی تعداد 4000 ہے۔ ۲- اس کتاب کے بعض راویوں پر کذب وغیرہ کا الزام ہے۔ س لیے بعض ائمۂ حدیث اس کتاب کی جگہ ''سنن دارمی'' کو صحاح ستہ میں شامل کرتے ہیں۔ مندرجہ بالا کتب دینی مدارس کے نصاب میں شامل ہیں۔

منتخب احادیث کا ترجمہ وتشریح

حُسنِ نیت کا اَجر

حدیث نمبرا

عَنْ	عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ	قَالَ	سَمِعتُ	رَسُولَ اللّٰہ ﷺ
سے (روایت)	حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ	اس نے کہا	میں نے سنا	رسول اللہ ﷺ کو

حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو

یَقُوْلُ	اِنَّمَا	الْاَعْمَالُ	بِالنِّیَّاتِ	وَاِنَّمَا	لِکُلِّ
فرماتے	صرف	اعمال (کا دارومدار)	نیتوں پر ہے	اور صرف	ہر ایک کے لیے

یہ فرماتے ہوئے سنا: اعمال کا دار و مدار صرف نیتوں پر ہے ہر ایک آدمی کے لیے

امْرِئٍ	مَانَوٰی	فَمَنْ	کَانَتْ	هِجْرَتُهٗ	اِلَی
آدمی	جو اس نے نیت کی	پس جس	کی ہو	ہجرت کرنا	طرف

صرف وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ پس جس کی ہجرت (کرنے کی نیت)

اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ	فَهِجْرَتُهٗ	اِلَی	اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
اللہ اور اس کے رسول	پس اس کی ہجرت	طرف	اللہ اور اس کے رسول

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریمؐ کی (رضا) کے لیے ہوگی تو اس کی ہجرت (واقعتاً) اللہ اور اس کے رسول کریمؐ

وَمَنْ	کَانَتْ	هِجْرَتُهٗ	اِلَی	دُنْیَا
اور جس	کی ہوگی	ہجرت (اس کی)	طرف	دنیا

کے لیے ہو گی اور جس کے ہجرت کرنے کا مقصود دنیا حاصل کرنا ہوگا

یُصِیْبُهَا	اَوْ	اِلَی	اِمْرَاَةٍ	یَنْکِحُهَا
تاکہ وہ اسے پائے	یا	طرف	عورت	(تاکہ) اس سے نکاح کرے

تاکہ وہ دنیا حاصل کرے یا کسی عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی غرض سے ہجرت کرے

فَهِجْرَتُهٗ	اِلَی	مَا	هَاجَرَ	اِلَیْهِ
پس اس کی ہجرت	طرف	جس کی	اس نے ہجرت کی	اس کی طرف

تو ایسے شخص کی۔ ہجرت اسی کی طرف ہوگی جس کی طرف اس نے ہجرت کی ہوگی۔

(رواہ البخاری و مسلم)

تشریح

یہ مشہور صحیح حدیث متفق علیہ ہے جسے صحاح ستہ کے سب ائمہ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث اسلام کا مدار اور آپ ﷺ کے جوامع کلمات میں سے ہے اکثر ائمہ نے اپنی کتب کا آغاز اسی حدیث سے کیا ہے امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام ابو داؤد کے نزدیک یہ حدیث پورے علم کی ایک تہائی کا درجہ رکھتی ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو صحابہ کرامؓ نے بھی آپ ﷺ کی پیروی میں ہجرت کی۔ ایک شخص ایک مہاجر خاتون سے شادی کی غرض سے ہجرت کر کے مدینہ آیا تو آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا: ''اے لوگو اعمال کا دار و مدار صرف نیتوں پر ہے آپ نے تین بار یہ کلمات ارشاد فرمائے اور پھر فرمایا کہ جس کسی کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ کی طرف ہو گی اس کی ہجرت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہو گی اور جس کے ہجرت کا مقصد دنیا کا حصول ہو گا یا کسی خاتون سے شادی کرنے کی غرض سے ہجرت کرے گا تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہو گی جس کی طرف اس نے ہجرت کی ہے۔ پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کر کے یہ دعا کی: اے اللہ ہم سے وبا کو دور فرما دے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم اس شخص کو جس نے مہاجر خاتون سے نکاح کرنے کی خاطر ہجرت کی تھی ''مہاجرِ اُمِ قیس'' کے نام سے پکارتے تھے۔

اعمال کا معیار نیت ہے: اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اعمال کے درست ہونے کا معیار نیت ہی ہے۔ چنانچہ جب نیت صحیح ہو گی تو عمل بھی صحیح ہو گا اور اگر نیت میں فتور آ گیا تو عمل بھی فساد زدہ ہو جائے گا۔

عمل اور حُسنِ نیت کے دَرَجات: علماء کے نزدیک عمل اور نیت کے تین درجے ہیں:

۱- کوئی بھی اچھا کام جو اللہ تعالیٰ کے خوف کی نیت سے کیا جائے تو یہ بندوں کی عبادت کہلاتا ہے۔

۲- کوئی اچھا کام جو حصولِ ثواب اور حصولِ جنت کی نیت سے کیا جائے تو یہ تاجروں کی عبادت کہلاتا ہے۔

۳- کوئی اچھا کام جو اللہ تعالیٰ سے حیاء اور حقِ بندگی اور شکرِ خداوندی کی ادائیگی کی نیت سے کیا جائے نیز دل میں اللہ کا خوف بھی ہو کہ کہیں کوئی کمی نہ رہ گئی ہو (کیونکہ بندے کو تو

یہ معلوم نہیں ہے کہ کوئی عمل اس کی بارگاہ میں قبول ہوا ہے یا نہیں ہوا) یہ مردانِ حُر کی عبادت کہلاتا ہے۔ ایک حدیث پاک میں اسی بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کی انتہائی عبادت کہ جس میں آپ ﷺ کی پاؤں مبارک سوج گئے تھے دیکھ کر عرض کی تھی اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے طفیل آپ کی امت کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں تو پھر آپ اتنی مشقت کیوں فرماتے ہیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

مندرجہ بالا تینوں اقسام خلوصِ نیت کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ بسا اوقات خلوصِ نیت میں غرور اور تکبر آنے لگتا ہے تو ایسی صورت میں اعمال غارت ہو جاتے ہیں کیونکہ ایک حدیث قدسی میں حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ذکر فرمایا ہے کہ "میں شریکوں سے بے نیاز ہوں اور جس کسی عمل میں میرے علاوہ کسی نے دوسرے کو شریک کیا تو میں اس سے بری الذمہ ہوں۔ گویا خلوصِ نیت یہ ہے کہ ہر کام میں مقصود فقط رضائے الٰہی ہو۔

ائمہ دین کے نزدیک خلوصِ نیت:

☆ امام ابو اللیث سمرقندی کہتے ہیں کہ جو کام اللہ تعالیٰ کے لیے کیا جائے گا تو وہ قبول ہوگا اور جو لوگوں کی خاطر ہوگا تو وہ رد کر دیا جائے گا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص نماز ظہر اس نیت سے ادا کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فرض ہے لیکن اس کے ارکان اور قراءت کو لمبا کر دے تاکہ لوگ اسے اچھا سمجھیں تو فرض نماز قبول ہو جائے گی لیکن ارکان و قراءت کا لمبا کرنا غیر مقبول ہوگا کیونکہ اس کا مقصود نمائش تھا۔

☆ شیخ عزالدین بن عبدالسلام سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص لوگوں کو دکھانے کی غرض سے لمبی لمبی نماز پڑھتا ہے تو کیا اس کا یہ عمل مقبول ہوگا تو انہوں نے کہا کہ میں امید کرتا ہوں ایسے شخص کا عمل ضائع نہیں جائے گا اور اگر اس نے نماز کی اصل میں اللہ تعالیٰ اور لوگوں کو شریک کیا تو اس کی نماز قبول نہیں ہوگی کیونکہ اس نے اصل عمل میں شریک ٹھہرایا۔

☆ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ کے فرمانِ ذیشان سے مراد اعمال کا درست اور مقبول ہونا یا درجۂ کمال پر فائز ہونا نیتوں پر منحصر ہے۔ نیز فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنے جانور کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تکمیل کے لیے چارہ کھلائے گا تو ثواب کا مستحق ہوگا اور اگر اپنے جانوروں کی حفاظت اور زندہ سلامت رہنا مقصود ہوگا تو اسے ثواب نہیں ملے گا۔ اس کی مزید مثالیں:

۱- شادی کرنا (اللہ کے حکم کی تعمیل کی نیت پر ثواب جبکہ شہوت رانی، حصولِ اولاد یا کسی اور غرض پر کوئی ثواب نہیں)

۲- غسل کرنا (عبادت کی نیت ہو تو ثواب جبکہ بدن کی صفائی پر کوئی ثواب نہیں)

۳- جہاد کرنا (اللہ کے دین کی سربلندی کی نیت پر ثواب جبکہ بہادری کے جوہر دکھانے کی نیت پر کوئی ثواب نہیں) جبکہ آپ ﷺ کے فرمان: **فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ** کے مطابق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ کی رضا کا حصول ہے اور جس کسی کی ہجرت دنیا کے حصول کی غرض سے ہوگی جیسے ایک شخص نے مکہ سے مدینہ اس وجہ سے ہجرت کی تھی کہ وہ مدینہ میں موجود ایک عورت ام قیس سے شادی کرنا چاہتا تھا تو اس کا نام ہی "مہاجر اُمِ قیس" پڑ گیا۔ جبکہ آپ ﷺ نے اس حدیث کے آخر میں ایسے شخص سے جو دنیا داری یا عورت کی خاطر ہجرت کرتا ہے لاتعلقی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ پھر اس کی ہجرت ادھر ہی ہوگی جدھر اس نے ہجرت کی ہوگی۔ گویا ایسی ہجرت کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا ہمیں تمام اعمال میں نیت اچھی رکھنی چاہیے۔

حدیث نمبر۲

حفاظتِ کتاب وسنت

تَرَكْتُ	قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ	مَالِكٍ	عَنْ
میں نے چھوڑیں	رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا	حضرت مالک سے	سے (روایت)

حضرت مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے

مَا تَمَسَّكْتُمْ	لَنْ تَضِلُّوا	أَمْرَيْنِ	فِيكُمْ
جب تک تم پکڑے رکھو گے	تم ہرگز گمراہ نہ ہوگے	دو باتیں	تمہارے اندر

درمیان دو باتیں چھوڑے جارہا ہوں جب تک تم ان کو پکڑے رکھو گے ہرگز گمراہ نہیں

وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ	كِتَابَ اللّٰهِ	بِهِمَا
اور اس کے نبیؐ کی سنت کو	اللہ تعالیٰ کی کتاب	ان دونوں کو

ہو گے اور وہ ہیں اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب اور اس کے نبی مکرمؐ کی سنت

(رواہ مالک فی المؤطا مرسلاً)

تشریح

یہ حدیث مُرسَل ہے اور مرسل حدیث وہ ہوتی ہے جسے کوئی تابعی اس حدیث کے

مشہور و معروف ہونے کی وجہ سے روایت کرنے والے صحابی کا نام چھوڑ دے اور براہ راست حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کر دے گویا صحیح اور قابل عمل ہونے کے اعتبار سے ایسی حدیث اونچے درجہ کی حدیث کہلاتی ہے۔

حضرت مالک بن انسؓ نے اپنی مشہور زمانہ حدیث کی کتاب ''موطا امام مالک'' میں روایت کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے درمیان دو ایسی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے ان کو مضبوطی سے تھامے رکھا تو تم ہرگز گمراہ نہیں ہو گے اور وہ ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) اور ۲- اس کے نبی محتشم ﷺ کی سنت (حدیث)

گویا اس حدیث میں آپ ﷺ نے قرآن و سنت کی اہمیت و حفاظت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب تک مسلمانوں نے قرآن و سنت کو اپنا رہنما بنائے رکھا اور ان پر عمل پیرا رہے کامیابیاں ان کا مقدر رہیں اور جب قرآن و حدیث پر عمل کرنا چھوڑ دیا تو ناکامی و نامرادی ان کا مقدر بن گئی۔

<u>حفاظت قرآن:</u> قرآن مجید وہ الہامی کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی رہنمائی اور حقیقی کامیابی کے لیے اپنے پیارے حبیب مکرم حضرت محمد ﷺ کے قلب اطہر پر نازل فرمایا اس کی شان دیگر تمام آسمانی کتابوں سے بلند اور اعلیٰ ہے یہ کتاب علوم و معارف کا خزینہ ہے جبکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود رب ذو الجلال نے اٹھایا ہے اور یہ فقہ اسلامی کا سب سے بڑا اور بنیادی ماخذ ہے۔ اس کی خوبصورتی نگاہوں کو خیرہ کرتی ہے جبکہ اس کی تعلیمات سے انسان کو اپنی پہچان کے علاوہ خدا شناسی بھی نصیب ہوتی ہے۔

پہلی آسمانی کتابیں (تورات، زبور، انجیل) اور دیگر صحیفے کسی خاص قوم، خاص علاقے اور مخصوص زمانے کے لیے تھے اس لیے ان کا خطاب بھی مخصوص لوگوں سے تھا نیز ان کی تعلیمات بھی جزوی تھیں بلکہ بعض تو مناجات اور دعاؤں کا مجموعہ تھے اور انہیں میں چند فقہی مسائل بیان ہوئے تھے لیکن قرآن مجید ایک آفاقی اور عالمگیر کتاب ہے جس کی تعلیمات قیامت تک کے لیے قابلِ عمل اور فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہیں اس میں بیان کردہ دین ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔

<u>گمراہی سے بچاؤ کا پہلا ذریعہ:</u> اس حدیث میں حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر تم نے اس قرآن کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور اس کے اوامر و نواہی پر عمل کیا تو تم ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔ گویا مسلمانوں کی ہدایت اور کامیابی کا بڑا ذریعہ یہی کتابِ حکمت ہے۔ یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جو ایسے اصول اور قوانین دیتی ہے

جن پر عمل کرنا یقیناً دنیا اور آخرت میں کامیابی کی ضمانت ہے حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ یَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَیَضَعُ بِهٖ اٰخَرِیْنَ (صحیح مسلم) ترجمہ: (اللہ تعالیٰ اس کتاب پر عمل کرنے والی اقوام کو سربلند کرے گا اور اس پر عمل نہ کرنے والوں کو ذلیل و پست کرے گا۔) حضرت عمرؓ کی زندگی کو قرآن نے یوں بدلا کہ وہ ایک بین الاقوامی شخصیت بن گئے انہی کے ہاتھوں قیصر و کسریٰ کو اپنے تاج و تخت سے محروم ہونا پڑا۔ مسلمان اس کتاب کی تعلیمات پر عمل کرنے کی وجہ سے پوری دنیا پر حکومت کرتے نظر آتے ہیں جب کہ اس کی تعلیمات سے روگردانی ذلت و خواری کا سبب ہے۔ علامہ اقبال نے کہا تھا:

وہ مُعَزَّز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

گمراہی سے بچاؤ کا دوسرا ذریعہ: اس حدیث میں حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو گمراہی سے بچنے کا دوسرا ذریعہ اپنی سنت اور حدیث کی حفاظت کو قرار دیا جبکہ سنت سے مراد حضور نبی کریم ﷺ کے اعمال و افعال ہیں آپ ﷺ کے ارشادات بھی سنت میں شامل ہیں آپ ﷺ کی سنت اور احادیث اسلامی فقہ کا دوسرا بڑا ماخذ ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا اور آپ ﷺ کی ذات کو مسلمانوں کے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیا چنانچہ ارشاد فرمایا:
﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [سورہ الاحزاب: ۲۱] (ترجمہ: تحقیق تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔

گویا آپ ﷺ کی زندگی اور ارشادات قرآن مجید کی تفسیر ہیں جبکہ حدیث نبوی میں ایسا کوئی بیان نہیں ہے جس کی بنیاد قرآن میں نہ ہو۔ گویا پورا دین قرآن و سنت کا مجموعہ ہے۔ اگر حدیث اور سنت کا انکار کیا جائے تو قرآن کو ہرگز ہرگز سمجھا نہیں جاسکتا۔ مثال کے طور پر قرآن میں نماز قائم کرنے کا حکم ہے لیکن کتنی رکعات اور کیسے پڑھیں اس کا بیان نہیں ہے اس کی وضاحت حدیث اور سنت رسول ﷺ سے ہی ہوتی ہے اسی طرح دیگر ارکان اسلام زکوٰۃ اور حج ہیں جن کی مکمل تفصیلات صرف اور صرف حدیث رسول ﷺ کے ذریعے سے ہی معلوم ہوتی ہیں۔ گویا قرآن مجید اسلام کے اصولوں اور تعلیمات کا مجموعہ ہے جبکہ احادیثِ نبوی ان اصولوں اور تعلیمات کی مکمل تفسیر ہیں اس لیے ہر آسمانی کتاب کے ساتھ رسول کا آنا لازمی ہے۔

سنت (حدیث) کا انکار فتنہ ہے: فقط قرآن ہی کو اسلام کا ماخذ سمجھنا اور سنت کا انکار

کرنا بہت بڑا فتنہ ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا: ﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ [سورہ النساء: ٦٥] (آپ کے رب کی قسم ہے یہ اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے تمام جھگڑوں میں آپ کو حَکَمْ (ثالث) تسلیم نہ کر لیں)۔

ایک حدیث میں حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ" (ترجمہ: تم پر میری اور میرے ہدایت یافتہ، ہدایت دہندہ خلفاء کی سنت واجب ہے اسے مضبوطی سے تھامے رکھو اور داڑھوں سے مضبوط پکڑو)۔ چنانچہ آج پوری امت مسلمہ کے لیے زوال و پستی سے نکلنے کا واحد ذریعہ قرآن و سنت پر عمل پیرا ہونے میں ہی ہے اور انہی پر عمل کر کے گمراہی سے بچا جا سکتا ہے جبکہ حضور ﷺ کی طرف سے قرآن و سنت پر عمل کرنے والوں کے لیے گمراہ نہ ہونے کی ضمانت فراہم کی گئی ہے۔

حدیث نمبر ۳ — ارکانِ اسلام

عَنْ	ابن عمر رضي الله عنهما	قَالَ	قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ
سے (روایت)	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما	اس نے کہا	حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

بُنِيَ	الإِسْلَامُ	عَلٰى	خَمْسٍ	شَهَادَةِ
بنیاد رکھی گئی	اسلام کی	اوپر	پانچ باتوں کے	گواہی (دینا)

اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر رکھی گئی ہے۔ اس بات کی گواہی دینا

اَنْ	لَا اِلٰهَ	اِلَّا	اللّٰهُ	وَ اَنَّ	مُحَمَّدًا
یہ کہ	نہیں کوئی معبود	سوائے	اللہ تعالیٰ کے	اور بے شک	محمد ﷺ

کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بے شک محمد ﷺ

رَّسُوْلُ اللّٰهِ	وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ	وَ اِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ
اللہ کے رسول ہیں	اور نماز کا قائم کرنا	اور زکوٰۃ ادا کرنا

اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور نماز کا قائم کرنا اور زکوٰۃ کا ادا کرنا

وَالْحَجِّ	وَ صَوْمِ رَمَضَانَ
اور حج کرنا	اور رمضان کے روزے رکھنا

اور (بیت اللہ) کا حج کرنا اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا

(متفق علیہ)

تشریح

ارکان اسلام کی تعریف: درج بالا حدیث میں جن پانچ باتوں کو اسلام کی بنیاد ارشاد فرمایا ان کو اصطلاح میں ارکانِ خمسہ یعنی اسلام کے پانچ ارکان کہا جاتا ہے جو یہ ہیں:

۱- توحید و رسالت محمدیؐ کی گواہی دینا
۲- نماز پڑھنا
۳- زکوٰۃ دینا
۴- حج بیت اللہ کرنا
۵- رمضان کے روزے رکھنا

انہی پانچ ارکان کو حضور ﷺ نے حدیث جبریل میں بھی ذکر فرمایا ہے اور یہی ارکان اسلامی تہذیب و تمدن کے عناصر ہیں۔

شہادت توحید و رسالت: دین اسلام کا پہلا رکن توحید و رسالت کی گواہی دینا ہے یعنی ایک مسلمان پر یہ لازم ہے کہ زبان سے اقرار کرتے ہوئے اور دل سے اس کی تصدیق کرتے ہوئے یہ گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور صرف وہی بندگی کے لائق ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اس گواہی کے الفاظ کو کلمہ شہادت کہا جاتا ہے جو یہ ہے: "اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ" (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں)۔

کلمہ شہادت کی حقیقی روح: صرف زبانی کلمہ پڑھ لینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ زبان اور دل کا باہم مل کر گواہی دینا ضروری ہے زبانی گواہی کے ساتھ دل کی گواہی بھی ضروری ہے کیونکہ زبانی اقرار کوئی معنی نہیں رکھتا۔ علامہ اقبال نے کہا تھا:

زبان سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

نماز (دوسرا رکن)

ارکان اسلام میں دوسرا رکن نماز ہے۔ صلوٰۃ عربی میں نماز، دعا، رحمت اور درود کو کہتے ہیں۔

صلوٰۃ کی اصطلاحی تعریف اور اقامت صلوٰۃ: دین اسلام میں صلوۃ کا مطلب ایک ایسی عبادت ہے جسے حضور ﷺ نے خاص طریقے سے ادا کیا اور جسے ہر مسلمان دن رات میں پانچ مرتبہ ادا کرنے کا پابند ہے۔ قرآن میں ارشاد فرمایا: وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (اور تم نماز قائم کرو) اقامت صلوۃ سے مراد یہ ہے کہ نماز کو پورے قواعد و ضوابط اور شرائط و آداب کے ساتھ بر وقت با جماعت باقاعدگی سے ادا کرنا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ (تم نماز ادا کرو جس طرح تم مجھے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہو) چنانچہ حضور ﷺ کو صحابہ نے نماز پڑھتے دیکھا اور اس طرح مسلمانوں کے متواتر

عمل سے نماز ہم تک پہنچی اور اسی طرح قیامت تک پڑھی جاتی رہے گی۔

قرآن و حدیث میں نماز کی اہمیت: قرآن و حدیث میں جا بجا نماز قائم کرنے پر زور دیا گیا۔ ذیل میں چند قرآنی آیات اور احادیث نبوی کو درج کیا جاتا ہے جن سے نماز کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے:

نمازکے بارے میں قرآنی احکام: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ [سورۃ الروم: ۳۱] (تم نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ بن جاؤ) ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ [البقرہ: ۲۳۸] (تم اپنی نمازوں کی حفاظت کرو خاص کر درمیانی نماز کی) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا:﴿ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾ [سورہ طٰہٰ: ۱۴] (میری یاد کے لیے نماز ادا کیا کر) جب کہ حضور نبی کریم ﷺ کو حکم دیا:﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ [سورہ الحجر: ۹۹] (اور آخری دم تک اپنے رب کی عبادت میں رہو)۔

نماز کے بارے احادیث میں احکام: حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَاصَلٰوةَ لَهٗ" (جس کی نماز نہیں اس کا ایمان نہیں) گویا ایمان کے لیے نماز ضروری ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: "مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ" (جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی اس نے (گویا) کفر کیا۔ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: "اَلصَّلٰوةُ عِمَادُ الدِّيْنِ فَمَنْ اَقَامَهَا فَقَدْ اَقَامَ الدِّيْنَ وَمَنْ هَدَمَهَا فَقَدْ هَدَمَ الدِّيْنَ" (نماز دین کا ستون ہے پس جس نے اسے قائم کیا اس نے دین کو قائم کیا اور جس نے اسے گرا دیا اس نے پورے دین کو گرایا دیا)۔ نیز فرمایا کہ "اِنَّ اَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الصَّلٰوةُ" (قیامت کے دن سب پہلے بندے سے نماز کے بارے میں سوال کیا جائے گا)۔

فوائد نماز: فرد کی تعمیر سیرت اور معاشرہ کی تشکیل میں نماز کا بڑا اہم کردار ہے اسی سے مسلمانوں میں اجتماعیت کا تصور پیدا ہوتا ہے، یہی نماز ہمیں نظم و ضبط سکھاتی ہے اسی سے مسلمانوں کے اندر تنظیم سازی کی تربیت ملتی ہے جبکہ اس سے ہر قسم کے انتشار کا خاتمہ ہوتا ہے۔ نماز ہمیں اطاعت امیر اور مساوات کا درس دیتی ہے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

علاوہ ازیں نماز کے فوائد میں پابندئ وقت، صحت و تندرستی، طہارت و پاکیزگی اور مرکز اسلام کعبۃ اللہ سے وابستگی شامل ہیں۔

زکوٰۃ (تیسرا رکن)

زکوٰۃ کا لغوی معنی: زکوٰۃ عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کا معنی پاک ہونا، پاکیزگی، طہارت اور پاک صاف ہونے کے ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہے: ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا﴾ [سورہ الشمس:۹] (وہ فلاح پا گیا جس نے اپنے آپ کو پاک صاف کرلیا) زکوٰۃ کا ایک اور لغوی معنی نشو ونما بھی ہے۔

زکوٰۃ کا اصطلاحی معنی: ایک خاص مقدار سے زائد رکھے ہوئے مال پر سال گزرنے کے بعد ایک مقررہ حصہ شریعت کے مقرر کردہ مصارف پر خرچ کرنا زکوٰۃ کہلاتا ہے۔

زکوٰۃ کی فرضیت و اہمیت: ارکان اسلام میں نماز کے بعد اہم ترین رکن زکوٰۃ ہے۔ قرآن کریم میں بیاسی (۸۲) مقامات پر نماز اور زکوٰۃ کا اکٹھا حکم نازل ہوا۔ زکوٰۃ کی اہمیت کو سمجھنے کیلئے اس امر سے انداز لگایا جاسکتا ہے کہ سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد جو فتنے پیدا ہوئے ان میں منکرین زکوٰۃ کا فتنہ نازک ترین تھا جس کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بڑی جرأت ایمانی سے فرو کیا اور منکرین زکوٰۃ کا فتنہ ختم کر دیا اور فرمایا جو کوئی نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا میں اس کے خلاف جہاد کروں گا۔ قرآن کی رو سے اسلامی حکومت کی چار بڑی ذمہ داریاں ہیں۔

۱- نماز قائم کروانا، ۲- زکوٰۃ کی ادائیگی کروانا،
۳- نیکی کا حکم دینا، ۴- برائی، فحاشی وعریانی کو روکنا

۱- زکوٰۃ دین اسلام کا رکن ہے۔ ۲- قرآن مجید میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر ۸۲ مرتبہ آیا ہے۔ ۳- اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ اس کا حکم دیا ہے۔ ۴- زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کیلئے بہت بڑا عذاب ہے۔ ۵- زکوٰۃ دینے سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ مال بڑھتا ہے۔ ۶- زکوٰۃ ادا کرنے والے اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جاتے ہیں۔ ۷- زکوٰۃ نہ دینے والوں کا مال برباد اور انجام خراب ہوگا۔ ۸- زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے یعنی یہ کہے کہ میرے اوپر اللہ کی طرف سے کوئی زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ یہ کہنے سے اسی وقت کافر ہو جائے گا اور اس کے سابقہ تمام نیک اعمال ختم ہو جائیں۔ ۹- زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر کرنے والا گناہگار ہے اور اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

زکوٰۃ فرض ہونے کی شرائط: زکوٰۃ فرض ہونے کی چند شرطیں ہیں: ۱- مسلمان ہونا۔ ۲- بالغ ہونا۔ ۳- عاقل یعنی عقلمند ہونا، مجنون پر زکوٰۃ فرض نہیں، ۴- آزاد ہونا، غلام پر زکوٰۃ

فرض نہیں۔ ۵-مال کا نصاب کے برابر ہونا۔ ۶-جس شخص پر زکوٰۃ فرض ہے اس کا اس مال کا مالک ہونا۔ ۷-مال کا قرض سے فارغ ہونا۔ ۸- مال کا حاجتِ اَصلیہ (اصل ضروریات زندگی) سے فارغ ہونا اور اس پر ایک پورا سال گزر جانا۔

نصاب زکوٰۃ: جن اموال میں زکوٰۃ فرض ہے شریعت نے ان کی خاص خاص مقدار مقرر کر دی ہے کہ جب اتنی اتنی مقدار کسی کے پاس پوری ہو جائے تو زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے اس مقدار کو نصاب کہتے ہیں۔

۱- سونے اور چاندی کا نصاب: سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے (جو کہ جدید اعشاری نظام میں 87.47 گرام بنتا ہے) ہے جبکہ چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولے (جو کہ جدید اعشاری نظام میں 612.35 گرام بنتا ہے) مقرر ہے۔

۳-روپے پیسے کا نصاب: روپے اور پیسے کا حساب لگا کر پہلے چاندی یا سونے کی قیمت بنائیں پھر اس قیمت پر زکوٰۃ ادا کریں۔ نصاب خواہ سونے کا ہو یا چاندی کا یا روپے کا اس کا چالیسواں حصہ دینا فرض ہے۔ یعنی ایک سو روپے پر اڑھائی روپے دینا فرض ہے۔

مَصَارِف زکوٰۃ: مصارف مَصرَف کی جمع ہے۔ اس کا معنی ''زکوٰۃ خرچ کرنے کی جگہ'' ہے۔ یعنی زکوٰۃ کا مال جہاں جہاں خرچ کیا جاسکتا ہے انہیں مصارف زکوٰۃ کہتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں مستحقین زکوٰۃ کو مصارف زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِی الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ [سورہ التوبہ:۶۰] (زکوٰۃ غریبوں، مسکینوں، محکمہ زکوٰۃ میں کام کرنے والوں اور ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنا مقصود ہو، اور گردن چھڑانے، قرضہ ادا کرنے والوں، اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لیے اللہ کی طرف سے (مقررہ) فریضہ ہے اور اللہ بہتر جاننے والا اور حکمت والا ہے۔'' اس آیت مبارکہ کی رُو سے آٹھ مصارف زکوٰۃ کی نشاندہی ہوتی ہے۔ جب کہ درج ذیل لوگوں کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی:

۱- مالدار ۲- ماں باپ ۳- دادا، دادی، نانا، نانی، ۴- بیٹا، بیٹی پوتا، پوتی، نواسا نواسی، ۵-کافر ۶-ان کے علاوہ سید اور بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

نیز درج ذیل کاموں میں زکوٰۃ نہیں لگائی جاسکتی: ۱-میت کے کفن دفن کیلئے یا میت کا قرض ادا کرنا۔ ۲-مسجد کی تعمیر، فرش، پانی وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں لگائی جاسکتی۔ ان سب کی وجہ سے یہ بیان کی گئی کہ ان کاموں میں زکوٰۃ کی رقم کا کوئی مالک نہیں ہوتا۔ زکوٰۃ کیلئے مالک بنانا ضروری ہے یعنی وہ رقم کسی شخص کے قبضے میں جانی چاہیے۔

معاشی نظام میں زکوٰۃ کی حیثیت

۱- گردشِ دولت: دین اسلام کے نظام زکوٰۃ کی خوبی یہ ہے کہ دولت چند افراد کے ہاتھ میں نہیں رہتی بلکہ گردش میں رہتی ہے۔ وہ دولت جسے انسان اپنے علاوہ کسی دوسرے کے پاس نہیں جانے دیتا اور جس سے انسان کو محبت ہوتی ہے۔ نظام زکوٰۃ اس سے دولت خرچ کروانے کا ایک سبب بن جاتا ہے۔

۲- سودی نظام کا خاتمہ: اگر اسلامی ریاست صحیح طور پر نظام زکوٰۃ نافذ کر دے تو موجودہ سودی نظام کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور معاشرے کی یہ ناہمواری کہ امیر امیر ترین ہے اور غریب غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کا حل صرف نظام زکوٰۃ ہے۔ پاکستان میں بھی نظام زکوٰۃ کو صحیح بنیادوں پر قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ جس سے دہشت گردی میں کمی آئے گی۔ لوگ بھوک کی وجہ سے ایمان اور غیرت نیلام نہیں کریں گے خودکشی کی مذمت ہوگی بے روزگاری کم ہوگی اور جرائم میں کمی واقع ہوگی۔

زکوٰۃ کے فوائد وثمرات

۱- رضائے الٰہی کا حصول: زکوٰۃ کی ادائیگی سے خدا کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ اللہ کے حکم کی پیروی کی جائے تو اللہ تعالیٰ کی ذات بندے سے راضی ہو جاتی ہے۔

۲- تزکیۂ نفس: زکوٰۃ دراصل اِنفاق فی سبیل اللہ ہے۔ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے انسان کی روح پاک ہوتی ہے اور گناہ معاف ہوتے ہیں۔ جب تک انسان اپنی جان مال کو خرچ نہیں کرتا اللہ کا محبوب نہیں بن سکتا۔ مال خرچ کرنے سے تزکیۂ نفسِ ہوتا ہے جب تک مال خرچ نہ کیا جائے تزکیہ نفس حاصل نہیں ہو سکتا۔

۳- دعائیں قبول ہوتی ہیں: حلال مال سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کی دعائیں قبول ہوتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ حلال مال کے علاوہ قبول نہیں کرتے۔ حضور ﷺ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّبًا اللہ تعالیٰ پاک ہے پاک چیزوں کو ہی قبول کرتا ہے۔

حج (چوتھا رکن)

حج کا معنی اور مفہوم: حج عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی ارادہ کرنا، قصد کرنا اور دین اسلام کی اصطلاح میں مقررہ ایام میں عبادت کی نیت سے مکہ مکرمہ میں بیت اللہ شریف کا طواف اور مناسک حج ادا کرنا حج کہلاتا ہے۔

حج کی فرضیت: حج کی فرضیت یعنی حج کا فرض ہونا اس آیت سے ثابت ہے۔ ﴿وَلِلّٰهِ

عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ [سورہ ال عمران: ۹۷] (اور اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر یہ حق ہے کہ جو بھی بیت اللہ شریف تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے)۔ استطاعت سے مراد یہ ہے کہ حاجی کے پاس اتنی رقم ہو کہ وہ حج کے راستے کا سامان لے سکتا ہو اور اپنے اہل و عیال کے لیے بھی مال پیچھے چھوڑ سکتا ہو، صحت مند ہو، آزاد ہو، اور راستہ پر امن ہو۔ چنانچہ پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے صاحبان استطاعت لوگوں کے لیے حج کرنا لازمی قرار دے دیا ہے۔

فلسفۂ حج: حج ایک ایسی عبادت ہے۔ جس کا تصور دوسری عبادات سے مختلف ہے کیونکہ یہ عبادت بیک وقت کئی عبادات کا مجموعہ ہے۔ اور مالی اور بدنی قربانی سے لے کر دیگر کئی قربانیوں پر مشتمل یہ عبادت انسان کو گناہوں سے یوں پاک کر دیتی ہے جیسے وہ ابھی پیدا ہوا ہے۔ نیز اس سے گناہ یوں دھل جاتے ہیں جیسے تیز سیلاب اپنے راستے میں آنے والے ہر خس و خاشاک کو بہا کر لے جاتا ہے۔ گویا اس عبادت کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی بخشش کا سامان کرنا چاہتا ہے۔

۱- حضور ﷺ کا حکم: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوا﴾ (اے لوگو تم پر حج فرض کیا گیا ہے پس تم حج کرو)۔

۲- حج کا اجر: آپ ﷺ نے فرمایا: "اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ" (مسلم)

ترجمہ: حج مبرور کی جزا سوائے جنت کے اور کچھ نہیں۔

۳- گناہوں کی معافی: ایک اور حدیث میں فرمایا: مَنْ حَجَّ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَمَا وَلَدَتْهُ أُمُّهُ [بخاری] (جس نے حج اس طرح ادا کیا کہ جس میں گناہ اور برائیوں سے بچا رہا وہ ایسے پاک و صاف ہو کر واپس لوٹے گا جیسے وہ پیدائش کے وقت گناہوں سے پاک پیدا ہوا تھا۔

حج کے انفرادی اور اجتماعی فوائد و ثمرات

انفرادی فوائد: ۱- قرب الٰہی کا حصول: حج کا اصل فائدہ یاد الٰہی اور اللہ تعالیٰ کا قرب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابندی سے بندے گناہوں سے پاک و صاف ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔

۲- عربی زبان سے واقفیت: حج کی وجہ سے مسلمانوں کو اپنی دینی زبان عربی بولنے اور سمجھنے کا موقعہ ملتا ہے جس سے عربی کی واقفیت حاصل ہوتی ہے۔

۳- سادگی کی تعلیم: حاجی احرام باندھتا ہے۔ جو دو اَن سلی چادروں پر مشتمل ہوتا

ہے۔ جس سے یہ تعلیم حاصل ہوتی ہے کہ انسان کو سادہ زندگی بسر کرنی چاہیے۔

۴۔ گناہوں کی بخشش ہونا: حاجی جب حج ادا کر لیتا ہے تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے اس کی ماں نے جب اسے جنا تھا تو اس وقت وہ معصوم تھا اس کے کوئی گناہ نہ تھے اس طرح حاجی کے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ صغیرہ گناہوں کی بھی معافی ہو جاتی ہے اور کبیرہ گناہوں سے بھی حاجی توبہ کر لیتا ہے تو وہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔

اجتماعی فوائد: ۱۔ مساوات کا درس: تمام حجاج کرام ایک ہی لباس میں اکٹھے ہوتے ہیں۔ جس میں پوری دنیا سے ہر نسل کا انسان اکٹھا ہوتا ہے۔ گورے اور کالے کی کوئی برتری نہیں ہوتی اور نہ ہی برادری و ملک کی کوئی تخصیص نہیں ہوتی۔ امیر و غریب ہر طبقہ کے لوگ ایک ساتھ ارکانِ حج ادا کرتے ہیں۔

۲۔ اخوت: تمام مسلمان حج کے موقعہ پر اخوت کی ایک مثال نظر آتے ہیں۔ تمام لوگ ایک ہی طرح کی عبادات ایک وقت میں ادا کرتے ہیں اور اسلامی اور عالمی بھائی چارے کی علامت نظر آتے ہیں۔

۳۔ بین الاقوامی تجارت: حج کے موقعہ پر بین الاقوامی تجارت کو فروغ حاصل ہوتا ہے، مختلف ممالک کے لوگ مختلف اشیاء کی خرید و فروخت کرتے ہیں۔ جس سے تمام اسلامی ممالک کو فائدہ ہوتا ہے اور تجارت کو فروغ ملتا ہے۔

۴۔ شہر مکہ کی عظمت کا اظہار: دنیا میں شہر مکہ کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ عالمی میڈیا مکہ کے حاجیوں کی کوریج کرتا ہے جس سے اس شہر کی عظمت واضح ہوتی ہے۔

۵۔ دعوت و تبلیغ کی عملی تربیت: حج دعوت و تبلیغ کا موقعہ فراہم کرتا ہے اور حجاجِ کرام عملی صورت میں اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا نظر آتے ہیں۔

صوم (روزہ)...... پانچواں رکن

مفہوم: صَوم کے لغوی معنی رکنے کے ہیں جبکہ شرعی اصطلاح میں روزے سے مراد صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور مباشرت سے رکنا روزہ کہلاتا ہے۔

روزے کا مقصد: قرآن مجید میں فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ [سورۃ البقرۃ: ۱۸۳] (اے ایمان والوں تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ)۔ روزے کا مقصد تقویٰ پیدا کرنا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے

اندر ایسی صلاحیت پیدا ہو جائے کہ وہ گناہوں سے بچ جائے اور نیکیوں کی طرف راغب ہو جائے۔

روزے کی فرضیت: احادیث کے مطابق روزے کی فرضیت کا حکم ۲ ہجری میں تحویل قبلہ یعنی بیت المقدس سے بدل کر کعبۃ اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم نازل ہونے کے چند دنوں بعد نازل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ (پس تم میں سے جو ماہ رمضان کو پائے وہ ضرور اس کے روزے رکھے۔ [سورہ البقرہ:۱۸۵]

روزے کی اہمیت: یہود دس محرم الحرام (عاشورہ) کا روزہ رکھتے تھے اور چاند کے حساب سے ہر مہینے کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخوں کے تین روزے کچھ سابقہ امتوں پر فرض تھے۔ سابقہ امتوں کی طرح امت محمدیہ پر رمضان کے روزے رکھنا فرض کیے گئے جن کا مقصد امت مسلمہ کو تقویٰ اور پرہیز گاری عطا کرنا ہے۔

عملی زندگی پر روزے کے فوائد وثمرات

۱- تقویٰ حاصل ہونا: قرآن مجید میں فرمایا: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (تاکہ تم متقی بن جاؤ)۔ روزے رکھنے سے انسان کے اندر تقویٰ اور پرہیز گاری پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنی ایسی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ انسان گناہوں سے دور اور نیکیوں کے قریب ہو جاتا ہے۔

۲- صبر وشکر: روزے رکھنے سے انسان کے اندر صبر اور شکر کی کیفیات پیدا ہوتی ہیں، مصیبتوں اور پریشانیوں پر صبر کرنا سیکھ جاتا ہے اور ہر تنگی اور آزمائش کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

۳- جذبہ ایثار وقربانی: روزہ کی حالت میں انسان بھوک اور پیاس برداشت کرتا ہے۔ جس سے اس کے اندر دوسروں کے لیے قربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ دوسروں کی تکالیف کو سمجھنے کا سبق ملتا ہے۔ اس طرح غریبوں اور محتاجوں کے لیے خدمت کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

۴- روحانیت حاصل ہونا: روزے کے ذریعے سے انسان کے اندر نورانی کیفیات پیدا ہوتی ہیں۔ جس سے اس کے دل اور قلب سے گناہوں کی سیاہی دور ہوتی ہے۔ انسانی روح کو سکون حاصل ہوتا ہے۔

حدیث نمبر۴ — اولاد کو نماز کی تلقین اور حکم

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ	شُبْرُمَةَ بن مَعْبَدٍ رضی اللہ عنہ	عن
فرمایا رسول کریم ﷺ نے	شبرمہ بن معبد رضی اللہ عنہ	سے روایت

حضرت شبرمہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بَلَغَ	اِذَا	الصَّلٰوۃَ	الصِّبْیَانَ	مُرُوْا
پہنچیں (ہو جائیں)	جب	نماز (کا)	اپنے (بچوں کو)	تم حکم دو

جب بچے سات کی عمر کو پہنچ جائیں تو انہیں نماز (ادا کرنے کے بارے) تلقین

عَشَرَ	بَلَغَ	وَ اِذَا	سِنِیْنَ	سَبْعَ
دس	پہنچیں (ہو جائیں)	اور جب	سالوں	سات

کرو اور جب وہ دس سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو

اَخْرَجَہٗ	عَلَیْھَا	فَاضْرِبُوا	سِنِیْنَ
اس (حدیث) کو بیان کیا	(نماز) نہ پڑھنے پر	پس انہیں مارو	سالوں (کی عمر کو)

تو انہیں نماز نہ پڑھنے پر مارو۔ اس حدیث کو امام ابو داؤد اور امام

الصَّبِیَّ	عَلِّمُوا	وَ لَفْظُہٗ	ابو داؤد و الترمذی
بچے کو	سکھاؤ	اور امام بخاری کے الفاظ میں	امام ابو داؤد اور امام ترمذی نے

ترمذی نے روایت کیا۔ جب کہ امام بخاری کے الفاظ یہ ہیں: بچے کو سات

عَلَیْھَا	وَاضْرِبُوا	سِنِیْنَ	سَبْعِ	ابن	الصَّلٰوۃَ
نماز کے بارے	اور تم مارو	سالوں (کا)	سات	بچہ	نماز

سال کی عمر میں نماز سکھاؤ اور جب وہ دس سال کا ہو جائے تو اُسے

عَشَرِ	ابنَ
دس سال (کا)	لڑکا

نماز نہ پڑھنے پر مارو

تشریح

اس حدیث کا موضوع اولاد کی دینی تربیت ہے جس میں حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو بطور خاص اولاد کو نماز سکھانے کی تربیت کے حوالے سے احکام دیئے ہیں۔

اس حدیث کو دو حصے ہیں: I- سات سال کی عمر میں نماز کی تلقین و ترغیب

II- دس سال کی عمر میں سختی اور تادیب کے ذریعے نماز کا حکم

پہلا مرحلہ: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے بچے سات سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو انہیں نماز کا شوق دلاؤ اور نماز کی ادائیگی کی ترغیب دو۔ چونکہ بچے سات سال کی عمر میں کچھ سمجھنے کے قابل ہوتے ہیں اس لیے انہیں اسی عمر میں فرض نماز کی ادائیگی کا شوق دلاؤ

اور یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب والدین خود اللہ تعالیٰ کے حضور دن میں پانچ مرتبہ سر جھکاتے ہوں کیونکہ اولاد کو ہر نیک عمل کی ترغیب اپنے والدین سے ہی ملتی ہے۔

شریعت اسلامیہ کے احکامات میں تدریج کا پہلو رکھا گیا ہے تمام احکام میں پہلے ذرا آسانی اور نرمی اور بعد میں سختی اور حتمی حکم دیا جاتا ہے اور یہی بات دین فطرت کا حسن ہے۔ اگر تمام احکام میں براہ راست فوری طور پر کسی عادت کو ترک کرنے کا حکم دیا جاتا تو انسانی فطرت اسے قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوتی جیسا کہ شراب اور جوئے کی حرمت والے احکام میں تدریجاً احکام آتے رہے۔ پہلے ان کو نفع ونقصان کے بارے میں بتایا گیا پھر یہ بتایا کہ ان میں نفع کم ہے اور نقصان زیادہ ہے اور جب طبیعتیں مائل ہو گئیں تو ان کو مکمل طور پر حرام قرار دے دیا گیا۔

<u>دوسرا مرحلہ:</u> اس حدیث میں حضورﷺ نے دوسرے مرحلہ میں والدین کو ارشاد فرمایا کہ جب تمہاری اولاد دس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو انہیں سختی سے نماز کا پابند بناؤ اور اگر وہ نماز نہ پڑھیں تو انہیں مار بھی سکتے ہو۔ گویا نماز ایک ایسا فریضہ ہے جس پر عمل کروانے کے لیے حضورﷺ نے والدین کو سختی کرنے اور اپنی اولاد کو مارنے کا بھی حکم دیا حالانکہ عمومی طور پر بچوں کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آنے کے احکام ہیں ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا: "مَنْ لَمْ يَرحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا فَلَيْسَ مِنَّا" (جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور بڑوں کا احترام نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے)۔

اولاد کی تربیت کے حوالے سے والدین کے بے شمار فرائض ہیں انہی میں سے ایک اہم فریضہ اولاد کی دینی تربیت ہے اور اس تربیت میں اہم ترین نماز کی پابندی ہے کیونکہ نماز ہی وہ فریضہ ہے جو بندوں کو ہر روز پانچ مرتبہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبادت کی یاد تازہ کرواتا ہے۔ اس لیے اس معاملے میں بلوغت کی عمر کے قریب پہنچنے والے بچوں کو نماز نہ پڑھنے پر سزا دینے کا حکم دیا تاکہ جب وہ آگے بلوغت کی عمر کو پہنچ جائیں تو نماز کے عادی ہو جائیں۔

آج جب ہم اپنے مسلم معاشرہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں نوے فیصد گھرانے ایسے ملتے ہیں جن میں اولاد تو درکنار والدین میں بھی نماز پڑھنے کوئی رواج نہیں ہے بالخصوص خواتین کے معاملے میں تو یوں لگتا ہے جیسے ان پر تو نماز فرض ہی نہیں ہے۔ جب ماں باپ ہی نماز کے عادی نہیں ہوں گے تو وہ اپنی اولاد کو نماز کی تربیت اور حکم کیسے دیں گے؟ کچھ والدین ساتویں دن نماز جمعہ ادا کر کے سمجھ لیتے ہیں کہ بس فرض نماز کی ادائیگی ہو گئی اسی طرح رمضان المبارک میں نماز کی پابندی کر کے باقی گیارہ مہینے اس فریضہ سے سبکدوش ہو گئے یہ ہرگز ہرگز اسلام کا منشا نہیں ہے جیسا کہ ایسے لوگوں کے لیے مثل مشہور

ہے کہ "کچھ نمازی ہوتے ہیں سات کے، کچھ تین سو ساٹھ کے اور کچھ کاٹھ کے" یعنی ساتویں دن فقط نماز جمعہ پڑھ لیتے ہیں اور کچھ تین سو ساٹھ دنوں بعد نماز عید ادا کر لیتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جن کے مرنے پر ان کی نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے۔ نماز ادا نہ کرنے والوں کے لیے قرآن حدیث میں بے شمار وعیدیں آئی ہیں۔ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز ہی کے متعلق باز پرس ہوگی۔

روز محشر چوں جاں گداز بود   اولین پُرسش نماز بود

حضور ﷺ نے ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ "مومن اور کافر کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز ہے۔" جبکہ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ "جس نے نماز کو قائم کیا اس نے پورے دین کو قائم کیا اور جس نے نماز کو ترک کیا اس نے پورے دین کو گرا دیا۔

خلاصہ کلام: چنانچہ ہمیں چاہیے کہ ہم خود بھی پابندی سے باجماعت نماز ادا کریں اور اپنی اولاد کو بھی نماز کا پابند بنائیں اسی میں ہماری دنیوی اور اخروی کامیابی ہے۔ اللہ کریم ہم سب کو اپنے حقوق و فرائض خاص طور پر نماز کو صحیح طور پر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حدیث نمبر۵   دین کی سمجھ انعام خداوندی ہے

عَنْ	مُعَاوِيَةَ رضی اللّٰہ عنہ	يَقُولُ	قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ
سے (روایت)	حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ	وہ کہتے ہیں	رسول کریم ﷺ نے فرمایا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

مَنْ	يُرِدِ	اللّٰهُ	بِهٖ	خَيْراً
جس (شخص)	ارادہ کرتا ہے	اللہ (تعالیٰ)	کے ساتھ	بھلائی

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے

يُفَقِّهْهُ	فِي	الدِّيْنِ
اسے سمجھ عطا کرتا ہے	میں	دین (کے علم)

دین (کے علم) کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔

تشریح

حدیث کا موضوع: اس حدیث کا موضوع "علم دین کی اہمیت و فضیلت" ہے۔

تَفَقُّہ فی الدّین کا مفہوم: دینی علوم میں مہارت اور کمال حاصل کرنا تفقہ فی الدین کہلاتا ہے۔ اس حدیث میں حضور نبی کریم ﷺ نے دینی علوم میں بصیرت اور کمال حاصل کرنے

والے علماء وفضلاء کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے منتخب بندے ہوتے ہیں اور ان کو دینی علوم کا عطا کیا جانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام اور احسان ہوتا ہے کیوں کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے وہ اس کی مخلوق میں خاص ہو جاتا ہے۔ گویا اس حدیث میں جہاں آپ ﷺ نے علمائے دین کی فضیلت اجاگر فرمائی ہے وہاں علم دین کی شرافت وعظمت کو بیان فرمایا ہے۔ کیونکہ اسی علم کی بدولت وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب اور منتخب ہوئے ہیں۔

<u>دینی علوم کا حاصل کرنا حکم خداوندی ہے:</u> قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ باقاعدہ دینی علوم کو حاصل کریں اور اپنے دیگر مسلمانوں بھائیوں کو دینی احکام سکھائیں۔ چنانچہ سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۱۲۲ میں ارشاد فرمایا کہ ﴿ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ ﴾ (یہ تو ممکن نہیں ہے کہ تمام مومن (دینی علوم کے حصول کیلئے) نکل کھڑے ہوں البتہ یہ کیوں ممکن نہیں کہ ہر قبیلے (گروہ) میں سے چند افراد کا گروہ (دینی علوم کے حصول کے لیے) نکل کھڑا ہوتا کہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں۔ گویا امت مسلمہ کے تمام گروہوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے علاقے اور قبیلے کے چند افراد کو دینی علوم کے حصول کے لیے مخصوص کریں تا کہ وہ علم دین پر دسترس حاصل کر کے بقیہ لوگوں کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیں۔ قرآن و حدیث میں علم کی اہمیت وفضیلت کا اندازہ اگلی حدیث نمبر ۶ کی شرح میں ملاحظہ کریں۔

حدیث نمبر ۶ — علم کی اہمیت وفضیلت

عَنْ	أَبِي هُرَيْرَةَ	قَالَ	قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ	مَنْ
سے (روایت)	ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ	کہا	رسول کریم ﷺ نے فرمایا	جو شخص

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص

سَلَكَ	طَرِيْقًا	يَلْتَمِسُ	فِيْهِ	عِلْمًا	سَهَّلَ	اللّٰهُ
چلا	راستے پر	تلاش کرے	اس میں	علم	آسان کردے گا	اللہ تعالیٰ

علم کے حصول کی خاطر کسی راستے پر چلے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس وجہ

لَهٗ	بِهٖ	طَرِيْقًا	إِلَى	الْجَنَّةِ	وَمَا
اس کے لیے	اس کی وجہ سے	ایک راستہ	طرف	جنت کے	اور نہیں

سے جنت کی طرف ایک راستے کو آسان کر دے گا اور جب

اجْتَمَعَ	قَوْمٌ	فِي بَيْتٍ	مِنْ بُيُوتِ اللّٰهِ	يَتْلُوْنَ
اکٹھی ہوتی	کوئی قوم	کسی گھر میں	اللہ کے گھروں میں سے	وہ تلاوت کرتے ہیں

بھی کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر (مسجد) میں جمع ہو کر قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں

كِتَابَ اللّٰهِ	وَ يَتَدَارَسُوْنَهٗ	بَيْنَهُمْ	إِلَّا	نَزَلَتْ
قرآن کی	اور اس کو سکھاتے ہیں	آپس میں	مگر	اترتی ہے

اور آپس میں اس قرآن کو سمجھتے اور سکھاتے ہیں تو ان پر ایک سکون کی

عَلَيْهِمُ	السَّكِيْنَةُ	وَ غَشِيَتْهُمُ	الرَّحْمَةُ	وَ
ان پر	سکون	اور ان کو ڈھانپ لیتی ہے	رحمت الٰہی	اور

کیفیت نازل ہوتی ہے اور رحمت الٰہی ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور

حَفَّتْهُمُ	الْمَلَائِكَةُ	وَ ذَكَرَهُمُ	اللّٰهُ	فِيْمَنْ
ان کو گھیر لیتے ہیں	فرشتے	اور ان کو یاد کرتا ہے	اللہ تعالیٰ	ان میں

اللہ کے فرشتے ان کو اپنے حصار میں لے لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اپنے

عِنْدَهٗ	وَمَنْ	بَطَّأَ	بِهٖ	عَمَلُهٗ
جو اس کے پاس ہیں	اور جس کو	روک لے	اس سے	اس کے عمل

فرشتوں میں یاد فرماتے ہیں اور جس شخص کو اس کے اعمال (قربِ الٰہی)

(رواہ مسلم)

لَمْ يُسْرِعْ	بِهٖ	نَسَبُهٗ
نہیں جلدی کرے گا	اس سے	اس کا نسب نامہ

سے روک دیں تو اس کا عمدہ نسب نامہ اسے آگے نہیں لے جا سکتا

تشریح

یہ حدیث اپنے موضوعات کے اعتبار سے بڑی عظیم ہے کیونکہ اس میں حصول علم کی فضیلت کے ساتھ ساتھ طالب علم کے لیے بھی جنت میں داخلے کی بشارت دی گئی ہے نیز مساجد میں بیٹھ کر تلاوت قرآن کرنا اور قرآنی علوم کو سیکھنے سکھانے والوں کے لیے رحمت الٰہی کا مژدہ سنایا گیا ہے جبکہ آخر میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ کامیابی کا دار و مدار اعمال پر ہے نہ کہ عمدہ حسب نسب پر گویا اس حدیث کے تین حصے ہیں جن پر ذیل میں الگ الگ بحث کی جاتی ہے:

ا۔ <u>حصولِ علم کی فضیلت</u>: اس حدیث میں سب سے پہلے آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا

کہ جو شخص علم کے حصول کے لیے نکلے گا تو اس کا وہ پورا سفر خواہ پیدل ہو یا سواری پر یا کسی اور ذریعے یعنی بحری، ہوائی جہاز کے ذریعے سے ہو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس طالب علم کے لیے جنت کی راہوں میں سے ایک راستہ آسان کر دے گا۔ گویا جس کے لیے جنت کی راہ کو آسان کر دیا جائے تو اس کے لیے وہاں داخلہ بھی آسان ہوگا اور یہ اتنا بڑا انعام و احسان ہے کہ قیامت کے دن اس سے بڑا اور کوئی انعام نہ ہوگا۔ قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ "فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا" (جو جہنم سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی)۔

اسی طرح ایک روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا تھا کہ "لوہے کا ڈنڈا اور لوہے کے جوتے پہن کر علم کے حصول کے لیے نکلو اور اس وقت تک حصول علم میں مگن رہو جب تک وہ لوہے کے جوتے اور ڈنڈا ٹوٹ نہ جائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن میں آیا کہ انہوں نے علم کی باتیں سیکھنے کی اللہ کے بندے (حضرت خضر علیہ السلام) سے کہا کہ: ﴿هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ [سورہ الکہف:٦٦] (کیا میں آپ کے پیچھے پیچھے چل کر آسکتا ہوں تاکہ آپ مجھے وہ کچھ سکھا دیں جو اللہ نے آپ کو سکھایا ہے)۔

گویا حصول علم کے لیے سفر کرنا سنت انبیاء ہے اسی لیے متلاشیان علم کے لیے جنت کے راستے کو آسان فرمایا نیز یہ کہ قرآن و حدیث میں فضائل علم کو چند شرائط کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

<u>(الف) دین کا علم حاصل کرنا اور دوسروں کو سکھانا:</u> سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۱۲۲ ارشاد فرمایا کہ ﴿فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ﴾ (ان کے ہر گروہ میں سے چند افراد حصول علم کے لیے اور دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے لیے کیوں نہیں نکل کھڑے ہوئے تاکہ وہ علم حاصل کرنے کے بعد واپس اپنی اپنی قوم میں آ کر انہیں ڈرائیں (تبلیغ کریں)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "کیا میں تمہیں سب سے بڑے سخی کے بارے نہ بتاؤں کہ کون ہے۔ صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ضرور ارشاد فرمایئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بڑا سخی اللہ تعالیٰ ہے اور بنو آدم میں سب سے بڑا سخی میں ہوں اور اولاد آدم میں میرے بعد سب سے بڑا سخی وہ ہوگا جو علم حاصل کرے گا اور اسے آگے پھیلائے گا۔ قیامت کے دن اُسے ایک

پوری امت کی طرح اٹھایا جائے گا۔ (حالانکہ وہ فرد واحد ہوگا)

(ب) علم پر غرور نہ کرنا اور فضول بحث نہ کرنا: حدیث پاک میں آتا ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے چار مقاصد کے لیے علم حاصل کیا وہ جہنم میں جائے گا۔ (I) وہ اپنے علم کی وجہ سے علماء پر گھمنڈ کرے۔ (II) بے وقوف لوگوں سے بحث و تمحیص کرے۔ (III) علم کے ذریعے مال کمانا مقصد بنا لے۔ (IV) لوگوں کو علم کی وجہ سے اپنا گرویدہ بنانے کی کوشش کرے۔ (ابن ماجہ)

(ج) متلاشیان علم کو سکھانا: علم حاصل کر کے ان لوگوں کو سکھائے جو جاہل ہوں اور علم کو حاصل کرنے کی خواہش رکھتے ہوں چنانچہ جس نے علم سکھا کر کسی جاہل کو زندہ کیا گویا اس نے تمام انسانوں کو زندہ کر دیا۔

۲- مساجد میں تلاوت قرآن اور علوم قرآن کی تدریس: اس عمل کا رتبہ بہت بلند وبالا ہے اس حدیث میں آپ ﷺ نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکون نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت انہیں اپنے گھیرے میں لے لیتی ہے اور ایسے لوگوں کو یہ شرف بھی حاصل ہوتا ہے کہ رب ذوالجلال اپنے ان بندوں کا تذکرہ اپنے مقرب فرشتوں میں فرماتا ہے۔ اس سے بڑی شرافت اور کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خود توصیف بیان فرمائے۔

۳- اس حدیث کے آخری حصہ میں ارشاد فرمایا کہ کامیابی کا دارومدار کسی اونچے خاندان سے نسبت کا ہونا نہیں بلکہ نیک اعمال ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (تم میں سے اللہ کے ہاں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ پرہیز گار ہے)۔

حدیث نمبر ۷

جامع دعا

عَنْ	اَبِیْ هُرَیْرَةَ	یَقُوْلُ	كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ
سے (روایت)	حضرت ابو ہریرہؓ	وہ کہتے ہیں	رسول کریم ﷺ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

یَقُوْلُ	اَللّٰهُمَّ	اِنِّیْ	اَعُوْذُبِكَ
فرمایا کرتے تھے	اے اللہ	بے شک میں	تیری پناہ میں آتا ہوں

یہ (دعا) فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ! میں تجھ سے چار باتوں کی

مِنَ الْاَرْبَعِ	مِنْ عِلْمٍ	لَا یَنْفَعُ	وَمِنْ قَلْبٍ
چار باتوں سے	ایسے علم سے	جو نفع بخش نہ ہو	اور ایسے دل سے

پناہ مانگتا ہوں، ایسے علم سے جو نفع بخش نہ ہو، ایسے دل سے

عَنْ عُمُرِهٖ	فِيْمَا	اَفْنَاهُ	وَ عَنْ شَبَابِهٖ
اس کی عمر کے بارے میں	کن باتوں میں	اس نے گزاری	اور اس کی جوانی کے بارے میں

1-اس کی زندگی کے بارے کہ اس نے کن باتوں میں گزاری۔ 2-اس کی جوانی کے بارے میں

فِيْمَا اَبْلَاهُ	وَ عَنْ مَالِهٖ	مِنْ اَيْنَ	اِكْتَسَبَهٗ
کن امور میں پرانا کیا	اور اس کے مال کے بارے میں	کہاں سے	اس نے اسے کمایا

کہ اسے کن باتوں میں گزارا 3-اس کے مال کے بارے میں کہ اسے کہاں سے کمایا 4-اور اس مال کو

وَ فِيْمَا	اَنْفَقَهٗ	وَ مَاذَا	عَمِلَ	فِيْمَا عَلِمَ
اور کہاں	اسے خرچ کیا	اور کیا کیا	عمل کیے	جتنا اسے علم تھا

کہاں پر خرچ کیا۔ 5-اور جتنا اس کو علم تھا اس پر کتنا عمل کیا۔ (رواہ الترمذی)

تشریح

<u>حدیث کا موضوع:</u> اس حدیث کا موضوع ''اخروی امتحان'' ہے زیر نظر حدیث میں حضور نبی کریم ﷺ نے بروز قیامت انسان سے کیے جانے والے پانچ سوالات کا ذکر فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا کہ جب تک ہر ایک سے ان پانچ باتوں کے متعلق باز پرس نہ کر لی جائے گی اس وقت تک کسی کا چھٹکارا ممکن نہ ہوگا۔ گویا یہ بعینہ اسی طرح ہے جیسے کسی طالب علم کو امتحان سے قبل ہی امتحان میں پوچھے جانے والے سوالات بتا دیئے جائیں کہ پرچے میں یہ یہ سوالات آئیں گے انہیں اچھی طرح یاد کر لو۔ یقیناً ایسا طالب علم کبھی ناکام نہیں ہوگا جسے پرچے کے متعلق پہلے سے علم ہو۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اپنی امت پر کرم فرماتے ہوئے قیامت کے دن کیے جانے والے سوالات سے پہلے ہی آگاہ کر دیا۔ وہ سوالات جن کے متعلق باز پرس ہو گی درج ذیل ہیں:

۱- پوری زندگی کن امور میں گزاری؟ ۲-اپنی جوانی کو کن کاموں میں لگایا؟ ۳-اپنا مال کہاں کہاں سے کمایا؟ ۴-اپنے مال کو کہاں کہاں خرچ کیا؟ ۵-علم پر کتنا عمل کیا؟

ذیل میں ہر ایک سوال پر تفصیلی بحث پیش کی جاتی ہے:

<u>۱-زندگی کہاں گزاری؟</u> قرآن مجید کی سورہ الملک کی آیت نمبر ۲ میں ارشاد ربانی ہے: ﴿اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (اللہ نے موت اور زندگی کو اس لیے تخلیق کیا تاکہ وہ آزمائے کہ تم میں سے کون بہترین عمل کرتا ہے) جبکہ سورۃ المومنون میں سوالیہ انداز میں پوچھا کہ ﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ﴾ (کیا تم یہ گمان کیے بیٹھے ہو کہ ہم نے تمہیں بے کار پیدا کیا ہے اور

تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے؟ گویا انسان کی پوری زندگی ایک امتحان ہے اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اس کی زندگی کے بارے سوال کیا جائے گا کہ یہ زندگی تم نے کہاں گزاری؟ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی زندگی میں کوئی نہ کوئی ڈیوٹی لگائی ہے جہاں اسے وہ دیکھنا چاہتا ہے اور کچھ جگہوں پر وہ انسان کو نہیں دیکھنا چاہتا لیکن افسوس ہے کہ جہاں جہاں اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھنا چاہتا ہے ہم وہاں وہاں سے غائب ہو جاتے ہیں اور جہاں جہاں پر اللہ ہمیں نہیں دیکھنا چاہتا ہم وہیں حاضر رہتے ہیں۔

۲- جوانی کے مشاغل کے بارے سوالات: اس حدیث میں دوسری بات اور سوال کہ جس کے بارے میں باز پرس ہوگی وہ یہ ہوگا کہ جوانی کہاں گزاری؟ اور یہ اس لیے کہ جوانی بڑی مستانی ہوتی ہے جوانی میں انسان سے بڑی بڑی غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں کیونکہ ان ایام میں انسان کی صحت، طاقت، شباب عروج پر ہوتا ہے اور بالخصوص شہوانی خواہشات اور لذات انسان کو برے کاموں کی طرف خوب خوب راغب کرتی ہیں لیکن جو انسان جوانی میں توبہ کر لے اور گناہوں سے باز رہے اس کے لیے بڑا درجہ ہے کیونکہ بڑھاپے میں تو انسان میں وہ طاقت اور جوش نہیں رہتا جو جوانی میں ہوتا ہے۔ اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوسرا سوال یہ ہوگا کہ جوانی کن امور میں صرف کی۔ جوانی میں نیکی اور تقویٰ کی راہ اختیار کرنا پیغمبرانہ صفت ہے شیخ سعدی علیہ الرحمہ کا مشہور شعر ہے:

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری   وقتِ پیری گرگِ ظالم می شود پرہیز گار

یعنی جوانی میں توبہ کرنا پیغمبری شیوہ ہے بڑھاپے میں ظالم بھیڑیا بھی پرہیز گار بن جاتا ہے۔ اور یہ بات واقعتاً ہے بھی صحیح کیونکہ بڑھاپے میں وہ شکار کر ہی نہیں سکتا اس لیے خاموشی سے جو مل جائے کھا کر گزارہ کرتا رہتا ہے۔ لہٰذا انسان کو اپنی جوانی کی حفاظت کرنی چاہیے۔

۳- مال کہاں سے کمایا؟ اس حدیث میں بروز قیامت پوچھے جانے والے تیسرے سوال کے بارے ارشاد فرمایا کہ انسان سے پوچھا جائے گا کہ دنیاوی زندگی میں تو نے جو مال کمایا تھا اس کے ذرائع کیا تھے؟ کیا وہ حلال اور جائز طریقے سے کمایا تھا یا ناجائز ذرائع سے اکٹھا کیا تھا۔ اسلام میں کسب حلال کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "نماز کے بعد سب سے بڑا فریضہ کسب حلال کی کوشش کرنا ہے۔" جبکہ ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ "عبادت کے دس اجزاء میں سے نو کسب حلال میں ہیں" کسب حلال اصطلاح میں شریعت اسلامیہ کے مقررہ کردہ اصولوں کے تحت کمانے کا نام ہے لہٰذا ہر وہ مال جو اسلامی اصولوں سے ہٹ کر ناجائز ذرائع سے کمایا جائے گا وہ حرام ہو جائے گا اور قیامت کے دن اس کے متعلق باز پرس ہوگی اور ویسے بھی ناجائز اور حرام مال سے

برکت اٹھ جاتی ہے اور ایسے شخص کی دعا بھی قبول نہیں ہوتی جبکہ حرام کمانے والے کے گناہوں کی بخشش بھی نہیں کی جاتی نیز حرام کمائی کرنے والے شخص میں خود داری اور خود اعتمادی پیدا نہیں ہوتی۔ ایسی کمائی کرنے والا نا انصافی، بد دیانتی، رشوت ستانی، سود خوری، ڈاکہ زنی، ذخیرہ اندوزی، فریب دہی اور سٹے بازی جیسے جرائم کا مرتکب ہوتا ہے جو ملکی معاشی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنتی ہے۔

۴۔ مال کہاں خرچ کیا؟ قیامت کے دن پوچھے جانے والے سوالات میں سے چوتھا سوال جو اس حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا یہ ہے کہ اے انسان تو نے جو مال کمایا تھا اس کو کن کن جگہوں پر خرچ کیا۔ گویا جس طرح مال کا ناجائز ذرائع سے کمانا ممنوع اور حرام ہے اسی طرح مال کو غلط جگہوں پر صرف کرنا منع ہے۔

قرآن وحدیث میں مال کو صحیح مصارف اور نیک کاموں میں صرف کرنے کی اتنی زیادہ فضیلت آئی ہے کہ جس کی کوئی حد ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں خرچ کرنے والوں کی فضیلت مثالیں دے دے کر اجاگر فرمائی۔ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۶۱ میں ارشاد فرمایا کہ ”جو لوگ اپنے اموال کو میری راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال گندم کے دانے کی طرح ہے جس کو زمین میں بویا جائے اور اس سے سات خوشے (بالیاں) بن جاتے ہیں اور ہر ہر بالی میں سو سو دانے ہوتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتے ہیں اسے دوگنا بھی کر دیتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل تو اور بھی وسیع ہے اور وہ علیم ہے“ سورہ الفرقان کی آیت نمبر ۶۷ میں اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی صفات گنواتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ ”وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ ہی بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ ان کا معاملہ درمیانہ ہوتا ہے۔“ گویا اسلام میں مال کو جائز طریقے سے کمانا اور صحیح مصارف میں خرچ کرنا نہایت ہی اہمیت رکھتا ہے اسی لیے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آگاہ فرمایا کہ قیامت کے دن اس کے بارے پوچھا جائے گا۔

آج ہم اپنے اموال فضول اور بے ہودہ کاموں پر خرچ کر دیتے ہیں۔ شادی بیاہ کی فضول رسموں پر لاکھوں روپے صرف کر دیئے جاتے ہیں اور اسی طرح ناچ گانوں اور میلے ٹھیلوں میں رقوم لٹائی جاتی ہیں۔ شراب نوشی اور جوئے پر خرچ کرنا عام ہے فلموں اور فحاشی کے کاموں پر بے دریغ خرچ کیا جاتا ہے۔ غرضیکہ کتنے ایسے قبیح کام ہیں جہاں پر خرچ کیا جا رہا ہے جبکہ ان تمام معاملات میں نہ اللہ کا ڈر ہے اور نہ ہی قیامت کے دن کا خوف ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تم سے اس کے بارے میں باز پرس ہوگی کہ یہ مال کہاں خرچ کیا تھا۔

۵-علم پر کتنا عمل کیا؟ اس حدیث میں آپ ﷺ نے قیامت کے دن پوچھے جانے والے پانچویں سوال کے متعلق بتایا کہ یہ بھی پوچھا جائے گا کہ تمہارے پاس دین کی جو باتیں پہنچی تھی ان پر کس حد تک عمل کیا۔ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے آخری خطبہ حجۃ الوداع میں بار بار پوچھا تھا کہ لوگو بتاؤ کیا میں نے تم تک اللہ کا پیغام پہنچا دیا تو سب صحابہؓ جواب میں کہتے تھے ہاں یا رسول اللہ ﷺ آپ نے پورا دین ہم تک پہنچا دیا اور پھر آپ آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر فرماتے تھے کہ اے اللہ تو بھی گواہ رہنا میں نے تیرا پیغام تیرے بندوں تک پہنچا دیا ہے اور آپ کا لایا ہوا یہ پورا دین قرآن مجید کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے جس کی پوری تشریح آپ ﷺ نے اپنے عمل اور ارشادات سے کر دی تھی جبکہ قیامت تک امت مسلمہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس دین کی اشاعت میں ہمیشہ سرگرم رہیں۔ گویا آج کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے تو دین کے بارے میں پتہ ہی نہیں۔ لہٰذا قیامت کے روز یہ پوچھا جائے گا کہ اس دین کا جتنا تجھے علم تھا اس پر تو نے کس قدر عمل کیا کیونکہ عمل ہی اصل نجات ہے اسی لیے کہا گیا ہے کہ۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی   یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج ہمارا عمل کا خانہ خالی ہے ہم دین کی باتیں تو بہت کرتے ہیں اور مسلمانی کے دعوے بھی خوب کرتے ہیں لیکن عمل نہیں کرتے۔ اسی بات کا قیامت کے دن سوال ہوگا۔

حدیث نمبر۹ رزقِ حلال کی فضیلت

عَنْ	عَبدِ اللّٰہِ بن مَسْعُودٍؓ	قَالَ	قَالَ رسولُ اللّٰہ ﷺ
سے روایت	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ	اس نے کہا	رسول کریم ﷺ نے فرمایا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

طَلَبُ	کَسْبِ الحَلَالِ	فَرِیْضَۃٌ	بَعْدَ الفَرِیْضَۃِ
طلب کرنا	حلال کمائی کا	فرض ہے	دیگر فرائض کے بعد

کہ حلال کمائی کا تلاش کرنا دیگر فرائض کے بعد ایک فرض ہے۔

تشریح

موضوعِ حدیث: اس حدیث کا موضوع ''کسب حلال کا طلب کرنا'' ہے۔ کسب کا لغوی معنی کمانا ہے اور حلال سے مراد جائز اور درست ہے۔

کسبِ حلال کا اصطلاحی مفہوم: اصطلاح میں کسب حلال سے مراد شریعت اسلامیہ کے

مقرر کردہ اصولوں کے تحت کمائی کرنا ہے۔

کسب حلال اور قرآن: قرآن میں رزق حلال کمانے اور کھانے کا حکم انبیاء اور رسولوں کو بھی دیا گیا اور بعینہٖ یہی حکم مومنین کو بھی دیا گیا۔سورۃ المومنون کی آیت نمبر ۵۱ میں فرمایا: ﴿يٰاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ﴾ (اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ) جبکہ مومنین کیلئے ارشاد فرمایا: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ [البقرہ: ۱۷۲] (اے ایمان والو! ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے پاکیزہ چیزیں کھاؤ) نیز تمام لوگوں کیلئے ارشاد فرمایا: ﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا﴾ [سورہ البقرہ: ۱۶۸] (اے لوگو! زمین کی حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ۔)

کسب حلال اور اسوۂ رسول ﷺ: نبی پاک ﷺ نے بچپن میں بھیڑ بکریاں اور اونٹ چرائے، بڑے ہو کر تجارت کا پیشہ اپنایا اور کسب معاش کے لیے دور دراز کے سفر بھی کیے۔ آپ ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کو فرمایا: اَطِبْ مَطْعَمَكَ تَكُنْ مُسْتَجَابَ الدَّعْوَاتِ (اپنے کھانے کو پاکیزہ کر لے تیری ہر دعا اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا)۔

اسی لیے آپ ﷺ نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ نماز اور دیگر فرائض کے بعد سب سے بڑا فرض کسب حلال کی کوشش کرنا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی حلال روزی کمانے کی کوشش ہی نہ کرے تو اسے رزق حلال کی توفیق کہاں سے ملے گی اسی لیے کہا گیا کہ حصولِ رزق حلال عین عبادت ہے۔ آج ہم نے اپنی کرنسی اور نوٹوں پر اس عبارت کو تحریر تو کر دیا ہے لیکن عملی طور پر معاملہ صفر ہے اور ہمارا کوئی جائز اور صحیح کام بھی رشوت کے بغیر نہیں ہو پاتا۔ نیچے سے لے کر اوپر کی سطح تک کرپشن عام ہے بلکہ اسے معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا۔ گویا حرام کو تحفہ وغیرہ کا نام دے کر جائز کرنا چاہتے ہیں حالانکہ یہ سب حرام کمائی کے زمرہ میں شامل ہے اور حرام کمائی کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا: ”حرام رزق سے پلا ہوا جسم دوزخ میں جائے گا“ جبکہ قرآن مجید میں واضح طور پر حکم دیا: ﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ [البقرہ: ۱۸۸] (اور تم ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ)۔

حدیث نمبر ۱۰ حقوق العباد

عَنْ	اَبِىْ هُرَيْرَةَ	اَنَّ	رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ	قَالَ
سے روایت	ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	بے شک	رسول کریم ﷺ نے	ارشاد فرمایا

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا (پوچھا)

أَ	تَدْرُوْنَ	مَا الْمُفْلِسُ	قَالُوْا	اَلْمُفْلِسُ	فِيْنَا
کیا	تم جانتے ہو	مفلس کون ہوتا ہے	صحابہؓ نے عرض کیا	مفلس	ہمارے درمیان

کہ کیا تم جانتے ہو کہ مفلس (بھوکا) کون ہوتا ہے صحابہؓ نے عرض کیا ہم میں سے مفلس

مَنْ	لَادِرْهَمَ	لَهٗ	وَلَا مَتَاعَ	فَقَالَ	إِنَّ
جس	نہ کوئی درہم	کے پاس	اور نہ سامان	پس آپ ﷺ نے فرمایا	بیشک

وہ شخص ہے جس کے پاس نہ کوئی درہم ہو اور نہ ہی کوئی سامان ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا

اَلْمُفْلِسَ	مِنْ اُمَّتِیْ	يَأْتِیْ	يَومَ الْقِيَامَةِ	بِصَلَاةٍ
مفلس	میری امت میں سے	جو آئے گا	بروز قیامت	نماز کے ساتھ

بے شک میری امت میں مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن بہت زیادہ نمازیں

وَ صِيَامٍ	وَ زَكَاةٍ	وَ يَأْتِیْ	قَدْ شَتَمَ هٰذَا
اور روزوں کے ساتھ	اور زکوٰۃ کے ساتھ	اور ساتھ ہی آئے گا	اس کو گالی دی ہوگی

روزے اور زکوٰۃ ادا کر کے آئے گا لیکن ساتھ ہی اس نے کسی کو گالی بھی دی ہوگی

وَقَذَفَ هٰذَا	وَ اَكَلَ	مَالَ هٰذَا	وَسَفَكَ	دَمَ هٰذَا
اور کسی کو تہمت لگائی ہوگی	اور کھایا ہوگا	کسی کا مال	اور بہایا ہوگا	کسی ایک کا خون

کسی پر تہمت بھی لگائی ہوگی، کسی کا مال بھی کھایا ہوگا، کسی کا خون بھی بہایا ہوگا

وَ ضَرَبَ هٰذَا	فَيُعْطٰى هٰذَا	مِنْ حَسَنَاتِهٖ	وَ هٰذَا	مِنْ حَسَنَاتِهٖ
اور کسی کو مارا ہوگا	پس دیا جائے گا وہ شخص	اس کی نیکیوں سے	اور اس کو	اس کی نیکیوں میں سے

اور کسی کو مارا بھی ہوگا پس اس کی نیکیوں سے کچھ نیکیاں انہیں دے دی جائیں گی

فَاِنْ	فَنِيَتْ	حَسَنَاتُهٗ	قَبْلَ	اَنْ يُقْضٰى
پس اگر	ختم ہوگئیں	اس کی نیکیاں	اس سے پہلے کہ	پورا ہو

پس اگر اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں اس سے پہلے کہ اس پر جتنے لوگوں کا دینا ہو

مَا عَلَيْهِ	أُخِذَ	مِنْ خَطَايَاهُمْ	فَطُرِحَتْ	عَلَيْهِ
جو اس پر ہے	لی جائیں گی	ان سب لوگوں کی برائیاں	اور ڈال دی جائیں	اس پر

باقی ہے تو پھر ان مظلومین کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے اور

ثُمَّ طُرِحَ	فِي النَّارِ
پھر اسے ڈالا جائے گا	جہنم میں

پھر اسے جہنم کی آگ میں ڈال دیا جائے گا

تشریح

موضوع حدیث: اس حدیث کا موضوع حقوق العباد کی اہمیت ہے۔
حقیقی مفلس کی تعریف: اس حدیث کے پہلے حصہ میں حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہؓ سے پوچھا کہ بتاؤ مفلس (غریب) کون ہوتا ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے نزدیک مفلس وہ شخص ہوتا ہے جس کے پاس نہ کوئی درہم (نقدی) ہو اور نہ کوئی سامان ہو۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں مفلس وہ شخص ہوگا جو قیامت کے دن نمازوں، روزوں اور زکوٰۃ کے ساتھ آئے گا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس نے کسی کو گالی گلوچ بھی نکالی ہوگا یا دنیا میں کسی کا ناحق مال کھایا ہوگا کسی کو ناحق قتل کیا ہوگا۔ یا کسی کو دنیا میں مارا ہوگا۔ پس اس دن اس کی نیکیاں ان تمام لوگوں کو دے دی جائیں جن کے ساتھ اس نے زیادتیاں کی ہوں گی اور اگر اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں اور حق دار باقی ہوئے تو پھر ان حق داروں کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے اور پھر یوں اسے جہنم کی آگ میں ڈال دیا جایا جائے گا۔

حقوق العباد کی اہمیت: اس حدیث میں آپ ﷺ نے واضح انداز میں فرمایا کہ قیامت کے دن، نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے ثوابوں کے انبار لے کر آنے والا بھی اگر حقوق العباد کا پاس رکھنے والا نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ کو اس کی نمازوں، روزوں اور دیگر صالح اعمال کی کوئی ضرورت نہیں ہے وہاں تو باقاعدہ حساب کتاب ہوگا اور اس روز جب ایک ایک نیکی کی اشد ضرورت ہوگی اس کی نیکیوں کو لے کر ان کو دے دی جائیں گی جن کے حقوق کو اس نے دنیا میں غصب کیا ہوگا اور اگر اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں تو پھر ان حق داروں کے گناہوں کو اس کے نامہ اعمال میں شامل کر دیا جائے گا اور یوں اسے جہنم کی آگ کا ایندھن بنا دیا جائے گا۔

آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ایسے لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے جو نمازوں، روزوں اور دیگر عبادات میں رات دن کوشاں رہتے ہیں لیکن حقوق العباد کے معاملے میں ان کا اکاؤنٹ صفر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے حقوق کو معاف فرما دیں گے لیکن بندوں کے حقوق کی جواب دہی ہر صورت ہوگی۔

حدیث نمبر ۱۱

مکارم اخلاق

عَنْ	اَبِیْ الدَّرْدَاءِ	اَنَّ	النبی ﷺ	قَالَ
سے روایت	حضرت ابو درداءؓ	بے شک	نبی کریم ﷺ نے	ارشاد فرمایا

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

مَا شَيْءٌ	أَثْقَلَ	فِي مِيْزَانِ الْمُؤْمِنِ	يَومَ الْقِيَامَةِ	مِنْ
کوئی چیز نہیں	زیادہ وزنی	مومن کے پلڑے میں	بروز قیامت	سے

بندۂ مومن کے ترازو (نامہ اعمال) میں قیامت کے دن عمدہ اخلاق

خُلُقٍ حَسَنٍ	وَ إِنَّ اللّٰهَ	لَيُبْغِضُ	الْفَاحِشَ	الْبَذِيَّ
اچھے اخلاق	اور بے شک اللہ تعالیٰ	ناپسند کرتا ہے	فحش گو	گالی بکنے والا

سے بڑھ کر کوئی چیز وزنی نہ ہوگی اور اللہ تعالیٰ فحش گو بے حیاء کو ناپسند کرتا ہے (جامع الترمذی)

تشریح

موضوع: اس حدیث کا موضوع ''عمدہ اخلاق کی فضیلت اور فحش گوئی کی مذمت'' ہے۔

حسن خلق اور حضور ﷺ کی ذات: اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے بارے میں قرآن میں ارشاد فرمایا: ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ [سورہ القلم: ۴] (اور (اے محبوب ﷺ) بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں) جبکہ آپ ﷺ نے ایک حدیث میں اپنی بعثت کا مقصد ہی یہ بتایا کہ "اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ" (بے شک مجھے عمدہ اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے)۔

نیکی اور عمدہ اخلاق: حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ (نیکی عمدہ اخلاق کا نام ہے)۔

خُلُق حسن کی حقیقت: ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ وَ اَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَ خَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ" (ہر جگہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور گناہ کے فوراً بعد نیکی کرو تاکہ وہ نیکی اسے مٹا دے اور لوگوں کے ساتھ عمدہ اخلاق سے پیش آؤ)۔

لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنے سے مراد یہ ہے کہ ان کے ساتھ احسان کرو اور ان سے تکالیف کو روکو۔ ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ ''تم لوگوں کو اپنے اموال کے ذریعے ہرگز پورے خوش نہیں رکھ سکتے البتہ ان کے ساتھ اپنے چہروں کو تو کشادہ رکھ سکتے ہو اور عمدہ اخلاق کے ساتھ پیش آسکتے ہو۔

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: "خَيْرُكُمْ اَحْسَنُكُمْ اَخْلَاقًا" (تم میں سے بہتر وہ ہے جو تم میں سے اخلاق کے اعتبار سے اچھا ہے) اسی طرح ایک اور روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ اعمال میں سے افضل عمل کونسا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: حُسْنُ الْخُلُقِ: (عمدہ اخلاق)۔

عمدہ اخلاق کامل مومن کی نشانی: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اَکْمَلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُهُمْ اَخْلَاقًا وَ خِیَارُهُمْ خِیَارُهُمْ لِنِسَاءِهِمْ" (ایمان کے اعتبار سے کامل ترین مومن وہ ہیں جو اخلاق کے اعتبار سے خوبصورت ہیں اور ان مومنین میں عمدہ وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے لیے بہترین ہیں)۔

عمدہ اخلاق اور اکرام دین: ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: "اِنَّ اللّٰهَ اخْتَارَ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا فَاَکْرِمُوْهُ بِحُسْنِ الْخُلُقِ وَالسَّخَاءِ فَاِنَّهٗ لَا یَكْمُلُ اِلَّا بِهِمَا" (بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اسلام کو بطور دین منتخب کیا ہے پس تم عمدہ اخلاق اور سخاوت سے اس کی عزت افزائی کرو کیونکہ یہ ان دونوں باتوں کے بغیر مکمل نہیں ہوتا)۔

فحش گوئی کی مذمت: اس حدیث کے دوسرے حصہ میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فحش گوئی کرنے والے اور گالی گلوچ بکنے والے کو سخت ناپسند فرماتا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں باتیں ایسی قبیح صفات ہیں جو انسان کو بے حیا بنا دیتی ہیں اور بے حیائی جہاں بھی ہوتی ہے اسے عیب دار بنا دیتی ہے۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "اِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً مَنْ تَرَكَهٗ اَوْ وَدَعَهُ النَّاسُ اِتِّقَاءَ فُحْشِهٖ" (قیامت کے دن اللہ کے ہاں منزلت کے اعتبار سے بدترین شخص وہ ہوگا جس کو لوگ اس کی بدکلامی کی وجہ سے چھوڑ دیں (اسے ملنا گوارہ نہ کریں)۔

حدیث نمبر ۱۲ — دنیا و آخرت کی بھلائی

عَنْ	اِبْنِ عَبَّاسٍ	اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ	قَالَ
سے روایت	حضرت عبداللہ بن عباسؓ	بے شک رسول کریم ﷺ نے	ارشاد فرمایا

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا

اَرْبَعٌ	مَنْ اُعْطِیَهُنَّ	اُعْطِیَ	خَیْرُ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ
چار چیزیں	جس کو عطا ہوئیں	اسے مل گئی	دنیا و آخرت کی بھلائی

جس شخص کو چار چیزیں عطا کی گئیں اسے دنیا و آخرت کی بھلائی عطا ہو گئی

قَلْبًا شَاكِرًا	وَلِسَانًا ذَاكِرًا	وَ بَدَنًا عَلَى الْبَلَاءِ	صَابِرًا
شکر گزار دل	ذکر کرنے والی زبان	اور بدن مصیبت پر	صبر کرنے والا

1- شکر گزار دل 2- ذکر کرنے والی زبان 3- مصائب پر صبر کرنے والا بدن

وَلَا مَالِهِ	فِي نَفْسِهَا	حُوبًا	لَا تَبْتَغِيهِ	وَزَوجَةٌ
اور نہ اس کے مال میں	اپنی ذات	زیادتی	نہ چاہے	اور بیوی

4- ایسی بیوی جو اپنی ذات میں اور شوہر کے مال میں زیادتی نہ چاہے۔ (المعجم الکبیر)

تشریح

حدیث کا موضوع: اس حدیث کا موضوع ''دنیا و آخرت کی بھلائی'' ہے۔

چار نعمتیں: اس حدیث میں آپ ﷺ نے چار ایسی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ جس انسان کو وہ چار چیزیں مل جاتی ہیں اسے دنیا و آخرت کی بھلائی نصیب ہو جاتی ہے اس دنیا میں ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ کامیاب اور بامراد ہو نیز وہ نیکیوں کے ذریعے اپنی عاقبت بھی سنوارنا چاہتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے جس بندے کو درج ذیل چار چیزیں عطا فرما دے تو گویا اسے دنیا و آخرت کی سارے بھلائیاں مل جائیں گی وہ چار چیزیں درج ذیل ہیں: ۱-شکرگزار دل۔ ۲-ذکر کرنے والی زبان۔ ۳-مصیبت کے دوران صبر کرنے والا بدن۔ ۴-صالحہ بیوی جو اپنی عصمت اور شوہر کے مال کی حفاظت کرے

۱-شکر گزار دل: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر بجا لانا ایسی نعمت ہے جس سے نعمتوں میں مزید اضافہ ہوتا ہے قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ [سورۃ ابراھیم:۷] (اگر تم میرا شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ عطا کروں گا) گویا اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے والا بندہ اللہ تعالیٰ کے مزید انعامات کا مستحق بن جاتا ہے تو اگر کوئی ہر لمحہ اس کا شکر ادا کرے گا تو اس پر اور زیادہ رحمت ہوگی۔ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۴۷ میں ارشاد فرمایا کہ ﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ﴾ (اگر تم اللہ کا شکر ادا کرو اور خالص مومن بن جاؤ تو اللہ تعالیٰ کو کیا پڑی ہے کہ وہ تم پر اپنا عذاب نازل کرے۔ گویا اس کی نعمتوں پر شکر ادا نہ کرنا اس کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

انعامات الٰہیہ اور ہمارا طرز عمل: آج اگر ہم اپنے آپ کو دیکھیں اور اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیں تو ہمیں ہر لمحہ رب تعالیٰ کے اتنے انعامات، احسانات اور مہربانیاں نظر آئیں گی کہ جن کو ہم شمار نہیں کر سکتے۔ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا: ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ [سورۃ ابراھیم:۳۴] (اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم ہرگز شمار نہیں کر سکتے) آج ہم صبح و شام اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں لیکن بھولے سے بھی کسی نعمت کا شکر بجا نہیں لاتے ہم میں سے ہر ایک دن میں دو یا تین مرتبہ

کھانا کھاتا ہے اور ہر کھانے کی تیاری میں اللہ تعالیٰ کی کتنی نعمتیں استعمال ہوتی ہیں۔ کیا ہم پانی، نمک، مرچ، مصالحہ جات، گوشت، سبزیات وغیرہ تمام لوازمات پر اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اس خوراک کو ہضم کرنے میں بدن میں کیسے کیسے نظام ہیں جو اپنے اپنے انداز میں کام سرانجام دے رہے ہوتے ہیں۔ کیا یہ اس مالک و خالق کا کرم اور مہربانی نہیں کہ جس نے اتنا بڑا نظام قائم فرمایا تو پھر کیوں نہ ہر لمحہ اس کا شکر ادا کیا جائے۔

سورہ یونس کی آیت نمبر ۶۰ میں ارشاد فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴾ (بے شک اللہ تعالیٰ تو بندوں پر مہربانی فرمانے والا ہے لیکن ان کی اکثریت اس کا شکر ادا نہیں کرتی)۔

۲- ذکر خداوندی کرنے والی زبان: اس حدیث میں دوسری چیز کہ جس سے دنیا و آخرت کی بھلائی نصیب ہوتی ہے وہ ذکر الٰہی میں مصروف رہنے والی زبان ہے اور جس بندے کو ایسی زبان مل گئی جو یاد الٰہی میں مشغول رہنے والی ہو تو وہ براہ راست رب کی یاد میں آجاتا ہے اور جو رب کی نظر رحمت میں آگیا اس کا بیڑہ پار ہوگیا۔ سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۱۵۲ میں ارشاد فرمایا: ﴿فَاذْكُرُوْنِيْۤ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ﴾ (پس تم میرا ذکر کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر ادا کرو اور میری ناشکری نہ کرو)۔

ذکر الٰہی اطمینان قلب کا ذریعہ: اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے سے دل کو سکون نصیب ہوتا ہے سورۃ الرعد کی آیت نمبر ۲۸ میں ارشاد فرمایا: ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ (بلاشبہ آگاہ رہو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے) جبکہ سورۃ العنکبوت کی آیت نمبر ۴۵ میں ارشاد فرمایا: ﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ (اور البتہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے) چنانچہ جس انسان کو اللہ کا ذکر کرنے والی زبان مل گئی تو گویا اس کو کائنات کی سب سے بڑی چیز نصیب ہوگئی۔

ذکر لسانی کی اہمیت: زبان کے ذکر سے دوسروں کو بھی ترغیب ملتی ہے اور انسان اپنے باطن کو بھی اپنی زبان سے ہم آہنگ کرتا ہے۔ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۰۳ میں ارشاد فرمایا: ﴿وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ﴾ (اپنے اوپر اللہ کی نعمتوں کا تذکرہ کیا کرو)۔ احادیث میں زبان سے ذکر کے لیے مختلف کلمات تلقین کیے گئے ہیں جن میں مشہور الحمد للہ، سبحان اللہ، اللہ اکبر، استغفر اللہ اور لا الہ الا اللہ ہیں۔

۳- مصائب کے دوران صبر کرنے والا بدن: مصائب اور مشکلات پر صبر کرنا صاحبان عزم کا شیوہ ہے قرآن مجید میں سورہ الشوریٰ کی آیت نمبر ۴۳ میں ارشاد فرمایا: "وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ" (اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر

دے بے شک یہ تو بڑی ہی عزیمت کا کام ہے) اللہ کے رسولوں کو ایذائیں پہنچائی گئیں خود آقائے دو جہاں ﷺ کے اوپر حالت نماز میں اونٹ کی اوجھری پھینکی گئی آپ ﷺ کی راہ میں کانٹے بچھائے گئے طائف کے میدان میں آپ ﷺ پر پتھر برسائے گئے آپ ﷺ کی مبارک پنڈلیوں سے خون بہنے لگا۔ لیکن آپ ﷺ نے ان تمام تکالیف پر صبر کیا۔

صبر کرنے والوں کی فضیلت: سورہ یوسف کی آیت نمبر ۹۰ میں ارشاد فرمایا کہ: ﴿إِنَّهُ مَنْ يَّتَّقِ وَ يَصْبِرْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (بے شک جو اللہ سے ڈرتا اور صبر کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا جبکہ سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۸۶ میں ارشاد فرمایا: ﴿وَ إِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَإِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ﴾ (اور اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو بے شک یہ بڑی عزیمت کا کام ہے) جبکہ صبر کرنے والوں کے لیے بے حساب اجر کی نوید سنائی۔ ارشاد ربانی: "إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ" (بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب عطا کیا جائے گا)۔

۴۔ صالحہ بیوی: اس حدیث میں دنیا و آخرت کی بھلائی کے حصول کے لیے جس چوتھی نعمت کا ذکر فرمایا وہ نیکو کارہ اور وفا شعار باعصمت و باحیاء و باوفا بیوی ہے۔ ایسی بیوی جس گھر میں ہو گی وہ گھر خوشیوں کا مسکن اور راحتوں کا گہوارا ہو گا اسی لیے فرمایا جس کو نیک بیوی مل گئی جو اپنی عصمت کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اپنے شوہر کے مال میں بھی خیانت نہ کرتی ہو ایسی بیوی اللہ تعالیٰ کی طرف انعام اور دنیا و آخرت کی بھلائی کا پیغام ہو گی۔ قرآن مجید کی سورہ الفرقان میں نیک بندوں (عباد الرحمٰن) کی صفات کے ذکر میں ان کی ایک دعا کا ذکر آیا جس میں فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا﴾ (اور وہ لوگ دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اپنی بیویوں اور اولادوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقین کا امام بنا دے)۔

حدیث نمبر ۱۳

ہلاکت والی باتیں

عَنْ	أَبِي هُرَيْرَةَ	عَنِ النَّبِيِّ ﷺ	قَالَ
سے (روایت)	حضرت ابو ہریرہؓ	نبی کریم ﷺ سے روایت ہے	آپ ﷺ نے فرمایا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

قَالُوا	الْمُوبِقَاتِ	السَّبعَ	اِجْتَنِبُوا
صحابہؓ نے عرض کی	ہلاکت میں ڈالنے والی باتیں	سات	تم بچو

تم سات ہلاکت میں ڈالنے والی باتوں سے بچو، صحابہ کرامؓ نے عرض کی کہ

اَلشِّرکُ باللّٰهِ	قَالَ	وَمَا هُنَّ	يَا رَسُولَ اللّٰهِ
1- اللہ کا شریک ٹھہرانا	آپ ﷺ نے فرمایا	اور وہ کیا ہیں	اے اللہ کے رسول (ﷺ)

اے اللہ کے رسول ﷺ وہ (سات) باتیں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا 1- اللہ کے ساتھ (کسی کو) شریک ٹھہرانا

اِلَّا بِالْحَقِّ	حَرَّمَ اللّٰهُ	اَلَّتِیْ	وَ قَتْلُ النَّفْسِ	وَ السِّحْرُ
مگر حق کے ساتھ	اللہ نے حرام کیا	جس کو	اور (کسی) جان کا قتل	اور جادو

2- اور جادو، 3- کسی جان کو جسے اللہ نے حرام قرار دیا نا حق قتل کرنا

يَومَ الزَّحْفِ	وَ التَّوَلِّیْ	وَ اَكْلُ مَالَ الْيَتِيْمِ	وَ اَكْلُ الرِّبَا
جنگ کے دن	اور پیٹھ پھیرنا	اور یتیم کا مال کھانا	اور سود کھانا

4- اور سود کھانا 5- اور یتیم کا مال ہڑپ کرنا 6- اور جنگ کے دن (میدان سے) بھاگ جانا

الْغَافِلَاتِ	الْمُؤْمِنَاتِ	الْمُحْصَنَاتِ	وَقَذْفُ
بے خبر عورتیں	مومن عورتیں	پاکدامن عورتیں	اور تہمت لگانا

7- پاک دامن (گناہ سے) بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگانا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

تشریح

حدیث کا موضوع: اس حدیث کا موضوع "سات ہلاکت خیزیاں" ہے۔

ہلاکت کا سامان: اس حدیث میں حضور ﷺ نے اپنی امت کو سات ہلاکت خیزیوں سے آگاہ کرتے ہوئے ان سے بچنے کا حکم دیا۔ وہ سات باتیں درج ذیل ہیں۔

۱- اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرنا۔ ۲- جادو ۳- قتلِ ناحق ۴- سود خوری ۵- یتیم کا مال ہڑپ کرنا ۶- میدان جنگ سے بھاگنا ۷- بے خبر پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا۔

ا- شرک: شرک کا لغوی معنی "حصہ دار اور ساجھے پن" کے ہیں جبکہ اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات یا عبادت یا صفات کے تقاضوں میں کسی اور کو حصہ دار یا ساجھی ٹھہرانا یا ماننا اور تسلیم کرنا شرک کہلاتا ہے۔ شرک کی مختلف صورتیں درج ذیل ہیں:

۱- شرک فی الذات ۲- شرک فی الصفات
۳- شرک فی العبادت ۴- شرک فی الاحکام
۵- شرک فی الھویٰ (خواہشات کی بندگی)

۲- جادو: اس حدیث میں دوسری چیز جو ہلاکت میں ڈالنے والی ہے کے متعلق ارشاد فرمایا کہ وہ جادو ہے۔ لغت میں سحر سے مراد پوشیدہ اور لطیف سبب ہے قرآن مجید کی سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۱۶ میں ارشاد فرمایا: ﴿سَحَرُوۡۤا اَعۡیُنَ النَّاسِ وَ اسۡتَرۡهَبُوۡهُمۡ وَ جَآءُوۡ بِسِحۡرٍ عَظِیۡمٍ﴾ (جادوگروں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کیا اور انہیں ڈرایا بڑے جادو کے ذریعے) ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: "اِنَّ مِنَ الۡبَیَانِ لَسِحۡرًا" (بعض بیان اور تقریریں جادو کا سا اثر رکھتی ہیں۔) سحر (جادو) جو ہلاکت میں ڈالنے والا ہے وہ ایک فن ہے کیونکہ یہ مہارت اور تجربہ سے حاصل ہوتا ہے جبکہ یہ ایک باطل علم ہے۔ حقیقی جادوگر بہت کم ہیں جو ابلیس کے نائب، انتہائی درجہ کے شاطر، مکار اور فریب کار ہوتے ہیں۔

سحر (جادو) کا طریقہ: تعویز، دم اور گرہیں باندھنا اور ان میں پھونکنا وغیرہ یہ ایسے اعمال ہیں جو دلوں اور جسموں میں اثر انداز ہوتے ہیں اور کبھی بیمار کر کے قتل تک کر دیتے ہیں یا میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈال دیتے ہیں۔ سواۃ الفلق میں ارشاد فرمایا کہ ﴿وَمِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ﴾ (اور گرہوں میں پھونکیں مارنے والی جادوگرنیوں کی برائی سے (پناہ مانگتا ہوں) اگر جادو کی کوئی حقیقت نہ ہوتی تو نہ ہی اس سے کسی شر کا اندیشہ ہوتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اس سے پناہ مانگنے کا حکم دیتا۔ فرعون کے جادوگروں نے اپنے جادو کے زور پر لاتعداد رسیوں کو سانپ بنا دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اپنا عصا زمین پر پھینکئے چنانچہ وہ اژدہا بن کر ان کے سب سانپوں کو ہڑپ کر گیا۔ اسی لیے قرآن میں ارشاد فرمایا: ﴿وَ لَا یُفۡلِحُ السّٰحِرُ حَیۡثُ اَتٰی﴾ [سورہ طہٰ: ۶۹] (اور جادوگر جہاں سے بھی آئے کامیاب نہ ہوگا)۔

جادو کا ثبوت حدیث سے: لبید بن اعصم نے حضور ﷺ پر جو جادو کیا تھا اس کو رفع کرنے کے لیے سورہ فلق نازل ہوئی۔ حدیث میں آتا ہے جب آپ ﷺ شفایاب ہوئے تو ارشاد فرمایا: "اِنَّ اللّٰهَ شَفَانِیۡ" (بے شک وہ اللہ ہی ہے جس نے مجھے شفا دی ہے)۔

جادو سیکھنے کا حکم: جادو سیکھنا کفر ہے اور یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے اسی لیے آپ ﷺ نے اسے ہلاکت کا سبب فرمایا۔ جادوگر کی سزا یہ ہے اسے قتل کر دیا جائے جیسا کہ حدیث پاک میں آیا: "حَدُّ السَّاحِرِ ضَرۡبَةٌ بِالسَّیۡفِ" کہ جادوگر کو تلوار سے اڑا دیا

جائے۔ اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی وفات سے قبل اپنے عاملوں کو لکھا تھا کہ ہر جادوگر اور جادوگرنی کو قتل کر دیا جائے۔ البتہ اگر وہ توبہ کر لے تو اس کا راستہ چھوڑ دیا جائے کیونکہ یہ شرک سے بڑا گناہ نہیں ہے جب مشرک کی توبہ قبول ہوسکتی ہے تو جادوگر کی کیوں نہیں؟

۳- قتل ناحق: قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: ﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا﴾ [سورہ المائدہ: ۳۲] (جس نے کسی جان کو کسی جان کے بدلے کے بغیر قتل کیا یا زمین میں فساد کی خاطر قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا) قتل ناحق اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کی سزا جہنم میں ہمیشہ جلتے رہنا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے ﴿وَ مَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيهَا﴾ [سورۃ النساء: ۹۳] (جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے گا اس کی سزا جہنم میں ہمیشہ رہنا ہے۔) البتہ کسی کی جان لینے کی ایک ہی جائز صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ قاتل کو مقتول کے بدلے میں قصاص کے طور پر قتل کر دیا جائے۔

۴- سود خوری: اس حدیث میں ہلاکت میں ڈالنے والی چوتھی بات سود خوری کو قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ارشاد فرمایا: ﴿وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [البقرہ: ۲۷۵] (اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت کو حلال ٹھہرایا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے) اور اسی آیت میں بتایا کہ سود خوریوں پریشان ہوں گے جیسے کہ کسی انسان کو شیطان چھو کر بے ہوش کر دے۔ خطبۂ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے واضح اعلان فرما دیا کہ آج سے میں سود کے مکمل خاتمے کا اعلان کرتا ہوں اور سب سے پہلے آپ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے سود کو معاف کر دیا۔ آج کل ہماری معیشت کا پورا پہیہ سودی نظام کے گرد گھوم رہا ہے۔ کچھ لوگوں نے دلی سکون کے لیے اس کے مختلف نام دے رکھے ہیں۔ بینکوں نے نفع نقصان شراکت دار (PLS) اکاؤنٹ کا نام دے کر اسے جواز کی سند عطا کر رکھی ہے لیکن بہرحال یہ سب شیطانی چالیں ہیں اور سود ہی کی کوئی نہ کوئی شکل ہے جسے قرآن وحدیث نے حرام قرار دیا ہے اور آپ ﷺ اس حدیث میں اسے ہلاکت کا سبب فرما رہے ہیں۔

۵- یتیم کا مال کھانا: اس حدیث میں ہلاکت کا سبب بننے والی پانچویں بات یتیم کا مال ہڑپ کرنا ارشاد فرمایا۔ قرآن مجید میں یتیموں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی نگہداشت کا حکم دیا اور ان کے اموال کی حفاظت کے لیے فرمایا کہ اس کے مال کے قریب بھی نہ جانا بتہ اگر نیکی اور ان کی بہتری کی خاطر کوئی صورت کر سکتے ہو تو پھر تمہیں اجازت ہے کہ

ان کے مال کو تجارت وغیرہ میں لگا کر انہیں فائدہ پہنچاؤ۔ سورۃ الاسراء کی آیت نمبر ۱۵۲ اور سورۃ الأنعام کی آیت نمبر ۳۴ میں ایک جیسا حکم دیا اور فرمایا: ﴿وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ﴾ (اور تم یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ سوائے عمدہ طریقہ کے یہاں تک وہ جوان ہو جائے (اور خود تصرف کے قابل ہو جائے)۔

یتیم کا مال کھانے والوں کے لیے وعید: سورہ النساء کی آیت نمبر ۱۰ میں ارشاد فرمایا کہ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا﴾ (بے شک وہ لوگ جو ظلم کر کے یتیموں کے مال کھاتے ہیں بلاشبہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں) گویا یتیم کا مال کھانا جہنم میں جانے کا سبب ہے اسی لیے آپ ﷺ نے اس بات کو ہلاکت کا سبب قرار دیا۔

۶- جنگ کے دوران پیٹھ پھیرنا: مجاہد کا میدان جنگ میں آخری سانس تک ڈٹے رہنا ہی اصل جہاد ہے۔ سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۴۵ میں ارشاد ربانی ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (اے ایمان والو! جب تم کسی لشکر سے جنگ کرنے لگو تو ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ)۔ سورۃ الأنفال میں جابجا حکم دیا کہ میدان جنگ میں ثابت قدم رہو اور پیٹھ نہ پھیرو بلکہ ہر طرح کے حالات میں ثابت قدمی کے ساتھ مردانہ وار مقابلہ کرو۔

پیچھے ہٹنے کی جائز صورتیں: مسلمانوں کو میدان جنگ میں درج ذیل صرف دو صورتوں میں پیچھے ہٹنے کی اجازت ہے:

I- جب وہ جنگی چال کے طور پر پیچھے ہٹ رہے ہوں اور پلٹ کر کفار کے لشکر پر حملہ کرنا چاہتے ہوں۔

II- جب کوئی مجاہد لڑائی کرتا ہوا دشمن کی فوج میں آگے تک نکل جائے تو وہ اپنے دستے سے ملنے کے لیے پیچھے ہٹے ان دو صورتوں کے علاوہ پیٹھ پھیرنے والے اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہوں گے۔

۷- پاکدامن مومن عورتوں پر تہمت لگانا: اس حدیث میں ہلاکت میں ڈالنے والی ساتویں بات پاک دامن مومن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگانا ارشاد فرمائی یعنی وہ بھولی بھالی اور سادہ لوح پاک دامن بیبیاں جنہوں نے کبھی شاید گھر سے باہر جھانک کر بھی نہ

دیکھا ہوا ان پر بدکاری اور برائی کا الزام لگانا انتہائی گھٹیا اور قبیح فعل ہے اور آپ نے اس عمل کو ہلاکت میں ڈالنے والا فعل قرار دیا۔ سورہ النور کی آیت نمبر ۲۳ میں واضح طور پر ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یَرۡمُوۡنَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡغٰفِلٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ لُعِنُوۡا فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ وَلَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ﴾ (بے شک جو لوگ سادہ لوح پاک دامن مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے)۔

برائی کے خلاف جہاد

حدیث نمبر۱۴

عَنْ	أَبِی سَعِیْدِ الْخُدْرِیّ	قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ ﷺ	مَنْ
سے روایت	ابوسعید خدریؓ	رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا	جو شخص

حضرت ابوسعید الخذری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

رَأَی	مِنْکُمْ	مُنْکَرًا	فَلْیُغَیِّرْہُ	بِیَدِہٖ	فَاِنْ
دیکھے	تم میں سے	کوئی برائی	پس اسے بدل دے	اپنے ہاتھ سے	پس اگر

تم میں سے کوئی شخص اگر کسی برائی کو دیکھے تو اسے ہاتھ (طاقت) سے روک دے۔ پس اگر

لَمْ یَسْتَطِعْ	فَبِلِسَانِہٖ	فَاِنْ	لَمْ یَسْتَطِعْ
اسے اس کی طاقت نہ ہو	تو پھر اپنی زبان کے ساتھ	پس اگر	اس کی طاقت نہ رکھے

اسے (ہاتھ سے) روکنے کی ہمت نہ ہو تو پھر اپنی زبان سے اسے روکے اور اگر اسے اس کی بھی

فَبِقَلْبِہٖ	وَ ذٰلِکَ	أَضْعَفُ	الْاِیْمَانِ
پھر اپنے دل کے ساتھ	اور یہ بات	کمزور ترین (درجہ)	ایمان کا

طاقت نہ ہو تو اسے دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

تشریح

<u>حدیث کا موضوع:</u> اس حدیث کا موضوع ''برائیوں کا سدِ باب'' ہے۔

<u>پہلا درجہ:</u> اس حدیث میں حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو حکم دیا کہ تم میں سے ہر شخص برائیوں کو روکنے والا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے درجہ بندی فرمائی اور سب سے پہلے بزور طاقت ہاتھ سے روکنے کا حکم دیا کہ برائی کا خاتمہ کردو اور ظاہر ہے یہ نہی عن المنکر کا

اعلیٰ درجہ ہے اس لیے اس کا پہلے نمبر پر ذکر فرمایا۔

دوسرا درجہ: پھر فرمایا کہ اگر برائی کی طاقتیں اتنی سخت ہوں کہ تم انہیں بزور بازو نہیں روک سکتے تو پھر زبانی جہاد کرو یعنی برے کام کرنے والوں کو وعظ و نصیحت کے ذریعے سمجھاؤ تا کہ وہ تمہاری نصیحت کے ذریعے برائیوں سے باز آجائیں اور یہ نہی عن المنکر کا دوسرا درجہ ہے۔

تیسرا درجہ: آپ ﷺ نے تیسرے نمبر پر یہ ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص ہاتھ اور زبان دونوں کے ذریعے برائیوں کو نہ روک سکے تو پھر اتنا تو ضرور کرے کہ اس برائی کے خلاف اپنے دل میں نفرت پیدا کر لے کیونکہ برائیوں سے نفرت کرنا بھی ایمان کا ایک کمزور درجہ تو ضرور ہے۔ دل ہی دل میں گناہوں اور برائیوں سے نفرت کم از کم اسے خود کو تو گناہوں سے دور رکھے گی اور بجائے خود ایک نیکی شمار ہوگی۔

حدیث نمبر ۱۵ باہمی محبت

عَن	النُّعمَانِ بنِ بَشِيرٍ	قَالَ	قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ
سے روایت	حضرت نعمان بن بشیرؓ	وہ کہتے ہیں	حضور نبی کریم ﷺ

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

تَرَى المُؤمِنِينَ	فِي تَرَاحُمِهِم	وَ تَوَادِّهِم
تو مومنوں کو دیکھے گا	آپس میں رحم کرتے ہوئے	اور آپس میں محبت کرتے

تم مومنوں کو آپس میں رحم، محبت اور ایک دوسرے پر مہربانی کرتے

وَ تَعَاطُفِهِم	كَمَثَلِ الجَسَدِ	إِذَا	اشتَكَى
آپس میں مہربانی کرتے ہوئے	ایک جسم کی مانند	جب	شکایت کرے

ہوئے ایسے دیکھو گے جیسے ایک جسم ہوتا ہے جس کے کسی ایک عضو میں

عُضوٌ	تَدَاعَى	لَهُ	سَائِرُ	جَسَدِهِ	بِالسَّهَرِ	وَالحُمَّى
کوئی عضو	پکارتا ہے	اس کو	پورا	اس کا جسم	بے خوابی میں	اور بخار میں

جب کوئی تکلیف ہوتی ہے تو پھر پورا بدن بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے (متفق علیہ)

تشریح

حدیث کا موضوع: اس حدیث کا موضوع "مومنوں کی باہمی مودت و محبت" ہے۔

اس حدیث میں حضور ﷺ نے مسلمانوں کے درمیان باہمی محبت و شفقت اور رحمت والفت کے رشتہ کو ایک خوبصورت مثال کے ساتھ سمجھایا ہے اور وہ یہ کہ تمام مومن ایک

دوسرے کے ساتھ باہمی مودت و محبت میں یوں جڑے ہوئے ہیں جیسے ایک بدن کے تمام اعضاء ایک دوسرے سے منسلک ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب بدن کے کسی ایک عضو میں کوئی زخم یا تکلیف ہوتی ہے تو پورا بدن اس درد میں شریک ہوتا ہے۔

باہمی رحمت و الفت: ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اِرْحَمُوا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ" (تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا)۔ جبکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہِ خَیْرُکُمْ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عَیَالِہٖ" (پوری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے تم میں سے بہتر وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ حسن سلوک کرے گا۔ رحم و محبت کا یہ سبق سکھا کر رحمت عالم ﷺ نے خبردار کیا کہ جو شخص رحمت و محبت سے خالی ہے اس پر بھی رحم نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ فرمایا "مَنْ لَا یَرْحَمْ لَا یُرْحَمْ" (جو رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جائے گا)۔

باہمی حسن سلوک: مومنوں کا آپس میں باہمی حسن سلوک اور مہربانی بھی مثالی ہوتا ہے پورا مسلم معاشرہ اخوت کی ایسی لڑی میں پرویا ہوا ہے جیسے پھولوں کا کوئی ہار ہوتا ہے تمام مسلمان ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں۔ مشکل گھڑی میں ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ الْمَرْصُوْصِ یَشُدُّ بَعْضُہٗ بَعْضًا" (مومن مومن کے لیے ایک پختہ دیوار کی طرح ہوتا ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے) اس ارشاد گرامی کے بعد آپ ﷺ نے اپنے دونوں مبارک ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم پیوست کر کے صحابہؓ کو دکھایا جبکہ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے مسلمان کو مسلمان کا بھائی قرار دیا اور فرمایا: "اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُہٗ وَلَا یَحْقِرُہٗ" (مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور نہ اسے حقیر سمجھتا ہے) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے تمام مومنوں کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیا ارشاد فرمایا: "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ" کہ تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ چنانچہ دنیا کے کسی بھی خطے میں بسنے والا مسلمان کائنات کے سارے مسلمانوں کا بھائی ہے۔ اس کا دکھ سب کا دکھ ہے اس کی خوشی سب کی خوشی ہے۔

حدیث نمبر ۱۶ — ذمہ داری اور جواب دہی

عَنْ	عبد اللہ بن عمرؓ	اَنَّ	رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ	قَالَ
سے (روایت)	عبد اللہ بن عمرؓ	بے شک	رسول اللہ ﷺ نے	ارشاد فرمایا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے ارشاد

اَلَا	كُلُّكُمْ	رَاعٍ	وَ كُلُّكُمْ	مَسْئُولٌ	عَنْ
خبردار	تم میں سے ہر ایک	نگہبان ہے	اور تم میں سے ہر ایک	سوال کیا جائے گا	کے بارے

آگاہ رہو تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعایا کے

رَعِيَّتِهٖ	فَالْاِمَامُ	الَّذِیْ عَلَى النَّاسِ	رَاعٍ	وَهُوَ
اس کی رعایا	پس حاکم	جو لوگوں پر بنایا گیا	نگہبان ہے	اور وہ

بارے پوچھا جائے گا۔ پس وہ شخص جو لوگوں پر حکمران بنایا گیا ہے اس سے بھی

مَسْئُولٌ	عَنْ رَعِيَّتِهٖ	وَالرَّجُلُ	رَاعٍ	عَلٰى
جوابدہ ہوگا	اس کی رعایا کے بارے	اور آدمی	نگہبان ہے	اوپر

اس کی رعایا کی بابت پوچھا جائے گا اور آدمی اپنے گھر والوں پر نگہبان

اَهْلِ بَيْتِهٖ	وَهُوَ	مَسْئُولٌ	عَنْ	رَعِيَّتِهٖ
اپنے گھر والوں پر	اور وہ	جوابدہ ہوگا	بارے	اپنی رعایا کے

ہے اور اسے بھی اپنی رعایا (گھر والوں) کے بارے جوابدہ ہونا پڑے گا۔

وَالْمَرْاَةُ	رَاعِيَةٌ	عَلٰى	بَيْتِ	زَوْجِهَا	وَ	وَلَدِهٖ
اور عورت	نگہبان ہے	پر	گھر	اپنے خاوند	اور	شوہر کی اولاد

اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد پر نگران ہے

وَ	هِيَ	مَسْئُولَةٌ	عَنْهُمْ
اور	وہ	جواب دہ ہے	ان کے بارے میں

اور وہ ان کے متعلق جواب دہ ہے

وَ عَبْدُ الرَّجُلِ	رَاعٍ	عَلٰى	مَالِ سَيِّدِهٖ	وَهُوَ	مَسْئُولٌ	عَنْهُ
آدمی کا غلام	نگہبان ہے	اوپر	اپنے آقا کے مال	اور وہ	جوابدہ ہے	اسکے بارے

کسی کا غلام بھی اپنے آقا کے مال و دولت پر نگہبان ہے اور اس سے اس کے بارے پوچھا جائے گا

اَلَا	فَكُلُّكُمْ	رَاعٍ	وَ كُلُّكُمْ	مَسْئُولٌ
خبردار	پس تم میں سے ہر ایک	نگہبان ہے	اور تم میں سے ہر ایک	جوابدہ ہے

خبردار آگاہ رہو تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت

عَنْ	رَعِيَّتِهٖ
بارے	اپنی رعایا

(متفق علیہ)

کی بابت پوچھا جائے گا

تشریح

حدیث کا موضوع: اس حدیث کا موضوع ''مختلف ذمہ داروں کی جوابدہی'' ہے۔ مذکورہ بالا حدیث کے درج ذیل پانچ حصے ہیں:

۱- حاکم وقت کی ذمہ داری ۲- شوہر کی ذمّہ داری ۳- بیوی کی ذمہ داری
۴- غلام کی ذمہ داری ۵- ہر فرد کی ذمّہ داری

۱- حاکم وقت کی ذمہ داری: اس حدیث میں حضور نبی کریم ﷺ نے سب سے پہلے جس ذمہ دار کا ذکر فرمایا وہ حاکم وقت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حکمران اپنی سلطنت میں رہنے والے تمام لوگوں کا نگہبان ہے اور قیامت کے دن اس سے اپنی رعایا کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا کہ کیا تو نے اللہ تعالیٰ کی مخلوق جو تیری رعایا تھی ان کے جملہ حقوق کا خیال رکھا، ان میں عدل وانصاف سے کام لیا، کوئی بھوکا تو نہیں سویا وغیرہ وغیرہ۔ حضرت عمر فاروقؓ رات کو مدینہ کی گلیوں میں گشت کرتے اور لوگوں کی ضروریات کا خیال رکھنے کے لیے اپنے گورنروں سے باز پرس بھی کرتے۔ آپؓ کا مشہور قول ہے کہ ''اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری کا بچہ بھی ظلم سے مارا جائے گا تو قیامت کے روز مجھ سے پوچھا جائے گا۔ ایک مرتبہ آپؓ نے ایک بوڑھے ذمی کو بھیک مانگتے دیکھا تو پوچھا بھیک کیوں مانگ رہے ہو تو اس نے کہا جزیہ کی ادائیگی کے لیے رقم اکٹھی کر رہا ہوں۔ آپؓ نے فوراً حکم دیا کہ تمام بوڑھے ذمیوں کا جزیہ معاف کر دیا جائے اور فرمایا کہ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ ہم ان کی جوانی سے تو فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں ان کو مشقت میں ڈال دیں۔

۲- خاندان کے سربراہ کی ذمہ داری: اس حدیث میں آپ ﷺ نے دوسرے نمبر پر خاندان کے سربراہ کی یہ ذمہ داری لگائی کہ وہ اپنے گھر میں اہل خانہ کی جملہ ضروریات کا خیال رکھے۔ انہیں نیکی کی تلقین کرے اور برے کاموں سے بچائے۔ سورۃ تحریم کی آیت نمبر ۶ میں ارشاد فرمایا: ﴿ يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوٓا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا ﴾ (اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ)۔

علاوہ ازیں خاندان کے سربراہ کو چاہیے کہ وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ زیادہ وقت گزارے اور ان کی اخلاقی تربیت کرے۔ خود بھی اسلامی شعائر اور اقدار کی پابندی کرے اور انہیں بھی اس کی تلقین کرتا رہے۔ ایسے ہی گھرانوں میں بیوی بچے آنکھوں کی ٹھنڈک ہوا کرتے ہیں۔ اگر ہر شوہر اور خاندان کا سربراہ ایسا ہو جائے تو پورا معاشرہ پھولوں کی سیج

بن جائے گا۔

۳- عورت (بیوی) کی ذمہ داریاں: اس حدیث میں آپ ﷺ نے تیسرے نمبر پر عورت یعنی بیوی کو بھی اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کا نگہبان اور ذمہ دار قرار دیا۔ ظاہر ہے بیوی کے بغیر کوئی گھر مکمل نہیں ہو سکتا اس لیے آپ ﷺ نے بیوی کو اپنے شوہر کے گھر بار اور اس کی اولاد کی تعلیم و تربیت کا ذمہ دار قرار دیا ہے گویا عورت کے لیے اس کا گھر اس کی مملکت ہے جس کی وہ ملکہ ہے۔ جب کہ بچوں کی نگہداشت، ان کی دینی اور اخلاقی تربیت کرنا اس کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ خاندان کا سکون و آسائش عورت ہی کی بدولت ہوتا ہے اس لیے آپ ﷺ نے اسے اپنے گھر بار اور بچوں پر نگران قرار دیا۔

۴- غلام (خادم) کی ذمہ داری: اسلام نے جہاں آقا اور سردار کو ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا ہے وہیں غلاموں پر بھی ذمہ داریاں عائد کیں ہیں۔ اس کے متعلق آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غلام بھی ایک حوالے سے نگہبان ہے اور اس کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے مالک کے مال واسباب اور گھر کی حفاظت کا ذمہ دار ہے مالک اس کو جو ذمہ داری سونپے اور جس کام کا امین بنائے وہ اسے بطریقِ احسن ادا کرے۔ مالک اگر اسے اپنے کاروبار کی دیکھ بھال کا کہے تو اس میں ایمان داری سے مالک کی مدد کرے۔ مالک کے نفع نقصان کو اپنا نفع نقصان سمجھے اور رات دن اپنے آقا کی طرح اس کی تجارت میں مصروف رہے۔ گویا مالک کا مال دولت اور گھر بار جائیداد غلام کی رعایا ہیں اور کل قیامت کے دن اس غلام سے بھی پوچھا جائے گا کہ تو نے اپنے مالک سے اور اس کے مال سے کہاں تک انصاف کیا یا کتنی وفاداری کی تھی۔

۵- عامۃ الناس کی ذمہ داریاں: اس حدیث کے آخر میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ معاشرے کا ہر فرد اپنے اپنے دائرہ کار میں ذمہ دار اور نگہبان ہے۔ ظاہر ہے زندگی کے تمام شعبہ جات میں ہر فرد کوئی نہ کوئی پیشہ اور کام سرانجام دیتا ہے۔ چنانچہ ہر ایک کی یہ ذمہداری ہے کہ وہ اپنے پیشہ، کام اور ڈیوٹی میں نیک نیت ہو اور اپنے فرائض منصبی ایمانداری سے ادا کرے۔ استاد ہے تو بروقت اپنے طلبہ کو پڑھائے طلبہ اپنے اساتذہ سے صحیح طور پر پڑھیں۔ ڈاکٹرز اپنے مریضوں کا صحیح صحیح علاج کریں، دوکاندار اور تاجر حضرات اپنی تجارت میں ایمانداری سے کام لیں۔ اسی طرح کسان اور مزدور الغرض معاشرے کا ہر فرد اپنے فرائض منصبی صحیح طور پر ادا کرے کیونکہ ہر ایک سے اس کے کام اور ذمہ داریوں کے متعلق باز پُرس ہوگی۔

ختم نبوت

حدیث نمبر ۱۷

عَنْ	أَبِي هُرَيْرَةَ	أَنَّ	رَسُولَ اللهِ ﷺ	قَالَ
سے (روایت)	ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ	بے شک	اللہ کے رسول ﷺ	فرمایا

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ بے شک رسول کریم ﷺ نے فرمایا

إِنَّ	مَثَلِي	وَ مَثَلَ الأَنْبِيَاءِ	مِنْ قَبْلِي	كَمَثَلِ	رَجُلٍ
بے شک	میری مثال	اور (دیگر) انبیاء کی مثال	مجھ سے پہلے	جیسے کہ مثال	ایک آدمی

بے شک میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایک ایسے آدمی کی مانند ہے

بَنَى	بَيْتًا	فَأَحْسَنَهُ	وَ أَجْمَلَهُ
اس نے بنایا	ایک گھر	پس اس نے اسے نہایت حسین بنایا	اور نہایت جمیل

جس نے ایک نہایت ہی حسین و جمیل گھر تعمیر کیا ہو مگر

إِلَّا	مَوْضِعَ	لَبِنَةٍ	مِنْ زَاوِيَةٍ
سوائے	جگہ	ایک اینٹ	کسی کونے میں

اس کے کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی ہو

فَجَعَلَ النَّاسُ	يَطُوفُونَ بِهِ	وَ يَعْجَبُونَ لَهُ
پس لوگ شروع ہوئے	اس کے اردگرد گھومنے	اور حیران ہونے لگے

پس لوگوں نے اس کو دیکھنا اور اس کے گرد گھومنا شروع کر دیا اور وہ اس کے بارے میں حیران

وَ يَقُولُونَ	هَلَّا	وُضِعَتْ	هٰذِهِ اللَّبِنَةُ
اور کہنے لگے	کیوں نہیں	رکھی گئی	یہ اینٹ

ہو کر کہنے لگے اس میں یہ اینٹ کیوں نہیں لگائی گئی

قَالَ	فَأَنَا اللَّبِنَةُ	وَ أَنَا	خَاتَمُ
آپ ﷺ نے فرمایا	پس میں وہ اینٹ ہوں	اور میں	ختم کرنے والا

آپ ﷺ نے فرمایا پس میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں سلسلۂ نبوت کو

النَّبِيِّيْنَ	(رواہ البخاری)
انبیاء	اسے امام بخاریؒ نے روایت کیا

ختم کرنے والا ہوں۔

تشریح

موضوع حدیث: اس حدیث کا موضوع ''ختم نبوت کا بیان'' ہے۔

ختم نبوت کا بیان قرآن میں: قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ [الاحزاب: ۴۰] (محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ وہ تو اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں) ختم نبوت کا عقیدہ اسلامی عقائد میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے اگر کوئی شخص حضور ﷺ کی ختم نبوت کو نہیں مانتا اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ آپ ﷺ کے بعد بھی کوئی نبی آ سکتا ہے تو ایسا شخص دائرہ اسلام سے فوری طور پر خارج ہو جاتا ہے۔ فقط یہی نہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا بلکہ آپ کے لائے ہوئے دین کے بعد کوئی نیا دین یا شریعت نہیں آئے گی چنانچہ سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر ۳ میں واضح انداز میں ارشاد فرمایا: ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔'' لہٰذا دین کا مکمل ہونا اور اس دین کو آپ ﷺ کی قیامت تک آنے والی امت کے لیے پسند فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں اور اب کسی اور نبی اور رسول کی ضرورت نہیں ہے۔

ختم نبوت کا بیان احادیث میں: کئی احادیث مبارکہ میں حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے آخری نبی ہونے کی وضاحت فرمائی۔ ایک حدیث میں فرمایا: أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ (میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا)

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: ''میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد کسی نبی کی آخری مسجد ہے۔'' اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: نبوت و رسالت ختم ہو چکی ہے میرے بعد نہ کوئی نبی ہے اور نہ کوئی رسول۔ گویا ختم نبوت کا عقیدہ قرآن، حدیث اور اجماع سے ثابت ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں مُسَیْلَمَہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تو تمام صحابہؓ نے مل کر اس کے خلاف جہاد کیا اور اس کو جنگ یمامہ میں واصلِ جہنم کیا۔ آج کے دور میں بھی مرزا غلام احمد قادیانی جیسے بدباطن شخص نے نبوت کا دعویٰ کر دیا تو امت مسلمہ اس کے خلاف ایک ہو گئی اور ریاستی سطح پر اس پر ایمان لانے والوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔

حدیث نمبر ۱۸ فضیلتِ صحابہؓ

عَنْ	أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ	قَالَ	قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ
سے (روایت)	حضرت انس بن مالکؓ	اس نے کہا	اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے اس نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

أَرْحَمُ	أُمَّتِيْ	بِأُمَّتِيْ	أَبُوبَكْرٍ	وَأَشَدُّهُمْ	فِي
سب سے زیادہ رحیم	میری امت میں	میری امت کے ساتھ	ابوبکرؓ	اور سب سے زیادہ سخت	میں

میری امت میں میری امت کے ساتھ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ابوبکر ہے اور دین کے معاملے میں سب سے زیادہ سخت

أَمْرِ اللّٰهِ	عُمَرُ	وَأَصْدَقُهُمْ	حَيَاءً	عُثْمَانُ	وَأَقْضَاهُمْ عَلِيٌّ	وَأَقْرَؤُهُمْ
اللہ کے معاملات	عمرؓ	اور سب سے زیادہ سچا	حیاء کے اعتبار سے	عثمانؓ	سب سے بڑا قاضی علیؓ ہے	اور سب بڑا قاری

عمر ہیں اور حیاء کے اعتبار سے سب سے زیادہ سچا عثمان ہے اور اللہ کی کتاب (قرآن)

لِكِتَابِ اللّٰهِ	أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ	وَأَفْرَضُهُمْ	زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ
اللہ کی کتاب	ابی بن کعبؓ	اور سب سے بڑا وراثت جاننے والا	زید بن ثابتؓ

کا سب سے بڑا قاری أبیّ بن کعب ہے اور وراثت کے علوم کا سب سے بڑا ماہر زید بن ثابت ہے

وَأَعْلَمُهُمْ	بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ	مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ	أَلَا	وَإِنَّ	لِكُلِّ
اور سب سے بڑا عالم	حرام وحلال کے بارے میں	معاذ بن جبلؓ	خبردار	اور بیشک	ہر ایک

اور حرام و حلال کا سب سے بڑا عالم معاذ بن جبل ہے اور آگاہ رہو کہ بے شک ہر ایک امت

أُمَّةٍ	أَمِيْنًا	وَإِنَّ	أَمِيْنَ	هٰذِهِ الْأُمَّةِ	أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ
امت کا	امین ہے	اور بیشک	امین	اس امت کا	ابوعبیدہ بن الجراح

کا ایک امین ہوتا ہے اور بلاشبہ اس امت کا امین ابوعبیدہ بن الجراح ہے۔ (رواہ احمد و الترمذی)

تشریح

<u>موضوع حدیث:</u> اس حدیث کا موضوع ''مناقب صحابہ بہ زبان مصطفیٰ ﷺ'' ہے۔

<u>حضرت صدیق اکبرؓ:</u> اس حدیث میں حضور نبی کریم ﷺ نے کچھ صحابہؓ کرام کے فضائل کو بیان کیا ہے ان میں سے سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے ارشاد فرمایا کہ وہ میری امت میں میری امت کے ساتھ سب سے زیادہ شفیق ہیں۔ ان کی یہ فضیلت بطور خاص حدیث نبوی ﷺ میں ارشاد ہوئی کیونکہ انہیں حضور ﷺ کے ساتھ اوروں کی نسب صحبت اور معیت زیادہ نصیب ہوئی یوں آپ ﷺ کے فیضان سے آپ کو زیادہ حصہ نصیب ہوا اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا تھا اور آپ اللہ کی مخلوق پر حد درجہ شفیق تھے اس لیے آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ میں اس کا عکس نظر آتا ہے چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کے بارے آپ ﷺ کی گواہی ہے کہ میری امت

کے ساتھ سب سے زیادہ رحم کرنے والے ابو بکرؓ ہیں۔ آپؓ کے دیگر بے شمار اوصاف و فضائل ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱- غار ثور میں اپنی جان خطرے میں ڈال کر حضور ﷺ کی حفاظت فرمائی۔

۲- غزوہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں آپ کی رائے پر عمل کیا گیا۔

۳- منہ مانگے دام دے کر حضرت بلالؓ کو خریدا اور پھر انہیں آزاد کر دیا۔

۴- واقعہ معراج کی فوراً تصدیق کی جس کی وجہ سے صدیق کا لقب عطا ہوا۔

حضرت عمر فاروقؓ: دوسرے صحابی جن کو بارگاہ نبوی سے ایک خصوصی شرف ملا وہ حضرت فاروق اعظمؓ ہیں ان کے بارے آپ ﷺ نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ میرا عمرؓ دین کی اقدار کے معاملے میں سب سے زیادہ سخت ہے۔ اسی وجہ سے جب آپؓ ایمان لائے تو فوری طور پر خانہ کعبہ میں جا کر اعلانیہ نماز ادا فرمائی۔ جب ہجرت کرنے لگے تو خانہ کعبہ میں جا کر قریشِ مکہ میں اعلان کیا کہ آج عمر ہجرت کر رہا ہے اگر کوئی اپنے بچوں کو یتیم کروانا چاہتا ہے تو مجھے ہجرت سے روک لے۔ آپؓ کے اوصاف وفضائل بھی بے شمار ہیں جیسے کہ دیگر احادیث میں حضور نبی کریم ﷺ نے انہیں "فاروق" (حق و باطل میں فرق کرنے والا) کا لقب عطا فرمایا۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "شیطان عمر کے سایہ سے بھاگتا ہے" حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں مختلف علاقوں کے گورنر ان کے خوف سے کانپتے رہتے اور رعایا کے ساتھ اچھا سلوک کرتے۔ اگر کسی گورنر کے بارے میں کوئی شکایت موصول ہوتی تو فوری طور پر اس سے باز پرس کرتے۔ ایک علاقے کے گورنر کے بارے میں آپ کو پتہ چلا کہ وہ باریک قیمتی لباس زیب تن کرتا ہے حضرت عمرؓ نے اسے مدینہ بلوا بھیجا جب وہ حاضر ہوا تو اسے اون کا لباس پہنا کر بکریوں کا ریوڑ دے کر حکم دیا کہ تمہارا باپ بھی بکریاں چرایا کرتا تھا لہٰذا تم بھی یہ بکریاں چراؤ۔ یہ گویا دین کے معاملات میں آپؓ کے سخت گیر ہونے کی دلیل ہے۔

حضرت عثمان غنیؓ: اس حدیث میں آپ ﷺ نے حضرت عثمان کے شرم و حیاء کے وصف کو ارشاد فرمایا کہ میری امت میں حیاء کے اعتبار سے عثمان سب سے بڑھ کر ہے اور سب سے زیادہ سچا ہے ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ ایک مرتبہ صحابہ میں تشریف فرما تھے اور آپ کی چادر مبارک ٹخنوں سے ذرا اوپر تھی اور پنڈلی مبارک کا کچھ حصہ نظر آرہا تھا۔ اتنے میں حضرت عثمانؓ آئے تو آپ ﷺ سمٹ کر بیٹھ گئے اور اپنی چادر مبارک کو درست کیا۔ صحابہؓ نے آپ ﷺ کے اس اہتمام کی بابت دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس سے اللہ کے فرشتے بھی حیاء کرتے ہیں میں اس سے حیا کیوں نہ

کروں'' اس کے علاوہ آپ ﷺ کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا یکے بعد دیگرے آپؓ کے عقد میں آئیں۔ اسی وجہ سے آپ کا لقب (ذوالنورین) ہے۔

حضرت علیؓ: اس حدیث میں آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو سب سے زیادہ فیصلہ کرنے والا ارشاد فرمایا: آپؓ کے فضائل و مناقب بھی بے شمار ہیں۔ ہجرت کی رات آپ ﷺ نے آپؓ ہی کو اپنے بستر پر سلایا اور قریش کی امانتیں ان کے سپرد کر کے فرمایا کہ ان لوگوں کی امانتیں واپس لوٹا کر تم بھی مدینے آ جانا۔ خیبر کے قلعہ کی فتح والی رات ارشاد فرمایا کہ کل میں جھنڈا اس شخص کے ہاتھ میں دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتے ہیں چنانچہ دوسرے دن صبح حضرت علیؓ کو بلوا بھیجا۔ آپ ﷺ کو عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ ان کو آشوبِ چشم ہے آپ ﷺ نے فرمایا اسے میرے پاس لے آؤ چنانچہ جب حضرت علیؓ آئے تو آپ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن لگایا تو ان کی آنکھیں فوراً ٹھیک ہو گئیں اور آپ ﷺ نے انہیں جھنڈا عطا فرمایا پھر انہی کے ہاتھوں قلعۂ خیبر فتح ہوا۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے دور خلافت میں کسی فیصلے میں آپؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کی رہنمائی اور مدد کی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا'' علاوہ ازیں حضور ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے عقد میں آئیں اور انہی سے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے جن کو حضور ﷺ نے جنتی جوانوں کا سردار فرمایا۔ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے بعد خلیفہ بنے عدل و انصاف اور فیصلہ سازی کی شان قائم فرمائی۔

حضرت اُبَیؓ ابن کعبؓ: اس حدیث میں آپ ﷺ نے حضرت ابی ابن کعبؓ کو قرآن کریم کا بڑا قاری کا لقب عطا فرمایا۔ ان کا پورا نام ابی بن کعب الاکبر الانصاری الخزرجی ہے۔ آپ کاتبین وحی میں سے تھے۔ آپؓ کا شمار چھ حفاظ صحابہ میں ہوتا ہے جو آپ ﷺ کے ساتھ قرآن کا دَور بھی کیا کرتے تھے۔ حضور ﷺ کی حیاۃ طیبہ میں فتویٰ بھی دیا کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے آپ کو ابو المنذر کی کنیت عطا فرمائی نیز حضور ﷺ کی بارگاہ سے سید الانصار کا خطاب ملا۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے آپؓ کو سید المسلمین (یعنی مسلمانوں کا سردار) کا لقب دیا۔ آپ کا وصال 19ھ میں مدینہ منورہ میں ہوا۔

حضرت زید بن ثابتؓ: اس حدیث میں حضور ﷺ نے حضرت زیدؓ بن ثابت کو وراثت کے علم کا وارث گردانا ہے۔ آپ کا تعلق بھی قبیلہ انصار سے تھا۔ آپ بھی کاتبین وحی صحابہؓ میں سے تھے۔ آپؓ کا شمار فقہاء صحابہ میں ہوتا تھا بالخصوص وراثت کے قوانین میں آپ ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ ہی نے حضرت فاروق اعظمؓ کے ساتھ مل کر حضرت ابوبکر صدیقؓ

کے زمانۂ خلافت میں قرآن کریم کو مصحف کی شکل میں لکھا۔ نیز حضرت عثمانؓ نے جب "المصاحف الائمہ" تیار کروائے تو بارہ صحابہ کرام جو تدوین قرآن کے پینل میں شامل تھے۔ اس پینل کا سربراہ حضرت زیدؓ بن ثابت انصاری کو ہی مقرر کیا گیا۔ آپ نے ۵۶ سال کی عمر میں ۵۴ھ میں مدینہ منورہ میں وصال فرمایا۔

<u>حضرت معاذ بن جبلؓ:</u> اس حدیث میں آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ بن جبل کو حلال و حرام کا ماہر شمار فرمایا ہے۔ آپ کا تعلق بھی انصار کے قبیلہ خزرج سے تھا۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے ستر افراد میں آپؓ بھی شامل تھے جنہوں نے حضور ﷺ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا۔ آپؓ کو حضور ﷺ نے یمن میں قاضی اور معلم کے طور پر بھیجا تھا۔ ۱۸ سال کی عمر میں اسلام لائے اور مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کی نگاہ کرم سے ممتاز مقام حاصل کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دَور خلافت میں ابوعبیدہ بن الجراح کے بعد شام میں گورنر مقرر کیے گئے۔ اسی سال طاعون کی وبا میں ۱۸ھ میں وفات پائی بوقت وصال آپ کی عمر ۳۸ سال تھی۔

<u>ابوعبیدہ بن الجراحؓ:</u> اس حدیث میں آپ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو امت محمدیہ کا امین ارشاد فرمایا ہے۔ آپ کا نام عمار بن عبداللہ بن الجراح الفہری القرشی ہے۔ آپؓ کا شمار عَشَرَۃ مُبَشَّرَۃ میں ہوتا ہے۔ آپؓ نے حضرت عثمانؓ بن مظعون کی معیت میں اسلام قبول کیا آپؓ نے دوسری ہجرت حبشہ میں شرکت کی۔ آپؓ نے حضور ﷺ کی معیت میں تمام غزوات میں شرکت کی۔ غزوہ اُحد میں آپؓ ثابت قدم رہنے والے صحابہ میں سے تھے۔ بلکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے چہرہ اقدس میں خُود کے جو ٹکڑے پھنس گئے تھے انہیں اپنے دانتوں سے پکڑ کر نکالا جس کی وجہ سے آپؓ کے سامنے والے دو دانت ٹوٹ گئے۔ آپ کا وصال بھی طاعون کی وباء میں ہوا۔

حدیث نمبر۱۹ امام حَسَنؓ کی فضیلت

عَنْ	أَبِيْ بَكْرَةَ	يَقُوْلُ	رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ	عَلَي
سے روایت	ابو بکرہؓ	وہ کہتے ہیں کہ	میں نے رسول ﷺ کو دیکھا	اوپر

حضرت ابو بکرہؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو

الْمِنْبَرِ	وَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ	إِلَي جَنْبِهٖ	وَهُوَ يُقْبِلُ
منبر (پر)	اور حسن بن علیؓ کو	آپ کے پہلو میں	اور وہ متوجہ ہوتے تھے

منبر پر دیکھا جب کہ حضرت حسن بن علیؓ آپ ﷺ کی گود میں تھے اور آپ ایک بار

عَلَي النَّاسِ	مَرَّةً	وَ عَلَيْهِ	أُخْرٰى	وَ يَقُوْلُ
لوگوں کی جانب	ایک بار	اور ان پر	دوسری بار	اور یہ ارشاد فرماتے

لوگوں کی جانب متوجہ ہوتے اور دوسری بار حضرت حسنؓ کو دیکھتے اور یہ ارشاد فرما رہے تھے

اِنَّ	اِبنِیْ هٰذَا	سَیِّدٌ	وَلَعَلَّ اللّٰه	اَنْ یُّصْلِحَ
بے شک	میرا یہ بیٹا	سردار ہے	اور یقیناً اللہ تعالیٰ	صلح کروائے گا

کہ بے شک میرا یہ بیٹا سردار ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے

بِهٖ	بَیْنَ	فِئَتَیْنِ	عَظِیْمَتَیْنِ	مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ
اس کے ذریعے	درمیان	دو گروہوں کے	دو بڑے بڑے	مسلمانوں کے

مسلمانوں کے دو بڑے بڑے گروہوں کے درمیان صلح کروائے گا۔ (رواہ البخاری)

تشریح

<u>موضوع حدیث:</u> اس حدیث کا موضوع "مناقب امام حسن رضی اللہ عنہ" ہے۔

<u>امام حسن رضی اللہ عنہ کے فضائل:</u> ویسے تو امام حسن مجتبیٰ اور امام حسین رضی اللہ عنہما کا مقام بہت بلند ہے اس لیے کہ یہ دونوں شاہ زادے حضور نبی کریم ﷺ کے نواسے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے فرزندان ہیں اور خود نبی کریم ﷺ نے ان کو جنت کے جوانوں کے سردار کا لقب عطا فرمایا جبکہ جنت میں ہر ایک نے جوان ہونا ہے گویا یہ شہزادے تمام جنت والوں کے سردار ہوں گے۔

حدیث زیر نظر میں آپ ﷺ حضرت امام حسن کو منبر پر گود میں بٹھا کر بار بار ان کو دیکھ رہے تھے اور ساتھ ہی ان کے متعلق یہ ارشاد فرماتے تھے کہ "میرا یہ بیٹا سردار ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کروائے گا۔ چنانچہ پھر تاریخ نے دیکھا کہ جب سیدنا حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسنؓ کو خلیفہ بنایا گیا تو آپ نے چھ ماہ کے بعد ہی حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں چند شرائط پر صلح کر لی اور یوں امت ایک بہت بڑے فتنے سے بچ گئی اور امتِ مسلمہ اسلام دشمنوں کی سازشوں سے محفوظ ہو گئی۔

حدیث نمبر ۲۰ — عمدہ اَدوارِ اسلام

عَنْ	عمرانؓ بن حصین	یَقُوْلُ	قَالَ رسول اللّٰه ﷺ
سے روایت	عمران بن حصین رضی اللہ عنہ	وہ کہتے ہیں	رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

خَیْرُ اُمَّتِیْ	قَرْنِیْ	ثُمَّ الَّذِیْنَ	یَلُوْنَهُمْ
میری امت کا بہترین دور	میری صدی ہے	پھر وہ لوگ بہتر ہوں گے	جو ان کے قریب تر ہوں گے

کہ میری امت کا سب سے بہتر زمانہ میرا دور ہے (عہد نبوی و صحابہؓ) پھر وہ لوگ بہتر ہوں گے جو ان

ثُمَّ الَّذِيْنَ	يَلُوْنَهُمْ
پھر وہ لوگ ہوں گے	جو ان کے قریب تر ہوں گے

ب کے قریب ترین ہوں گے (تابعین کا دور) پھر وہ بہتر ہوں گے جو ان کے قریب تر ہوں گے۔

تشریح

حدیث کا موضوع: اس حدیث کا موضوع ''امت محمدیہ کے ادوار کی درجہ بندی'' ہے۔

عہد نبوی و عہد صحابہؓ: حدیث زیر نظر میں حضور ﷺ نے اپنی امت کے لیے بہتری اور خیر وصلاح کے ادوار کی تقسیم فرمادی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ میری امت کے لیے سب سے بہتر دَور تو میری ظاہری حیات طیبہ کا دَور اور صدی ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں میرے صحابہ کتاب اللہ اور شریعت اسلامیہ کے متعلق براہ راست مجھ سے فیضان حاصل کر رہے ہیں۔ نیز یہ کہ اس دَور میں آقا کریم ﷺ کے وجود مسعود کی برکات سے نہ صرف مسلمان متمتع ہو رہے تھے بلکہ کفار بھی عام عذاب الٰہی سے محفوظ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب کفار نے آپ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ اگر تمہارا دین سچا ہے تو ہمارے اوپر پتھروں کی بارش یا دردناک عذاب کیوں نہیں آتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے جواباً ارشاد فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ﴾ (ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس بات کو مناسب نہیں سمجھتا کہ اے محبوب آپ بھی ان میں موجود ہوں اور میں ان پر عذاب نازل کر دوں) ہم نے تو آپ کو رحمۃ للعالمین بنایا ہے اس لیے آپ کی موجودگی میں ان پر عمومی عذاب نازل نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ چونکہ قیامت تک کے لیے آپ ﷺ کا زمانہ نبوت رہے گا اس لیے امت محمدیہ پر بھی عمومی عذاب نازل نہیں ہوگا۔ البتہ نافرمانوں کو متنبہ کرنے کے لیے مخصوص اوقات اور مخصوص علاقوں میں قحط، سیلاب، زلزلے اور وبائی امراض وغیرہ آتے رہیں گے تاکہ نافرمان اور سرکش لوگ اپنی سرکشی اور نافرمانی سے باز آجائیں اور نیکوکار بندگی و اطاعت میں مزید اضافہ کریں۔

عہد تابعین: اس حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے اور میرے صحابہ کے بعد والا دَور دوسرے درجہ پر بہترین ہوگا کیونکہ اس دَور کو میرے دَور سے قربت کی نسبت حاصل ہے اس لیے وہ بھی خیر کا دَور ہوگا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تدوین حدیث اور تدوین فقہ کا کام اس دَور کے وہ کارنامے ہیں جن پر امت نازاں رہے گی۔ اس لیے آپ ﷺ نے اپنے دور کے بعد اس زمانہ کو بہتر قرار دیا۔

عہد اتباع تابعین و ما بعد: اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے لیے ان تابعین کے بعد آنے والے لوگوں کا زمانہ عمدہ ہوگا کیونکہ وہ ان کے قریب تر ہوں گے علیٰ ہٰذا القیاس یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا اور دین اسلام کی ترویج اور نشر و اشاعت کا کام

جاری و ساری رہے گا۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آخر میں آپ ﷺ نے بطور خاص یہ ارشاد فرمایا تھا کہ "فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ رُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ" (میری یہ باتیں جو سن رہے ہو ان تک پہنچا دینا جو اس وقت موجود نہیں کیونکہ پہنچائے جانے والے کتنے ایسے لوگ ہوں گے جو سننے والوں سے زیادہ میرے ارشادات کی حفاظت اور عمل کرنے والے ہوں گے گویا آپ ﷺ قیامت تک آنے والے اپنی امت کے نیکوکاروں کے احوال سے واقف تھے۔ ابو داؤد شریف کی حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "إِنَّ اللهَ سَيَبْعَثُ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا" (اللہ تعالیٰ میری امت میں ہر صدی کے آخر میں ایک ایسا شخص بھیجے گا جو اس دین کی تجدید کرے گا) چنانچہ ہر صدی میں مجددین پیدا ہوتے رہیں گے اور یوں احیائے دین کا کام جاری و ساری رہے گا۔ اگر کوئی جلال الدین اکبر کسی نئے دین اکبری کی بنیاد رکھے گا تو اس کی سرکوبی کے لیے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ بھی میدان میں اترے گا۔

معروضی سوالات

سوال نمبر1: درج ذیل میں ہر سوال کے ساتھ اس کے چار ممکنہ جوابات دیئے گئے ہیں، ان میں سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگایئے۔

1- حدیث کا لغوی معنی ہے۔

(a) کہانی (b) لطیفہ (c) بات اور گفتگو ✓ (d) پرانا

2- صحیح حدیث کی اقسام ہیں۔

(a) دو ✓ (b) تین (c) چار (d) پانچ

3- صحیح لذاتہ کی شرائط کی تعداد ہے۔

(a) 2 (b) 3 (c) 4 ✓ (d) 5

4- صحت یا ضعف کے اعتبار سے حدیث کی اقسام ہیں۔

(a) 2 (b) 3 ✓ (c) 4 (d) 5

5- صحابہ کرامؓ کے اقوال کہلاتے ہیں۔

(a) حدیث مقطوع (b) حدیث مرسل (c) حدیث موقوف ✓ (d) حدیث ضعیف

6- حدیث اسلامی فقہ کا ماخذ ہے۔

(a) پہلا (b) دوسرا ✓ (c) تیسرا (d) چوتھا

7- صلح نامہ حدیبیہ ہوا؟

(a) 5ھ میں (b) 6ھ میں ✓ (c) 7ھ میں (d) 8ھ میں

8- صحیفہ علی مجموعہ تھا۔
(a) احادیث کا ✓ (b) قرآنی آیات کا (c) تفسیر کا (d) فقہ کا
9- حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنے۔
(a) 50ھ میں (b) 60ھ میں (c) 99ھ میں ✓ (d) 100ھ میں
10- صحاح ستہ سے مراد ہیں حدیث کی۔
(a) 5 کتابیں (b) 6 کتابیں ✓ (c) 7 کتابیں (d) 8 کتابیں

سوال نمبر:2 درج ذیل میں سے درست کے سامنے (✓) کا اور غلط کے سامنے (X) کا نشان لگائیے۔

1- حدیث کا لغوی معنی قصہ گوئی ہے۔ X
2- کسی صحابی کے قول کو تقریری حدیث کہتے ہیں۔ X
3- حضرت ابو ہریرہؓ کی مرویات سب سے زیادہ ہیں۔ ✓
4- امہات المومنین میں حضرت عائشہؓ کی مرویات کی تعداد زیادہ ہے۔ ✓
5- مرفوع حدیث کی سند متصل نہیں ہوتی۔ X
6- صحیح لذاتہ حدیث قابل قبول نہیں ہوتی۔ X
7- موضوع حدیث اصل میں حدیث ہی نہیں ہوتی۔ ✓
8- حدیث کے بغیر قرآن فہمی بہت آسان ہے۔ X
9- ''الجامع'' سفیان ثوری کی تالیف ہے۔ ✓
10- صحاح ستہ پانچ کتب حدیث کو کہا جاتا ہے۔ X

سوال نمبر3: درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجئے۔

س : حدیث کا اصطلاحی مفہوم لکھیے؟
ج : شرعی اصطلاح میں حدیث سے مراد حضور نبی کریم ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریر ہے۔ آپ ﷺ کی سنت کے بیان کو بھی حدیث کہا جاتا ہے۔

س : تقریری حدیث سے کیا مراد ہے؟
ج : تقریری حدیث سے مراد یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے کسی نے کوئی عمل کیا یا کوئی بات کہی اور آپ ﷺ نے وہ عمل دیکھ کر یا وہ بات سن کر خاموشی اختیا فرمائی اور منع نہ فرمایا، اسے تقریری خدیث کہتے ہیں۔

س : صحت یا ضعف کے اعتبار سے حدیث کی کتنی اور کون کون سی اقسام ہیں؟
ج : صحت یا ضعف کے اعتبار سے حدیث کی درج ذیل تین اقسام ہیں:
i- صحیح ii- حسن iii- ضعیف

س : موضوع حدیث سے کیا مراد ہے؟
ج : جھوٹی اور من گھڑت حدیث کو موضوع کہتے ہیں، یہ درحقیقت حدیث ہی نہیں ہوتی۔
س : مرسل حدیث کسے کہتے ہیں؟
ج : ایسی حدیث جس کا سلسلہ سند تابعی تک پہنچے اور وہ صحابی کا نام لیے بغیر حضور ﷺ سے حدیث ذکر کرے۔
س : حجیت حدیث کے بارے میں کوئی قرآنی آیت لکھیے؟
ج : سورۃ النساء کی آیت نمبر 80 میں ارشاد ربانی ہے: ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ ''جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔''
س : تدوین حدیث سے کیا مراد ہے؟
ج : تدوین حدیث سے مراد حضور نبی کریم ﷺ کی احادیث کو جمع کرنا اور ترتیب دینا ہے۔
س : کس دور کو تدوین حدیث کا سنہری دور کہا جاتا ہے؟
ج : تیسری صدی ہجری تدوین حدیث کا سنہری دور کہلاتی ہے۔ حدیث کی چھ مستند کتابیں جنہیں صحاح ستہ کہا جاتا ہے اسی دور کی تصانیف ہیں۔
س : صحاح ستہ کی کتب کے نام لکھیے؟
ج : صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ
س : اصول حدیث سے کیا مراد ہے؟
ج : یہ ایسا علم ہے جس کے ذریعے احادیث کی صحت اور عدم صحت کا علم ہوتا ہے اور احادیث کو مختلف زاویوں سے پرکھا جاتا ہے۔

۴- سیرتِ نبوی

علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

- مطالعۂ سیرت النبی ﷺ کی ضرورت و اہمیت
- تزکیۂ نفس اور تعمیرِ سیرت و شخصیت کا نبوی منہاج
- اخلاقی تعلیمات و سیرت النبی ﷺ

مطالعہ سیرتِ النبی ﷺ کی ضرورت و اہمیت

سیرت کا لغوی معنی چلنا اور طریقہ کار اختیار کرنا وغیرہ ہے اس کے علاوہ سیرت کا لفظ چال، کردار عادت اور خصلت کے معانی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسلامی اصطلاح میں رسول اللہ ﷺ کے اقوال، اعمال، خصائل اور احوال کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ سیرت کا لفظ قرآن مجید میں ''حالت'' کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ﴾ [سورہ طٰہٰ: ۲۱] (ہم پھر اس (سانپ) کو اس کی پہلی حالت (عصا) پر لوٹا دیں گے) اس آیت مبارکہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے سانپ بننے اور پھر سانپ سے دوبارہ عصا کی حالت میں لوٹنے کا معجزہ بیان کیا گیا ہے۔

۱- قرآن مجید اور مطالعہ سیرت النبی ﷺ

I- <u>اُسوہِ حسنہ:</u> قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کے لیے اُسوہِ حسنہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جس سے سیرت النبی ﷺ کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [سورہ الاحزاب: ۲۱] (یقیناً تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے)۔

II- <u>اعلیٰ اخلاق:</u> اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی عادات مبارکہ کو ''خُلقِ عظیم'' قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ [سورہ القلم: ۴] (یقیناً آپ (ﷺ) اخلاق کے اعلیٰ درجے پر فائز ہیں۔

III- <u>معلم کتاب و حکمت:</u> رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک بنیادی مقصد ''قرآن مجید'' اور حکمت (دانائی) کی تعلیم دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ ﷺ کی بعثت کو اہل ایمان پر احسان قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ [ال عمران: ۱۶۴] (اللہ تعالیٰ نے مومنین پر اس وقت احسان کیا، جب اس نے ان میں انہی میں سے ایک عظیم شان والا رسول ﷺ بھیجا، جو انہیں اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کر کے سناتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے)۔

اسی طرح قرآن مجید کی متعدد آیات میں آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطالعہ کی اہمیت اور ضرورت اجاگر کی گئی ہے۔

احادیث رسول ﷺ اور مطالعہ سیرت النبی ﷺ

دین اسلام کی بنیادی تعلیمات کا ماخذ قرآن مجید اور احادیث نبویہ ہیں۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو رسول اللہ ﷺ کے نطق سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ [النجم: ۳-۴] (اور وہ (رسول ﷺ) اپنی مرضی سے نہیں بولتا بلکہ وہ وہی کہتا ہے جو اسے وحی کیا جاتا ہے۔ جبکہ حدیثِ رسولؐ کلام الٰہی کا منشاء و مقتضیٰ ہے اور آپ ﷺ کے قول و عمل سے ثابت ہے۔

I- اطاعت رسول ﷺ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَىٰ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَنْ يَأْبَىٰ ؟ قَالَ من أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَن عَصَانِيْ فَقَدْ أَبَىٰ" (میری ساری امت جنت میں داخل ہو گی سوائے اس کے جس نے انکار کیا۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ انکار کون کرے گا فرمایا جو میری اطاعت کرے گا وہ جنت میں جائے گا اور جو میری اطاعت سے روگردانی کرے گا وہی منکر ہوگا۔

II- سنت و سیرت النبی ﷺ کی پیروی کا حکم: رسول اللہ ﷺ نے خود قرآن مجید کے ساتھ اپنی سنت و سیرت کو امت مسلمہ کے لیے لازم قرار دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "إِنِّي تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُم بِهِمَا كِتَابَ اللّٰهِ وَ سُنَّةَ نَبِيِّهِ" (میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اپنی سنت، اگر تم ان دونوں کو تھامے رکھو گے تو ہرگز گمراہ نہیں ہوگے۔) آپ ﷺ کی نبوت و رسالت اور کتاب وسنت قیامت تک کے لیے قائم و دائم ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کی روایت بھی قیامت تک کے لیے ہے۔

III- سچی ہدایت کا راستہ: رسول اللہ ﷺ نے اپنے راستے کو بہترین ہدایت کا راستہ قرار دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "إِنَّ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَ أَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ" (بے شک سب سے بہتر کلام اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور سب سے بہتر ہدایت کا راستہ محمد ﷺ کا راستہ ہے)۔

۳- قرآنی احکام کے فہم کے لیے مطالعہ سیرت النبی ﷺ: قرآن مجید کے مجمل احکام کی تفصیل مطالعہ سیرت النبی ﷺ سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں نماز کی ادائیگی کا حکم بار بار دیا گیا ہے جبکہ اس کی ادائیگی کا طریقہ بیان نہیں کیا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال کے جواب میں فرمایا: صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّيْ (نماز اس طرح پڑھو جس طرح تم مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو)۔

اسی طرح مناسک حج کی تفصیل بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: خُذُوا عَنِّی مَنَاسِکَکُمْ (مجھ سے ارکان حج کی ادائیگی کا طریقہ سیکھو)۔ گویا سیرت النبی ﷺ کے مطالعہ سے نماز پڑھنے اور حج کی ادائیگی کا طریقہ معلوم ہو گیا۔

۴۔ محبت الٰہی کے لیے: اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی اتباع ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ﴾ [آل عمران: ۳۱] (اے نبی ﷺ آپ فرما دیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرے گا)۔ اتباعِ رسول ﷺ کے لیے مطالعہ سیرت طیبہ لازمی ہے۔

۵۔ اتحادِ امت کے لیے: مطالعہ سیرت النبی ﷺ امت کو اختلافات سے بچا کر متحد و متفق رکھنے کا سب سے اہم ذریعہ ہے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ [النساء: ۵۹] (اگر تمہارا کسی معاملے میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی طرف لوٹا دو)۔ سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ کرنے سے آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ جن کی روشنی میں تمام اختلاف کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔ جس کے نتیجے میں امت انتشار اور افتراق سے بچ سکتی ہے۔

۶۔ عدل و قضاء کے لیے: لوگوں کو عدل و انصاف کی فراہمی سے معاشرے میں امن و سکون کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ عدل و انصاف کے تقاضے صرف اسی صورت پورے ہو سکتے جب قانون کی نگاہ میں احباب و اعداء، امیر و غریب اور شاہ و گدا سب برابر ہوں۔ بعض اوقات عدل و انصاف کے قیام میں اقرباء پروری اور جاہ و حشمت آڑے آجاتی ہیں یوں عدل و انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہو پاتے۔ مطالعہ سیرت النبی ﷺ ہمیں ہر حال میں اور ہر ایک سے عدل و انصاف کی تعلیم فراہم کرتا ہے۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

۷۔ محاسنِ اخلاق کے لیے: عمدہ اور اعلیٰ اخلاق سیکھنے کے لیے سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ ضروری ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ" (مجھے اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے)۔ مطالعۂ سیرت سے ہم عدل و انصاف، مساوات، ایفائے عہد، سچائی، امانتداری، شرم و حیاء، دیانتداری، خشیت الٰہی، فرائض کی ادائیگی، صبر و استقلال، اخوت، ایثار و قربانی اور رواداری جیسے اخلاقِ حَسَنَہ سیکھتے ہیں۔

۸۔ اعتدال کی زندگی گزارنے کے لیے: اوامر و نواہی کی اسلامی تعلیمات افراط و

تفریط سے محفوظ ہیں اور وہ انسان کو اعتدال کی زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھاتی ہیں۔ اس کا عملی نمونہ ہمیں سیرت النبی ﷺ سے ملتا ہے۔ آپ ﷺ کی عبادات میں اعتدال ہے، معاملات میں اعتدال ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا" (بہترین کام میانہ روی کے ہیں)۔

آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں دینی و دنیاوی معاملات میں اعتدال نظر آتا ہے۔ آپ کبھی روزہ رکھتے اور کبھی افطار بھی فرماتے۔ رات بھر قیام فرماتے اور کبھی آرام بھی فرماتے۔ ازواج مطہرات کو بھی وقت دیتے اور ان سے حُسنِ معاملہ سے پیش آتے۔ تجارت بھی کرتے اور ریاستی امور بھی سرانجام دیتے۔ لشکروں کی قیادت بھی فرماتے، علاقوں کو فتح بھی کرتے لیکن آپ ﷺ کی زندگی کا ہر پہلو میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے۔

۹- تبلیغ دین کے لیے: دین اسلام کی ترویج و اشاعت کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی ہر مسلمان پر اس کی استطاعت اور دائرہ اختیار کے مطابق لازم ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہر مسلمان کیسے اور کسے تبلیغ کرے؟ کس چیز کی اور کس وقت تبلیغ کرے یہ سب جاننے کے لیے سیرت النبی ﷺ کے تبلیغی طریقہ کار کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ رسول کریم ﷺ مبلغین کو ہمیشہ یہ تعلیم دیتے: بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا، یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا (خوشخبری سناؤ دین سے نفرت نہ دلاؤ، لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرو ان کے لیے تنگیاں پیدا نہ کرو)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب لوگ تمہاری بات سننے کے لیے تیار نہ ہوں تو انہیں تبلیغ نہ کرو خطبوں کو مختصر اور نمازوں کو لمبا کرو'' روزانہ تبلیغ کی بجائے کبھی کبھی تبلیغ کی جائے اور ہفتے میں کوئی دن مخصوص کر لیا جائے اہم امور کی تبلیغ پر زیادہ زور دیا جائے اور غیر ضروری باتوں پر وقت ضائع نہ کیا جائے۔

۱۰- دنیا و آخرت کی کامیابی کے لیے: اسلامی تعلیمات کے مطابق دنیا کی زندگی عارضی ہے جبکہ آخرت کی زندگی ہمیشہ کی زندگی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی﴾ [سورۃ الاعلیٰ:۱۷] (اور آخرت کی زندگی بہترین اور ہمیشہ رہنے والی ہے)۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے اگرچہ دنیاوی کامیابی کو بھی بہت اہمیت دی گئی ہے اس لیے قرآن مجید میں نیک لوگوں کی دعا اس طرح سے بیان کی گئی ہے: ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [سورۃ البقرۃ: ۲۰۱] (اے ہمارے رب ہمیں دنیا اور آخرت دونوں میں بھلائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا)۔ لہٰذا دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ ان احکام کی بجا آوری کا عملی نمونہ پیش کرتا ہے

جو ہمیں دنیا و آخرت میں کامیابی سے ہمکنار کرتے ہیں۔
اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ دراصل قرآن و سنت کا مطالبہ ہے تاکہ ہم اعلیٰ اخلاق سے مزین ہو سکیں، کتاب و حکمت کی تعلیم سے آراستہ ہوں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی کما حقہ بجا آوری کر سکیں، قرآنی احکام کو سمجھ کر اُن پر عمل کر سکیں تاکہ ہمیں محبت الٰہی حاصل ہو، امت مسلمہ میں اتحاد اور اخوت کے جذبات پروان چڑھ سکیں۔ قانون اور عدل و انصاف کی بالا دستی ہو سکے، اعتدال کی زندگی گزار سکیں۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ احسن طریق سے ادا کر سکیں اور ہر اس راستے پر چل سکیں جو ہمیں دنیا و آخرت میں سرخرو اور کامیاب کرے۔

تزکیۂ نفس اور تعمیر سیرت و شخصیت کا نبوی منہاج

تزکیۂ نفس کا مطلب دل کے اندر ایسی کیفیت پیدا کرنا جس سے دل نیکیوں کی طرف مائل ہو اور برائیوں سے نفرت کرنے لگے تزکیۂ نفس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اچھے اخلاق، عادات اور خیالات پیدا کیے جائیں۔ جب نفس انسانی کا تزکیہ ہو جاتا ہے تو دنیا و آخرت کی کامیابیاں حاصل ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾ [سورۃ الاعلیٰ:۱۴] (وہ کامیاب ہوا جس نے تزکیۂ نفس کیا)۔
قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا ایک اہم مقصد تزکیۂ نفس انسانی اور انسانی سیرت و شخصیت کی تعمیر بھی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد یوں بیان فرمایا ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ﴾ [سورۃ الجمعہ:۲] (وہی اللہ ہے جس نے امیوں میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا جو انہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے)۔
مذکورہ آیت کی روشنی میں نبی کریم ﷺ نے لوگوں کا تزکیہ اور ان کے سیرت و کردار کی تعمیر کی طرف خصوصی توجہ فرمائی اور ان تمام فاسد عقائد، رسومات اور خرافات سے لوگوں کو آزادی دلائی جو تزکیہ نفس کی راہ میں رکاوٹ تھے۔ ذیل میں نبی کریم ﷺ کی ان تعلیمات کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے جو تزکیہ نفس اور تعمیر سیرت و شخصیت کے لیے معاون ثابت ہوتی ہیں۔
۱۔ تعلق باللہ: آنحضرت محمد ﷺ نے تزکیۂ نفس کی بنیاد تعلق باللہ پر قائم فرمائی۔ انسانیت کو اس کے حقیقی خالق، مالک اور رازق سے روشناس کرایا۔ غیر اللہ کی عبادت سے نجات دلا کر صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا کیونکہ جو شخص اپنے رب سے غافل ہو جائے وہ صرف اپنی خواہشات کا بندہ ہو کر رہ جاتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی مضبوطی کی

صورت میں اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان، زندگی کے ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کو ترجیح دینا اس کا مقصد بن جاتا ہے۔ یہ مضبوط تعلق تزکیۂ نفس کا باعث بنتا ہے۔

۳۔ جس سے اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ باقی سب کی محبت کم تر ہو کر رہ جاتی ہے۔

۴۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے کرتا ہے جیسے وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔

۲۔ جواب دہی کا تصور: نبی کریم ﷺ کی تعلیمات نے انسان کے اندر جوابدہی کے تصور کو ان کے دل و دماغ میں راسخ کر دیا کہ انہیں اپنے رب کے حضور روزِ محشر کو حاضر ہونا ہے اور اپنے تمام نیک و بد اعمال کا حساب دینا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تصور انسان کو گناہوں سے باز رکھتا ہے اور اعمالِ صالح کی بجا آوری پر ابھارتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ [سورہ الزلزال: ۷-۸] (جس نے رائی کے دانے کے برابر نیکی کی تو وہ اسے ضرور دیکھے گا اور جس نے رائی کے دانے کے برابر برائی تو وہ بھی اسے ضرور دیکھے گا) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آخرت کے دن کوئی شخص بھی پانچ چیزوں کا جواب دیئے بغیر آگے حرکت نہیں کر سکے گا کہ عمر کن کاموں میں گزاری؟ جوانی کے ایام کن کاموں میں گزارے؟ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ سیکھے ہوئے علم کے کتنے حصے پر عمل کیا؟ آخرت میں جوابدہی کے تصور سے انسان میں تزکیۂ نفس کا عمل جاری رہتا ہے۔

۳۔ عبادات کی بجا آوری: تزکیۂ نفس اور تعمیرِ سیرت و شخصیت میں عبادات کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ عبادات نیکیوں کی طرف لے جاتی ہیں اور گناہوں سے بچاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ﴾ [سورۃ العنکبوت: ۴۵] (تحقیق نماز، بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے)۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص روزہ رکھ کر جھوٹ اور جھوٹے عمل کو نہ چھوڑے اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا اور پیاسا رہنے کی کوئی پرواہ نہیں"۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے مال کی محبت کم ہوتی ہے۔ ایثار اور قربانی کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔ حج سے اخوت اور مساوات اور عاجزی و انکساری پیدا ہوتی ہے۔ گویا عبادات کی ادائیگی پر زور دینے کا مقصد تزکیۂ نفس اور تعمیرِ سیرت و شخصیت ہے۔

۴۔ کسبِ رزقِ حلال: تزکیۂ نفس کے حصول کے لیے رسول کریم ﷺ نے حلال کمانے اور کھانے پر بہت زور دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ" (حلال روزی کمانے کی کوشش کرنا فرض کے بعد ایک اہم فرض ہے)۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ کی کمائی کو سب سے بہترین کمائی قرار دیا۔ حلال روزی کمانے والا رشوت، ملاوٹ، چوری، ڈاکہ زنی، جوا و قمار بازی، سود اور کم تولنا وغیرہ جیسی

برائیوں سے بچتا ہے تاکہ تزکیہ نفس حاصل ہو اور بہترین شخصیت پروان چڑھے۔

۵- بخل سے اجتناب: مال و دولت کی بے جا محبت انسان میں حرص و ہوس اور بخل جیسی اخلاقی برائیوں کا سبب بنتی ہے جو تزکیہ نفس کے حصول میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بخل کی مذمت فرمائی اور فرمایا کہ بخیل اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے بندوں سے دور ہوتا ہے اور جنت سے بھی دور ہوتا ہے جبکہ اس کے مقابلے میں سخاوت اور انفاق فی سبیل اللہ سے مال کی محبت کم ہوتی ہے اس طرح انسانی شخصیت کی تعمیر عمدہ ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ﴿إِذَا نَظَرَ اَحَدُكُمْ إِلَى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَ الْجِسْمِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلُ مِنْهُ﴾ (تم میں سے جو کوئی شخص اپنے سے زیادہ مالدار اور خوبصورت شخص کو دیکھے تو وہ فوراً اپنے سے مال اور جسم میں کم تر کو دیکھے)۔

٦- اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر ہر دم شکر ادا کرنے سے بھی نفس کا تزکیہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاشْكُرُوا لِي وَ لَا تَكْفُرُونِ﴾ [سورہ البقرہ: ۱۵۲] (تم میرا شکر ادا کرو اور میری نعمتوں کی ناشکری نہ کرو) شکر کی ادائیگی سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر نعمتوں میں اضافہ فرماتا ہے اور شکر گزاری کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کے راستے میں خرچ کیا جائے۔

۷- ایثار اور قربانی: خود غرضی اور نفس پرستی بُرے اخلاق ہیں جو شخص بھی ان برائیوں میں ملوث ہو وہ انسانی معاشرے کے لیے بے حد نقصان دِہ ہوتا ہے۔ جبکہ ان کے مقابلے میں شریعت اسلامیہ نے ایثار اور قربانی جیسے اخلاق حسنہ اپنانے کی تاکید کی ہے، جن سے تزکیہ نفس بڑھتا ہے اور انسان دوسرے انسانوں کے لیے اپنی مرغوب و محبوب چیزیں ان کی ضروریات پوری کرنے میں صرف کر دیتا ہے۔ اس طرح اس کی شخصیت میں اچھے اوصاف جنم لیتے ہیں اور بُرے اوصاف ختم ہونے لگتے ہیں اس لیے قرآن مجید میں انصار مدینہ کی تعریف میں ارشاد فرمایا: ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ [سورة الحشر: ۹] (اور وہ لوگ اپنی ضرورتوں کے باوجود دوسروں کی ضروریات پورا کرنے کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں)۔ ایثار و قربانی وہ عمل ہے جس سے تزکیہ نفس دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرتا ہے اور انسانی شخصیت کی بہترین تعمیر اور اصلاح ہوتی ہے۔

۸- زکوٰۃ کی ادائیگی: اللہ تعالیٰ نے نماز ادائیگی کے حکم کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کی ادائیگی پر بھی زور دیا ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کا ایک مقصد جو اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں ذکر کیا ہے وہ مال کی محبت کو کم کرنا اور تزکیہ نفس ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿خُذْ

مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا ﴾ [سورۃ التوبہ: ۱۰۳] (اے محبوب ﷺ! ان کے اموال سے زکوٰۃ لے کر ان کو پاک کرو اور ان کا تزکیہ کیجئے) یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تمام صاحب نصاب لوگوں سے زکوٰۃ کی وصولی کا خصوصی انتظام فرمایا تا کہ ان کا تزکیہ نفس ہو سکے۔

مذکورہ بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے مختلف فرامین اور اعمال کے ذریعے لوگوں کے نفوس کا تزکیہ کیا اور ان کے کردار اور شخصیت سازی پر خصوصی توجہ فرمائی جس کے سے ان کی زندگیاں تبدیل ہو گئیں۔

سیرت النبی ﷺ اور اخلاقی تعلیمات

آپ ﷺ کی پاکیزہ سیرت اور کردار سے زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی مقدس ذات اور زندگی کو اہل ایمان کے لئے بہترین نمونہ قرار دیا۔ ارشاد فرمایا: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (الاحزاب:21) آپ ﷺ کے اسی اسوۂ کامل سے ہمیں عمدہ اخلاق کا درس ملتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے عمدہ اخلاق کو خُلُق عظیم قرار دیا چنانچہ سورۃ القلم کی آیت نمبر 4 میں فرمایا: وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ (ترجمہ) بے شک آپ حسن اخلاق کے اعلیٰ اور عظیم درجے پر فائز ہیں۔

تیری خَلق کو رب نے جمیل کہا تیرے خُلق کو رب نے عظیم کہا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہو گا شاہا تیرے خالق حُسن و ادا کی قسم

جب کہ آپ ﷺ نے ایک حدیث میں اپنی بعثت کا مقصد عمدہ اخلاق کی تکمیل قرار دیا۔ ارشاد نبوی ہے: اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ (ترجمہ) "بے شک مجھے عمدہ اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہے"۔ ویسے تو محاسن اخلاق کی فہرست بڑی طویل ہے لیکن آپ ﷺ کی مبارک زندگی سے جو اخلاقِ حسنہ ہمیں نمایاں طور پر ملتے ہیں ان کی اجمالی فہرست کچھ اس طرح تیار کی جاسکتی ہے:-

دیانت داری، ایفائے عہد، سچائی، عدل و انصاف، قانون کا احترام، کسب حلال، ایثار، اخوت مساوات اور صبر و استقلال ذیل میں ہر ایک پر تفصیل سے بحث پیش کی جاتی ہے:-

1- دیانت داری

<u>دیانت کا لغوی معنی</u>: دیانت کا لغوی معنی درست، سچائی اور راست بازی کے ہیں۔

<u>دیانت کا اصطلاحی معنی</u>: زندگی کے تمام معاملات میں درست روش، سچائی اور راست

بازی کا مظاہرہ کرنا دیانتداری کہلاتا ہے۔ امانت اور دیانت دونوں لازم وملزوم ہیں۔

قرآن اور دیانتداری: معاشی اور معاشرتی تعلیمات کی مضبوطی اور استواری کے لئے دیانت داری بنیادی شرط ہے ورنہ اعتماد ختم ہونے کی صورت میں معاشرتی اور معاشی بگاڑ جنم لیتا ہے۔ ان تمام نقصانات سے بچنے کے لئے ارشاد خداوندی ہے: 1۔اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا۔ (سورۃ النساء:58) ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے اہل کے سپرد کرو۔ مومنوں کی جملہ صفات میں دیانتداری بہت اہم ہے۔

2۔ایمان والوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ۔ (سورۃ المومنون:8) (اور وہ جو اپنی امانتوں اور عہد کا خیال رکھتے ہیں)

3۔امانت کے بارے میں ارشاد فرمایا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ (البقرۃ:283) ترجمہ: امین بنایا جانے والا امانت کو ادا کرے۔

دیانتداری ازروئے حدیث: نبی پاک ﷺ نے تکمیل ایمان کے لئے دیانت داری کو ضروری قرار دیا: 1۔آپ ﷺ نے فرمایا: لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ: ترجمہ جس میں دیانت وامانت نہیں اس میں ایمان نہیں۔ 2۔منافق کی تین علامتیں ذکر کیں۔ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ۔وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ۔ ترجمہ (1) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (2) جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور (3) امانت میں خیانت کرے۔

اُسوۂ رسول ﷺ اور دیانت: اعلان نبوت سے قبل تمام کفار و مشرکین آپ ﷺ کو "الصادق و الامین" کے لقب سے پکارتے تھے۔ آپ ﷺ کی امانت و دیانت کا چرچا ہر زبان پر تھا۔ جب کفار نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مدینہ ہجرت کرنے کا حکم ارشاد فرمایا تو اس وقت آپ ﷺ کے پاس بہت سے لوگوں کی امانتیں محفوظ تھیں۔ ان خطرناک اور نازک حالات میں بھی آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کی ڈیوٹی لگائی کہ صبح امانتیں حق داروں کے سپرد کر کے مدینہ چلے آنا۔

صحابہ کرامؓ اور دیانتداری: آنحضرت ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہؓ بھی اپنی عملی زندگی میں امانت و دیانت کے پیکر تھے۔

دیانت کے مفہوم کی وسعت/دائرہ کار:۔ 1۔کوئی مادی چیز امانت کے طور پر رکھی ہوئی ہو تو مطالبہ یا وقت آنے پر پوری کی پوری واپس کرنا۔ 2۔سرکاری عہدوں پر فائز لوگوں کا فرائض کی ادائیگی کرنا اور اختیارات سے تجاوز نہ کرنا۔ 3۔کاروباری معاملات اور لین دین میں پورا پورا ناپنا اور تولنا وغیرہ۔ 4۔گھٹیا چیز نہ بیچنا۔ 5۔راز کی حفاظت کرنا (کسی مجلس یا

محفل میں کی گئی باتوں کی حفاظت کرنا)۔6۔ زوجین کا آپس کی باتوں کی حفاظت کرنا۔7۔والدین کا اپنی اولاد کی صحیح تعلیم وتربیت کرنا کیونکہ یہ اولاد ان کی امانت میں ہے۔8۔اساتذہ کے پاس طلباء امانت کے طور پر ہیں ان کو صحیح علم دینا۔9۔علماء و واعظین اور قلمکار حضرات کا اپنی ذمہ داریوں کو نبھانا بھی دیانتداری ہے۔10۔کسی کو صحیح مشورہ دینا۔

دیانتداری کے فوائد/اثرات

1۔خوداعتمادی: دیانتداری کی وجہ سے دل سے خوف اور منافقت ختم ہوجاتی ہے۔جس سے خوداعتمادی پیدا ہوتی ہے۔

2۔عزت و وقار: دیانتداری سے معاشرے میں عزت و وقار میں اضافہ ہوتا ہت۔لوگوں کے دلوں میں ایسے آدمی کے لئے بہت زیادہ عزت واحترام ہوتا ہے۔

3۔ باہمی محبت کا فروغ: باہم اعتماد سے باہمی محبت جنم لیتی ہے۔جس سے معاشرے میں باہمی محبت کا جذبہ فروغ ہوتا ہے۔

4۔محبت الٰہی: دیانت دار آدمی سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوتی ہے اور ایمان مکمل ہوتا ہے۔

2-ایفائے عہد

لغوی معنی: ایفاء کا معنی پورا کرنا، نبھانا، پاسداری کرنا وغیرہ ہے جبکہ عہد کا معنی وعدہ اور قول وقرار ہے۔

اصطلاحی معنی: کسی سے کئے ہوئے عہد و پیمان یا قول وقرار کو پورا کرنا ایفائے عہد کہلاتا ہے۔عہد و پیمان غیر شرعی نہیں ہونا چاہیئے بلکہ جائز ہوتا کہ اس کا پورا کرنا باعث گناہ نہ ہو۔

قرآن اور ایفائے عہد: 1۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا (سورۃ الاسراء:34) ترجمہ: اورتم عہد کو پورا کرو کیونکہ عہد کے بارے میں (قیامت کے دن) سوال کیا جائے گا۔ 2۔اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ: (سورۃ المائدہ:1) ترجمہ: معاہدوں کو پورا کرو۔ 3۔ایفائے عہد کو اہل ایمان کی صفت قرار دیا ہے۔اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۔(سورۃ الرعد:20) ترجمہ: وہ اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اس عہد کو توڑتے نہیں۔

حدیث اور ایفائے عہد: ایفائے عہد کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

1-لَادِيْنَ لِمَنْ لَاعَهْدَ لَهٗ۔ترجمہ: جو عہد کی پاسداری نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں۔

2-آپ ﷺ نے فرمایا: اَلْعِدَةُ دَيْنٌ۔ترجمہ: وعدہ قرض ہے۔ 3۔منافق کی ایک نشانی یہ بتائی ہے کہ "اِذَا وَعَدَ جَفَا" وہ وعدہ خلافی کرتا ہے۔

ایفائے عہد کی وسعت و اہمیت: چونکہ ایفائے عہد کو ہماری زندگی کے معاملات میں نہایت اہمیت حاصل ہے اس لئے اس کی پاسداری ضروری ہے۔

1۔عہد الٰہی کی پاسداری: سب سے اہم عہد وہ ہے جو ایک بندۂ مومن نے یوم ازل سے بندگی الٰہی کے لئے اللہ سے کیا تھا اس کی ادائیگی بہت ضروری ہے ارشاد خداوندی ہے: وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا۔ (سورۃ الانعام:152) ترجمہ: اور اللہ تعالی کا عہد پورا کرو۔

2۔بندوں سے عہد کی پاسداری: معاشرے میں رہتے ہوئے بہت سے معاملات میں انسان کو دوسرے بندوں سے عہدو پیمان کرنے پڑتے ہیں لہٰذا ان کا پورا کرنا بہت ضروری ہے۔

3۔حکومتی عہد کی پاسداری: حکومت جب کسی شخص کو کوئی ملازمت یا کوئی عہدہ پیش کرتی ہے اور اس کی قبولیت کے وقت حکومت سے کچھ حقوق و فرائض کے بارے عہد و پیمان ہوتے ہیں۔ ان کی بھی پاسداری کرنا ضروری ہے۔

4۔بین الاقوامی معاہدوں کی پاسداری: بہت سے ممالک کے دوسرے ممالک سے کئی ایک معاہدے ہوتے ہیں جن کی پاسداری بھی بہت ضروری ہوتی ہے۔

ایفائے عہد اوراسوۂ رسول ﷺ: نبی پاک ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں کبھی بھی وعدہ خلافی نہیں کی۔ بعض اوقات آپؐ کو اپنے عہد کی پاسداری کے لیے شدید تکلیف بھی برداشت کرنا پڑی لیکن آپ ﷺ نے ہمیشہ اپنے عہد کو نبھایا۔ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً: 1۔ بعثت نبوی ﷺ سے قبل آپ ﷺ نے ایک شخص سے لین دین کیا اس شخص نے کہا کہ آپ یہیں ٹھہریں میں ابھی آتا ہوں۔ وہ شخص چلے جانے کے بعد یہ بھول گیا اور اپنے کام کاج میں مصروف ہوگیا، تین دن کے بعد اس کا گزر وہاں سے ہوا تو آنحضرت ﷺ وعدہ کی پاسداری کرتے ہوئے اسی جگہ موجود تھے۔ اس شخص کو دیکھ کر آپ ﷺ نے صرف اتنا فرمایا: ''تم نے مجھے بہت تکلیف دی ہے، میں تین دن سے مسلسل تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔

2-غزوہ بدر کے موقع پر دو اشخاص کو کفار نے پکڑ لیا اور یہ عہد لے کر چھوڑا کہ وہ مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہوکر کفار کے خلاف نہیں لڑیں گے، تو آنحضرت ﷺ نے اس وعدہ کی پابندی کرنے کے لئے فرمایا: نَفِىْ لَهُمْ: ہم ان کا وعدہ پورا کرینگے۔ آپ ﷺ نے ان دو صحابیوں کو جنگ میں حصہ لینے سے منع کر دیا۔

3-صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت ابو جندلؓ کو کفار کے پاس اس لئے واپس بھیج دیا گیا کہ صلح حدیبیہ کی ایک شق یہ تھی کہ مکہ سے مسلمان ہو کر آنے والے شخص کو مکہ واپس بھیج دیا جائے گا۔

ایفائے عہد کے ثمرات/فوائد/اثرات

1۔ صفت الٰہی: وعدہ پورا کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ ارشاد ربانی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔ (آل عمران:9) (بے شک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا)۔

2۔ سنت انبیاء: تمام انبیاء و رسل ایفائے عہد کی پابندی کرتے تھے۔ آخری رسول حضرت محمد ﷺ کو "صادق و امین" کہا جاتا تھا۔

3۔ رضائے الٰہی کا حصول: وعدہ پورا کرنے سے بندہ لوگوں کی نظر میں معتمد ٹھہرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی سے رضائے الٰہی کا حصول بھی ہوتا ہے۔

4۔ باہمی تعاون کا فروغ: وعدے کی پابندی سے باہمی تعاون کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔

3۔ سچائی / صدق

سچائی ایک عالمی حقیقت ہے جس کو نبی کریم ﷺ نے اپنے فرمان میں نہایت جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے: اَلصِّدْقُ یُنْجِیْ وَالْکِذْبُ یُھْلِکُ۔ ترجمہ: سچائی نجات دلاتی ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ سچا ہونے کا واضح ثبوت موجود ہے۔ فرمان الٰہی ہے۔ "وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثاً: (سورۃ النساء:87) ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات کس کی ہے؟ (یقیناً کسی کی نہیں) قرآن مجید تمام انبیاء و رسل کے بارے میں اعلان کرتا ہے کہ وہ سب کے سب راست باز تھے۔ تمام انبیاء نے اللہ تعالیٰ سے سچائی حاصل کی اور اس کے بندوں تک اسے پہنچا دیا۔

سچائی کی صورتیں: تمام اسلامی تعلیمات سے سچائی کی مندرجہ ذیل تین صورتیں اخذ کی جاسکتی ہے۔ 1-قولی سچائی۔ 2- عملی سچائی 3-فکری سچائی

1۔ قولی سچائی: جو بات دل میں ہو، زبان سے اسی کا اظہار کیا جائے کیونکہ ظاہر اور باطن میں تضاد منافقت کی علامت ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا جھوٹ بولنا منافق کی ایک نشانی ہے۔

2۔ عملی سچائی: عمل کی سچائی بہت ضروری ہے قرآن کہتا ہے۔ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ۔ (سورۃ الصف:2) ترجمہ: تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم نہیں کرتے۔

3۔ قلبی سچائی: انسان کی نیت درست ہو، جس بات کا اظہار زبان سے ہو دل اس کی تصدیق کرے۔ فرمان نبوی ہے: اَلنِّیَّۃُ خَیْرٌ مِّنَ الْعَمَلِ۔ ترجمہ: نیک ارادہ عمل سے بھی بہتر ہے۔

قرآن اور سچائی: قرآن سچے لوگوں کی معیت پر زور دیتا ہے تاکہ یہ ماحول ہمیں قولی، قلبی، اور عملی سچائی کا مظہر بنا دے۔ کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ: (سورۃ التوبہ:119) ترجمہ: سچ بولنے والوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

حدیث اور سچائی: نبی کریم ﷺ نے سچائی کے بارے میں ارشاد فرمایا: 1۔ مومن جھوٹا نہیں ہوسکتا۔
2۔ ہمیشہ سچ بولو، کیونکہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔

رسول کریم ﷺ کا عمل: 1۔ آپ ﷺ کو بعثت سے قبل عرب کا تمام معاشرہ ''الصادق'' یعنی سچا کہتا تھا۔ 2۔ آپ ﷺ کے بدترین دشمن ابو جہل نے کہا تھا۔ محمد ﷺ میں تمھیں جھوٹا نہیں کہہ سکتا لیکن تیری تعلیمات پر میرا دل نہیں لگتا۔

سچائی کے فوائد / اثرات / اہمیت

1۔ خود اعتمادی: سچائی سے خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔ سچا شخص مصیبت اور نقصان برداشت کر لیتا ہے لیکن غلط بیانی پر کبھی آمادہ نہیں ہوتا۔

2۔ باہمی اعتماد: جب معاشرے میں سچائی عام ہوجاتی ہے تو باہمی اعتماد کی فضا پیدا ہوجاتی ہے۔

3۔ قوت برداشت میں اضافہ: سچے آدمی کے لئے تلخ حقائق کو برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اسے سچ کڑوا نہیں لگتا۔

4۔ عزت و وقار: سچائی سے انسان کی عزت و وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔ سچے شخص کی ہر جگہ عزت افزائی ہوتی ہے۔

5۔ اطمینان قلب: جھوٹ گناہ ہے اور گناہ سے قلبی اضطرار میں اضافہ ہوتا ہے جبکہ سچائی نیکی ہے اور نیکی سے قلبی اطمینان ہوتا ہے۔

6۔ گناہوں کا خاتمہ: تمام برائیوں اور گناہوں کی جڑ جھوٹ ہے لہٰذا جب سچائی عام ہوجاتی ہے تو گناہ اور معاشرے کے اندر پیدا ہونے والی تمام برائیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

7۔ قائدانہ صلاحیتیں: سچائی سے قائدانہ صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اقبال نے کہا تھا۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

4- عدل و انصاف

عدل کا لغوی معنی: عدل کا لغوی معنی ہے پھیرنا۔ برابر کرنا۔ افراط و تفریط سے بچنے کیلئے کسی چیز کو برابر حصہ میں تقسیم کرنا۔

انصاف کا لغوی معنی: انصاف کا لغوی معنی نصف نصف کرنا یا برابر تقسیم کرنا ہے۔

عدل و انصاف کا اصطلاحی معنی: حقدار کو اس کا پورا پورا حق دینا عدل و انصاف کہلاتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش علیؒ بن عثمان ہجویری لکھتے ہیں۔ کسی چیز کو اسکے صحیح موقع و محل پر رکھنا عدل ہے اور ظلم اس کا متضاد ہے۔ امام راغب اصفہانی کہتے ہیں۔ کسی چیز کو اس کے

اصل مقام پر رکھنا اور اپنی حدود کے اندر رہنے کا نام عدل و انصاف ہے۔

عدل و انصاف اور قرآن: قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ 1۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ: (سورۃ النحل: 90) ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ عدل کا حکم دیتا ہے۔ 2۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ۔ (سورۃ المائدہ: 42) ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ 3۔ اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی۔ (سورۃ المائدہ: 8) ترجمہ: عدل کرو کیونکہ یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

عدل و انصاف از روئے حدیث: نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ 1۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب عادل حکمران اور سب سے بڑا ناپسندیدہ ظالم حکمران ہے۔ 2۔ عادل حکمران کو اللہ قیامت کے دن اپنے سایہ رحمت کے نیچے جگہ دے گا۔

عدل و انصاف اور اسوۂ رسول ﷺ: 1۔ نبی کریم ﷺ نے قبیلہ بنی مخزوم کی فاطمہ نامی عورت کے چوری کرنے پر حد جاری کی اور سفارش کرنے والوں کو تنبیہ کی۔ 2۔ ایک منافق اور یہودی کے درمیان تنازع کی صورت میں نبی ﷺ نے دونوں کی باتیں سن کر یہودی کے حق میں فیصلہ فرما دیا۔

عدل کی اقسام

عدل کی دو اقسام ہیں: 1- انفرادی عدل 2- اجتماعی عدل

1۔ انفرادی عدل: تمام انسانی، جسمانی، روحانی دینی و دنیاوی معاملات، حقوق اللہ اور حقوق العباد میں توازن اور اعتدال قائم رکھنا انفرادی عدل کہلاتا ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا "میں رات کو عبادت بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزہ رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، میں نے عورتوں سے شادی بھی کی ہے، نکاح میری سنت ہے جس نے میری سنت کو ترک کیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں"۔

2۔ اجتماعی عدل: معاشرتی معاملات میں عدل کرنا اجتماعی عدل کہلاتا ہے۔ اجتماعی عدل کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں۔

i۔ معاشرتی عدل: 1۔ خاندان کے تمام افراد کے درمیان عدل کرنا۔ 2۔ یتیموں کے تمام معاملات میں عدل کرنا۔ 3۔ لین دین اور ناپ و تول کے معاملات میں عدل کرنا۔ 3۔ اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں عدل سے کام لینا۔

ii۔ معاشی عدل: کسب معاش کی تمام لوگوں کی آزادی ہے بشرطیکہ حلال و حرام کے قیود

کی پاسداری کی جائے۔ اسلام بخل اور اسراف و تبذیر سے روکتا ہے اور اعتدال کی راہ اختیار کرنے کی تاکید کرتا ہے۔

iii۔سیاسی عدل: اسلام میں طاقت کا سرچشمہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا قانون ہے یہ قانون ریاست کے اندر بسنے والے تمام لوگوں کو پابند بناتا ہے کہ حکمران کی اطاعت ضروری ہے بشرطیکہ غیر شرعی نہ ہو۔

iv۔قانونی عدل: اس کے تحت تمام لوگ قانون کی نگاہ میں برابر ہیں قانون سے بالاتر کوئی بھی نہیں ۔فرمان الٰہی ہے: وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ :(سورۃ النساء:58) ترجمہ: جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل سے کرو۔

عدل و انصاف کے فوائد/ثمرات/اہمیت

1۔امن کا قیام: قیامِ عدل سے امن قائم ہوتا ہے ہر حقدار کو اس کا پورا حق مل جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں روم کے سفیر نے کہا تھا: عَدَلْتَ وَ نَمْتَ۔ اے عمر! تو نے عدل کیا اور بے خوف ہو کر سویا۔

2۔معاشرتی استحکام: عدل معاشرہ کو استحکام عطا کرتا ہے۔ کیونکہ ظلم کے معاشرے میں فتنہ و فساد پھیل جاتا ہے۔

3۔رضائے الٰہی کا حصول: عدل و انصاف کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ: اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں پسند کرتا ہے۔

4۔تقویٰ کا حصول: اللہ تعالیٰ نے عدل کو تقویٰ کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى۔ ترجمہ: عدل کرو کیونکہ عدل ہی تقوی کے زیادہ قریب ہے۔

5۔اُخروی نجات: نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے۔ 1۔ قیامت کے دن عادل حکمران کا درجہ سب سے بلند ہوگا۔ 2۔عادل حکمران کی دعا قبول ہوتی ہے۔

5۔احترام قانون

"قانون" یونانی زبان کا لفظ ہے یہ لفظ سریانی زبان کے ذریعے عربی زبان میں آیا ہے۔

قانون کا لغوی معنی: "لائینیں لگانے کا پیمانہ" ہے لیکن اس کا استعمال عام طور پر قاعدہ یا اصول کے معنی میں ہوتا ہے۔ عربی زبان میں کسی بھی چیز کا اندازہ کرنے والا آلہ قانون کہلاتا ہے۔

اصطلاحی مفہوم: معاشرتی نظم و ضبط قائم کرنے اور شخصی حقوق و فرائض کے تحفظ کے لئے اسلامی ریاست جو قوانین اور اصول وضع کرتی ہے ان کی پابندی کرنا احترام قانون کہلاتا ہے۔

احترام قانون اور قرآن: اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے۔
1۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (سورۃ النساء:59) ترجمہ: تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اپنے حکمران (بشرطیکہ خلاف شرع اور قانون نہ ہو) کی اطاعت کرو۔ 2۔ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ۔ (سورۃ البقرۃ:60) ترجمہ: اور زمین میں فساد پھیلانے والے مت بنو۔ 3۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔ (سورۃ النساء:80) ترجمہ: جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔
احترام قانون اور فرمان نبوی ﷺ: نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: 1۔ مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ۔ ترجمہ: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ 2۔ جس نے امیر (حکمران) کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر (حکمران) کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ 3۔ سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تمہارا حکمران کوئی ناک کٹا حبشی ہی کیوں نہ ہو۔ 4۔ اَلطَّاعَۃُ حَسْبِیْ: اطاعت کرنا میری عزت ہے۔
قانون کا احترام اور اسوۂ رسول ﷺ: عام طور پر قانون کی خلاف ورزی کی دو وجوہات ہیں: 1۔ خود غرضی اور مفاد پرستی 2۔ اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھنا
لیکن نبی پاک ﷺ نے ان دونوں وجوہات کا تدارک خدا پرستی اور ایثار و سخاوت سے کیا اور اپنے آپ کو قانون کے سامنے پیش کر کے ثابت کر دیا کہ قانون سے بالاتر کوئی شخص نہیں۔ جب قبیلہ بنو مخزوم کی فاطمہ نامی عورت چوری کے جرم میں حاضر ہوئی اور لوگوں نے حضرت اسامہؓ بن زیدؓ سے سفارش کروانا چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم سے پہلے لوگ اس لئے تباہ ہوئے کہ وہ کمزور کو تو سزا دیتے تھے لیکن شرفاء کو معاف کر دیتے۔ اگر میری بیٹی فاطمہؓ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتیں تو میں ان کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ اسی طرح ایک موقع پر آپ ﷺ کے دست اقدس سے اتفاقاً ہلکی سی لکڑی ایک آدمی کے منہ پر لگ گئی اور ہلکی سی خراش بھی آگئی تو آپ ﷺ نے اسے انتقام لینے کو کہا لیکن اس نے آپ ﷺ کو معاف کر دیا۔
احترام قانون اور صحابہ کرامؓ: تمام صحابہ کرامؓ نے قبول اسلام کے بعد اللہ کے قوانین کی پابندی کی۔ شراب نوشی، جوا، ڈاکہ، چوری، زنا، قتل، سود اور شرک وغیرہ تمام جرائم کو چھوڑ دیا۔ اگر کسی صحابی سے قانون کی خلاف ورزی ہو جاتی تو آخرت کی جواب دہی کا تصور خود اسے کھینچ کر عدالت میں لاتا تاکہ وہ دنیا میں سزا پا کر آخرت میں خدا کی گرفت سے بچ جائے۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ کی گم شدہ زرہ ایک یہودی کے پاس ملی۔ اپنے بیٹوں اور غلام کے علاوہ گواہ نہ ہونے کی وجہ سے اپنے دعویٰ سے دستبردار ہو گئے۔ احترام قانون کی اس

مثال سے یہودی اتنا متاثر ہوا کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔

احترام قوانین کے فوائد / ثمرات / اہمیت

احترام قوانین کے فوائد اور ثمرات مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ عزت نفس: قانون کے احترام سے دوسرے افراد پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ جس سے عزت نفس میں اضافہ ہوتا ہے جبکہ معاشرتی ترقی کے لئے امن و امان ضروری ہے جو قانون کے احترام سے ہی قائم ہوسکتا ہے۔

2۔ جرائم کا خاتمہ: جب قانون سے بالاتر کوئی شخص بھی نہیں ہوتا تو لامحالہ جرائم ختم ہوجاتے ہیں کیونکہ جرائم پیشہ افراد کو یقین ہوجاتا ہے کہ وہ کسی پر ظلم و زیادتی کے بعد سزا سے نہیں بچ سکیں گے۔

3۔ شخصیت کی تعمیر: قانون کے احترام سے خودغرضی، مفاد پرستی اور تکبر و غرور ختم ہوجاتا ہے یہ روحانی تسکین انسانی شخصیت کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرتی ہے جبکہ قانون کے احترام سے بے سہارا، نادار اور مفلس لوگوں کی خود بخود دادرسی ہوجاتی ہے۔

4۔ حکمران طبقے کیلئے قانون کی پاسداری: حکمران طبقے کے لئے تو قانون کی پاسداری اس لئے اور بھی ضروری ہے کہ وہ عوام کے لئے مثال اور نمائندگی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے "اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ" کہ لوگ اپنے حکمرانوں کے نقش قدم پر ہوتے ہیں۔ لہٰذا حکمران جو قانون کے رکھوالے ہیں وہ اگر خود ہی قوانین کو توڑنے لگ جائیں تو کون قوانین پر عمل کرے گا لہٰذا اس ضمن میں حکمرانوں کی ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

6۔ کسبِ حلال

لغوی معنی: کسب کا لغوی معنی کمانا ہے۔ جبکہ حلال کا معنی جائز اور درست ہے۔

اصطلاحی معنی: شریعت اسلامیہ کے مقرر کردہ اصولوں کے تحت کمائی کو کسب حلال کہتے ہیں۔

کسب حلال اور قرآن: قرآن میں رزق حلال کمانے اور کھانے کی تاکید کی گئی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کو حکم فرمایا۔ یٰۤاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ۔ (سورۃ المومنون: 51) ترجمہ: اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ جبکہ تمام مومنوں کو بھی یہی حکم دیا اور فرمایا: یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ (سورۃ البقرۃ: 172) ترجمہ: اے ایمان والو! ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے پاکیزہ چیزیں کھاؤ۔ نیز تمام لوگوں کو بھی یہی حکم دیا اور ارشاد فرمایا: یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا۔ (سورۃ

البقرۃ:168) ترجمہ: اے لوگو! زمین کی حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ۔
کسب حلال اور فرامین نبوی ﷺ: نبی پاک ﷺ نے فرمایا: 1 طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ۔ ترجمہ: نماز کے بعد سب سے بڑا فرض کسب حلال کی کوشش کرنا ہے۔
2۔عبادت کے دس اجزاء میں سے نو کسب حلال میں ہیں۔ 3۔آپ ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو فرمایا: أَطِبْ مَطْعَمَكَ تَكُنْ مُسْتَجَابَ الدَّعْوَاتِ۔ ترجمہ: اپنے کھانے کو پاکیزہ کر لے تیری ہر دعا اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔
کسب حلال اور اسوۂ رسول ﷺ: نبی پاک ﷺ نے بچپن میں بھیڑ بکریاں اور اونٹ چرائے۔ بڑے ہو کر تجارت کا پیشہ اپنایا اور کسب معاش کے لئے دور دراز کے سفر بھی کئے۔ آپ ﷺ کی امانت و دیانت تمام تاجروں میں مشہور تھی۔
کسب حرام کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ۔ (سورۃ البقرۃ:188) ترجمہ: اور ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ۔
فرمان رسول ﷺ ہے کہ حرام رزق سے پلا ہوا جسم دوزخ میں جائے گا۔

کسب حلال کی اہمیت/فوائد/ثمرات

1۔کسب حلال کا فرض ہونا: رزق حلال کے لئے کوشش کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ۔ نماز کے بعد سب سے اہم فرض حلال روزی کے لئے کوشش کرنا ہے۔
2۔رسل کی سنت: اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام رسولوں کو حلال کھانے کا حکم دیا ہے۔ يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ۔ ترجمہ: اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ۔
3۔محنتی اللہ کا دوست: نبی پاک ﷺ نے فرمایا: اَلْكَاسِبُ حَبِيْبُ اللّٰهِ۔ ترجمہ: حلال روزی کمانے والا اللہ کا دوست ہے۔
4۔دعا کی قبولیت: حلال کما کر کھانے والے شخص کی دعا اللہ تعالیٰ جلد قبول کر لیتا ہے۔
5۔گناہوں کی بخشش: حلال کمائی کے حصول کے لئے کوشاں شخص کے کئی گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔
6۔وقار میں اضافہ: بھیک مانگنے اور سوال کرنے سے انسان کی عزت خاک میں مل جاتی ہے۔ جبکہ محنت و مزدوری کر کے حلال کمائی سے عزت و وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔ خود داری اور خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔
7۔حرام کمائی کا خاتمہ: حلال کمائی سے ناجائز ذرائع آمدنی ختم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ناانصافی

، بد دیانتی، رشوت ستانی، سود خوری، چوری، ڈاکہ زنی، ذخیرہ اندوزی، فریب دہی اور سٹے بازی وغیرہ کا کام ختم ہو جاتا ہے جو کسی ملک کی معاشی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔

7۔ایثار

ایثار کا لغوی معنی: ایثار کا لغوی معنی ترجیح دینا، کسی چیز کو مقدم سمجھنا۔

ایثار کا اصطلاحی معنی: دوسروں کی ضروریات و مفادات کو اپنی ضروریات و مفادات پر ترجیح دینا ایثار کہلاتا ہے۔

ایثار اور قرآن: اللہ تعالیٰ نے انصار مدینہ کی ایک اہم صفت کا تذکرہ کیا ہے:

1- وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ (سورۃ الحشر:9) ترجمہ: اور وہ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود بھی ضرورت مند ہوتے ہیں۔

2۔يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ۔ (سورۃ البقرۃ:219) وہ آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں تو آپ ﷺ فرما دیجئے کہ جو ضرورت سے زائد ہو وہ خرچ کریں۔

3۔لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ۔ (سورۃ آل عمران:92) ترجمہ: تم ہرگز نیکی نہ پاسکو گے جب تک اپنی پسندیدہ چیز میں سے خرچ نہ کرو۔

ایثار اور فرامین رسول ﷺ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: 1۔مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللّٰهُ فِي حَاجَتِهِ۔ ترجمہ: جو آدمی اپنے بھائی کی ضروریات پوری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرتا ہے۔

2۔مَنْ فَرَّجَ عَنْ أَخِيهِ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ ترجمہ: جس نے اپنے بھائی کی کسی تکلیف کو دور کیا تو اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن کی تکالیف میں سے ایک تکلیف دور کرے گا۔

ایثار اور اسوۂ رسول ﷺ: نبی رحمت ﷺ نے کبھی بھی کسی سائل کو "نہیں" نہیں فرمایا۔ آپ ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کرنا فرض اولین سمجھتے تھے بعض اوقات لوگوں سے قرض لے کر بھی دوسروں کی ضروریات پوری کرتے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے جانور ذبح فرمایا اور تقسیم کی غرض سے گھر بھجوا دیا کچھ دیر بعد گھر آکر پوچھا کہ کتنا تقسیم ہو گیا ہے تو آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ عمدہ تقسیم ہو گیا ہے اور خراب بچ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا جو تقسیم ہو گیا وہ بچ گیا ہے جو بچ گیا ہے وہ حقیقت میں چلا گیا ہے۔

ایثار اور اسوۂ صحابہ کرامؓ: نبی کریم ﷺ کی تعلیمات اور عملی نمونہ نے صحابہ کے اندر بھی ایثار کا جذبہ بھر دیا تھا۔ چند ایک مثالیں ذیل میں بیان کی جاتی ہے۔

1۔ہجرت مدینہ کے موقع پر انصار مدینہ نے مہاجرین مکہ کے ساتھ جس ایثار و قربانی کا ثبوت دیا اس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ 2۔ رومیوں کے مقابلے میں جانے والے

لشکر کی تیاری کے سلسلے میں حضرت ابوبکرؓ نے گھر کا سارا سامان دے دیا۔ حضرت عمرؓ نے گھر کا آدھا سامان دے دیا حضرت ابوعقیلؓ نے ایک یہودی کے باغ میں مزدوری کی اور ساری مزدوری اس لشکر کی تیاری کے لئے دے دی۔ حضرت عثمانؓ نے قحط سالی میں باہر سے آنے والا غلہ کئی گنا قیمت پر خریدا اور بلا معاوضہ لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ 3۔ ایک انصاریؓ نے رات کے وقت چراغ اس لئے بجھا دیا کہ مہمان اس کے ساتھ تسلی سے کھانا کھا لے جب کہ وہ انصاریؓ خود کھانا کھائے بغیر سو گیا۔ صبح نبی کریم ﷺ نے اس صحابی کے اس کے فعل کے بارے میں فرمایا: "اللہ تعالیٰ کو آپ کا رات کا حُسنِ سلوک بہت پسند آیا ہے۔"

ایثار کے فوائد/ اثرات/ اہمیت

1۔ اصل نیکی: ایثار تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے اور برائیوں کے خاتمہ کے لئے اکسیر ہے۔ ایثار کی بدولت خودغرضی، مفاد پرستی اور کنجوسی جیسی برائیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

2۔ رضائے الٰہی کا حصول: ایثار کے ذریعے رضائے الٰہی حاصل ہوتی ہے اور یہ چیز ایک بندۂ مومن کے لئے دنیا و مافیھا سے بڑھ کر ہے کہ اس کا رب راضی ہو جائے۔

3۔ فوز و فلاح: معاشرتی امن اور ترقی کے لئے ایثار کا جذبہ ہر فرد میں ہونا بہت ضروری ہے۔ ایثار کے جذبہ سے لیس قوم ترقی کی منازل جلد طے کر لیتی ہے اور اس دنیا میں اعلیٰ مقام حاصل کر لیتی ہے۔

4۔ باہمی محبت کا فروغ: ایثار باہمی محبت و مودت کو فروغ دیتا ہے۔ اس محبت کی وجہ سے نفرتیں کوچ کر جاتی ہیں اور عداوت ناپید ہو جاتی ہے۔ انسان اپنی ذات کی بجائے دوسرے کے بارے میں سوچنے لگتا ہے۔

8- اُخُوَّت

اخوت سے مراد بھائی چارہ ہے یا بھائی بھائی بن کر رہنا ہے اسلام کی تمام تعلیمات آفاقی ہیں اور انسانیت کی فلاح کی ضامن بھی۔ اخوت کا جو درس رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات سے ملتا ہے وہ اور کہیں موجود نہیں۔ آپ ﷺ سے پہلے معاشرہ طرح طرح کے تفرقات اور امتیازات میں بٹا ہوا تھا۔ لوگ ایک ہی آدم کی اولاد ہوتے ہوئے رنگ، نسل، مذہب اور زبان کے دائروں میں بٹے ہوئے تھے اور انہیں تفرقات کی بنا پر آپس میں ایک دوسرے کا خون کیا جاتا تھا۔

آپ ﷺ نے جو معاشرہ تشکیل دیا اس کی بنیاد اخوت اور بھائی چارے پر رکھی قرآن نے اس سلسلے میں یوں رہنمائی کی ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (سورۃ الحجرات-10)

ترجمہ: بے شک مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ مکی زندگی کا تیرہ سالہ دور بڑا کٹھن دور تھا
لوگ محض دعوت حق کی وجہ سے آپ ﷺ کے جانی دشمن بنے ہوئے تھے اس کے باوجود
آپ ﷺ نے اخوت اور رواداری کا عملی ثبوت دیا اور اپنی ذات کیلئے کسی سے بدلہ نہ لیا
بلکہ اپنے پیروکاروں کو آپس میں مل جل کے رہنے کے آداب سکھائے۔

مواخات مدینہ: ہجرت مدینہ کے بعد جب کھل کر تعلیمات اسلام کے مطابق معاشرے کو ڈھالنے کا موقع ملا تو اس کی ابتداء بھی اخوت سے کی۔ لٹے پٹے اور بے سروسامانی کی حالت میں آنے والے مہاجرین کو بسانا ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے تدبر سے ایک انصاری اور ایک مہاجر کو آپس میں بھائی بھائی قرار دے کر معاشرے کی ساخت بدل دی۔ وہی لوگ جو اس سے پہلے ایک دوسرے کی جانوں کی دشمن تھے اب آپس میں یوں بھائی بھائی بن گئے کہ اپنے اموال اور اثاثہ جات کو برابر، برابر تقسیم کر ڈالا۔ اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے مدینہ کی پہلی اسلامی ریاست اخوت کی وہ مثال پیش کرنے لگی کہ تاریخ آج تک اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ارشاد ربانی ہے:
﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا﴾ [آل عمران-103] ترجمہ: اور تم لوگ اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد کرو کہ جب تم آپس میں دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی تو تم اس کی مہربانی اور فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔

اخوت کی اہمیت ازروئے حدیث: نبی پاک ﷺ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ کوئی معاشرہ آپس میں گروہ بندیوں اور تفرقات کے ہوتے ہوئے ایک صالح اور فلاحی معاشرہ نہیں بن سکتا۔ اسی لئے فرمایا: **كُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا**۔ ترجمہ: اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔ مسند امام احمد میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: **اِنَّ الْعِبَادَ كُلُّهُمْ اِخْوَةٌ**۔ ترجمہ: سب بندے آپس میں بھائی ہیں۔ بخاری شریف میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "مومن دوسرے مومن کے لئے ایک عمارت کی مانند ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط بناتا ہے"۔

9- مساوات

لغوی اور اصطلاحی مفہوم: مساوات کے معنی برابری کے ہیں۔ بحیثیت انسان تمام لوگ برابر حقوق کے مالک ہیں۔ اس سلسلے میں اسلام کسی تفریق کی اجازت ہرگز نہیں دیتا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے اقوال اور سیرت طیبہ سے مساوات کو جو درس دیا کسی بھی زمانے کا کوئی انسان اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔

1- مساوات کا قرآنی معیار: قرآن مجید نے برتری اور فضیلت کے وہ جھوٹے معیار جو

انسانوں کے بنائے ہوئے تھے سب مٹا دیئے اور صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کو وجہ فضیلت بتایا۔ ارشاد ربانی ہے: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۔ ترجمہ: بے شک تم میں سے اللہ کے ہاں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

2۔ حدیث قولی سے مساوات کی اہمیت: اسلام سے قبل عرب میں قبائلی تعصب اور اونچ نیچ کا تصور معاشرے میں کچھ اس طرح رچ بس چکا تھا کہ یتیم، مساکین، غلام اور بے کس لوگ انسانی معاشرے کا حصہ معلوم نہ ہوتے تھے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے مساوات کا درس یوں دیا کہ فرمایا: كُلُّكُمْ مِنْ آدَمَ وَ آدَمُ مِنْ تُرَابٍ ۔ یعنی تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے ہیں۔

گویا جس طرح ایک باپ کی اولاد عزت اور وقار کے اعتبار سے برابر ہے۔ اسی طرح تمام انسان ایک آدم کی اولاد ہونے کے اعتبار سے برابر ہیں کوئی گوری رنگت والا انسان محض اپنی رنگت کی بنا پر کالے شخص پر برتری کا اظہار نہیں کرسکتا۔ اسی طرح ایک قوم کا فرد کسی دوسری قوم یا قبیلے کے فرد سے محض قبیلے کی بناء پر افضل نہیں۔

3۔ حدیث فعلی سے مساوات کی اہمیت: عملی طور پر بھی رسول اللہ ﷺ نے بلال حبشیؓ، صہیب رومیؓ اور سلمان فارسیؓ کو وہ مقام و مرتبہ عطا فرمایا جو کسی طرح بھی قریش کے سرداروں سے کم نہ تھا اور بعض حالات میں تو ان صحابہ کرامؓ کی فضیلت قریشیوں سے بڑھ کر فرمائی۔ یہ ایسی مثالیں ہیں جن کا عرب کے معاشرے میں اس سے پہلے کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔

نماز مساوات کا عملی نمونہ: آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین میں عبادات میں سے روزانہ کی عبادت نماز ہے۔ نماز کی ادائیگی کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ہاں پسندیدہ جگہ مسجد ہے اور پانچ وقت مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنا اس بات کا عملی مظاہرہ ہے کہ اسلام کی نظر میں عربی یا عجمی، کالا یا گورا، آقا یا غلام آپس میں برابر ہیں اسی لئے تو وہ ایک ہی صف میں پہلو بہ پہلو کھڑے اللہ کے حضور حاضر ہیں۔

روزمرہ کے کاموں میں مساوات: رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء اور ان کی امتوں میں عزت اور سرداری سے نوازا ہے اس کے باوجود آپ ﷺ نے صحابہؓ کے درمیان کبھی بھی نمایاں انداز اختیار نہ کیا۔ آپ ﷺ کا لباس، مکان اور اٹھنا بیٹھنا عام انسانوں کی طرح تھا۔ حتیٰ کہ اجتماعی کاموں میں بھی آپ ﷺ نے تمام صحابہؓ کے ساتھ مل کر اپنے حصے کا کام خود کیا۔ مسجد نبوی ﷺ اور مسجد قبا کی تعمیر کا موقع ہو یا غزوہ خندق میں خندق کھودنے کا مرحلہ، ہر جگہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے کام کیا۔ صحابہؓ میں سے ہر کوئی دل و جان سے آپ ﷺ کے حصے کا کام کرنا چاہتا تھا مگر آپ ﷺ نے عملی طور پر ثابت کیا کہ اگر کوئی سردار

یا رہنما ہے تو وہ محض ایک انتظام چلانے کے لئے، نہ کہ فضیلت اور برتری جتانے کیلئے۔

10- صبر و استقلال

لغوی معنی: صبر کے لغوی معنی روکنے اور برداشت کرنے کے ہیں جبکہ استقلال کے لغوی معنی استحکام اور مضبوطی کے ہیں۔

اصطلاحی مطلب: روزمرہ بول چال میں صبر و استقلال سے مراد مصائب اور تکالیف برداشت کرنا، دل کو خوف اور گھبراہٹ سے دور رکھنا۔ دل کو مضبوط رکھنا اور ثابت قدم رہنا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ السلام میں بکثرت صبر و استقلال اپنانے اور اس کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ صبر نبی اکرم ﷺ کی سیرت کا اہم جزو ہے اور صبر کرنے والوں کو اللہ کا محبوب بتایا گیا ہے اور کامیابی کو صبر کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے۔

صبر و استقلال کی قرآنی اہمیت

مصیبت میں صبر کرنا منشاء خدا ہے: ارشاد ربانی ہے: ﴿وَاصْبِرْ عَلٰی مَا اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ (لقمان-17) ترجمہ: اور جو مصائب تمھیں پہنچیں ان پر صبر کرنا بلاشبہ یہ بڑی اہمیت کے کام ہیں نیز فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾۔ (البقرۃ-153) ترجمہ: اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

صاحب عزم رسولوں کی سنت: فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (سورۃ الاحقاف-35) ترجمہ: صبر کیجئے جیسا کہ صاحب عزم رسولوں نے صبر کیا۔

نماز اور صبر مدد کا ذریعہ: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ (البقرۃ-153) ترجمہ: اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔

اللہ کی محبت کا ذریعہ: وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (سورۃ آل عمران-146) ترجمہ: اور اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

صبر میں استقامت کی نصیحت: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا (سورۃ آل عمران-200) ترجمہ: اے ایمان والو! صبر اختیار کرو اور صبر میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو۔

حضور ﷺ کی زندگی میں صبر کی مثالیں

صبر رسول اللہ ﷺ کی نظر میں: رسول اللہ ﷺ اعلانِ بعثت سے قبل تمام مکہ والوں کے ہاں پسندیدہ شخصیت کے طور پر جانے جاتے تھے کیونکہ آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق نے ان لوگوں کو آپ ﷺ کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ لیکن جونہی آپ ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تو کفارِ مکہ کا رویہ یکسر تبدیل ہوگیا۔ مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اپنوں نے بھی جھٹلا دیا اور

مذاق اڑانا شروع کیا آپ ﷺ ان حالات میں بھی صبر و استقامت کے ساتھ دعوت دین میں مشغول رہے۔ دعوتِ دین کا کام جوں جوں بڑھتا رہا کفار کی اذیتیں بھی زیادہ ہوتی گئیں۔ خانہ کعبہ میں سجدہ کی حالت میں آپ ﷺ پر اوجھڑی ڈالی گئی۔ ابو لہب اور اسکی بیوی دشمنی میں پیش پیش تھے۔ آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے۔ گندگی پھینکی جاتی۔ مجنون اور دیوانہ کہا جاتا۔ کنکر اور پتھروں کے وار کئے جاتے، مگر ان تمام تکالیف کے باوجود آپ ﷺ نے کمال صبر سے دعوت کا کام آگے بڑھایا اور کبھی دشمنوں کیلئے بددُعا تک نہ کی بلکہ ان کی ہدایت کے لئے دعا گو رہے۔

مُقَاطَعَۂ قریش: شِعْبِ اَبی طالب میں بنو ہاشم سمیت آپ ﷺ تین سال تک رہے معاشرتی اور معاشی بائیکاٹ کیا گیا۔ ان تین سالوں میں آپ ﷺ کے خاندان نے وہ تکالیف اٹھائیں کہ جن کا اندازہ کرنا ممکن نہیں مگر ان حالات میں بھی رحمۃ للعالمین ﷺ نے استقامت اور صبر کا دامن تھامے رکھا اور تمام تکالیف کا قرآنی وحی کے مطابق مقابلہ کر کے امت کیلئے اپنے اُسوۂ حسنہ سے مثال قائم فرما دی۔ صبر کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے چند فرامین مبارکہ مندرجہ ذیل ہیں: 1- اَلصَّبْرُ رِدَائِی: صبر میری چادر ہے (حدیث قدسی)۔ 2۔ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ایمان کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اَلصَّبْرُ وَ السَّمَاحَۃُ۔ یعنی صبر اور سیر چشمی۔ اسکے علاوہ عربی ضرب الامثال میں ہے کہ: 1۔ اَلصَّبْرُ مِفْتَاحُ الْفَرَجِ: صبر کشائش کی چابی ہے۔ 2۔ اَلنَّصْرُ مَعَ الصَّبْرِ: کامیابی صبر کے ساتھ ہے۔

11- عفو و درگزر

عفو عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب معافی اور درگزر ہے کسی کی غلطی یا خطا کو معاف کر دینا اسلام میں انتہائی پسندیدہ عمل ہے۔ اس عمل سے نہ صرف خطا کار اپنی اصلاح کی جانب مائل ہوتا ہے بلکہ اسکے دل میں دوسروں کیلئے ایسے ہی جذبات جنم لیتے ہیں اور اس طرح معاشرہ امن کا گہوارہ بن سکتا ہے۔ قرآن و حدیث میں عفو و درگزر کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔

عفو اور قرآنی نقطہ نظر: مومنوں کی جن صفات کو پسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ ان میں عفو و درگزر بھی شامل ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاس (ال عمران-134) ترجمہ: اور (مومنین) غصہ دبا لیتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں۔

انسانی زندگی پر عفو و درگزر کے اثرات: لوگوں کو معاف کرنا اللہ تعالیٰ کی معافی کا سبب ہے: ارشاد ربانی ہے۔ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ (سورۃ النور-22) (اور چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر سے کام لیں کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے)۔

درگزر کرنے والے کا اجر اللہ کے ذمے ہے: فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ۔ (سورۃ الشوریٰ:40) ترجمہ: جس نے معاف کیا اور صلح کرلی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے بے شک وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ بھلائی کے کاموں میں جاہلوں سے کنارہ کش ہوکر معاف کرتے جانا بھی منشائے خداوندی ہے۔ خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (سورۃ الاعراف-199) ترجمہ: (اے محبوب ﷺ) عفو کی عادت اپنایئے اور نیکی کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے کنارہ کش رہیے۔

اسوہ رسول ﷺ اور عفوودرگزر: اسوہ رسول ﷺ سے عفوودرگزر کی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ جن پر صحیح معنوں میں عمل کرنے سے معاشرہ امن کا گہوارہ بن سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی پوری حیات مبارکہ میں کبھی بھی ذاتی بدلہ نہ لیا بلکہ ہمیشہ معاف فرمایا جس سے نہ صرف سخت سے سخت دشمن آپ ﷺ کی عظمت کے قائل ہوگئے بلکہ سخت پتھر دل اور ظالم لوگوں میں سے کثیر تعداد کو ایمان کی دولت نصیب ہوئی۔

1۔ ایک دفعہ ایک بدو (جو کہ تہذیب سے نا آشنا تھا) نے آپ ﷺ کے گلے مبارک میں پڑی چادر کو زور سے کھینچا اور مال طلب کیا۔ چادر کے کھردرے کونے کی رگڑ سے گردن مبارک پر نشان پڑ گئے۔ مگر آپ ﷺ نے اسے معاف بھی کیا اور مال بھی عطا کر دیا۔

2۔ طائف والوں کی ہٹ دھرمی اور سخت تکلیف پہنچانے پر آپ ﷺ کو اللہ کی طرف سے انتقام کا اختیار دیا گیا مگر آپ ﷺ نے انہیں معاف بھی کیا اور ہدایت کے لئے دعا بھی فرمائی۔ 3۔ مکہ والوں نے تیرہ سال تک دشمنی کے تمام حربے آزمائے ہر طرح تکلیف پہنچائی۔ مدینہ ہجرت کے بعد تین بڑی جنگیں لڑیں مگر جب آپ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو کسی قسم کا خون نہ بہنے دیا بلکہ آپ ﷺ مکہ میں داخل ہوکر لوگوں کو معاف کرتے جاتے اور یہ آیت تلاوت کرتے جاتے۔ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ط يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (سورۃ یوسف-92) ترجمہ: آج کے دن تم پر کچھ الزام نہیں اللہ تمہیں مغفرت سے نوازے اور وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

معروضی سوالات

سوال نمبر1: درج ذیل میں ہر سوال کے ساتھ اس کے چار ممکنہ جوابات دیئے گئے ہیں، ان میں سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگایئے۔

1- اُسوَۃ کا معنی ہے۔

(a) گھرانا (b) بلند مقام (c) نمونہ ✓ (d) رابطہ

2- سیرت کا لغوی معنی ہے۔

(a) نمونہ (b) راستہ (c) تصویر (d) چلنا ✓

3- تزکیہ نفس اور تعمیر سیرت میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

(a) تجارت کو (b) عبادت کو ✓ (c) مال کو (d) خودغرضی کو

4- ''قانون'' لفظ ہے۔ (a) یونانی زبان کا ✓ (b) فارسی زبان کا

(c) انگریزی زبان کا (d) پشتو زبان کا

5- ایثار کا لغوی معنی ہے۔

(a) لالچ کرنا (b) حسد کرنا (c) ترجیح دینا ✓ (d) نفع حاصل کرنا

6- مساوات سے مراد ہے۔

(a) موازنہ (b) برابری ✓ (c) بھائی چارہ (d) قربانی

7- شعب ابی طالب میں بنو ہاشم سمیت آپ ﷺ نے گزارے۔

(a) 2 سال (b) 3 سال ✓ (c) 4 سال (d) 5 سال

8- صلح نامہ حدیبیہ طے پایا۔

(a) 3ھ میں (b) 4ھ میں (c) 5ھ میں (d) 6ھ میں ✓

سوال نمبر 2: درج ذیل میں سے درست کے سامنے (✓) کا اور غلط کے سامنے (X) کا نشان لگائیے۔

1- مطالعہ سیرت امت کو اختلاف سے بچانے کا ذریعہ ہے۔ ✓

2- قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کے لیے اسوہ حسنہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ✓

3- اسلامی تعلیمات میں افراط وتفریط ہے۔ X

4- مبلغین کو بڑی لمبی لمبی تقریریں کرنی چاہیں۔ X

5- اسلامی تعلیمات کے مطابق دنیاوی زندگی مستقل ہے۔ X

6- تعمیر سیرت میں عبادات کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ✓

7- شعب ابی طالب فلسطین کے ایک شہر کا نام ہے۔ X

8- منافق کی ایک نشانی وعدہ خلافی کرنا ہے۔ ✓

9- صلح نامہ حدیبیہ سن 10 ہجری میں طے پایا۔ X

10- عفو کا معنی معافی اور درگزر ہے۔ ✓

سوال نمبر 3: سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجئے۔

س : اسلامی اصطلاح میں سیرت سے کیا مراد ہے؟

ج : اسلامی اصطلاح میں رسول اللہ ﷺ کے اقوال، اعمال، خصائل اور احوال کو

سیرت کہا جاتا ہے۔

س : قرآن مجید میں حضور ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا گیا؟

ج : قرآن مجید کی سورۃ القلم کی آیت نمبر 4 میں آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کے بارے میں ارشاد فرمایا: وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (یقیناً آپ ﷺ اخلاق کے اعلیٰ درجے پر فائز ہیں)۔

س : تزکیہ نفس سے کیا مراد ہے؟

ج : تزکیہ نفس کا مطلب دل کے اندر ایسی کیفیت پیدا کرنا ہے جس سے دل نیکیوں کی طرح مائل ہو اور برائیوں سے نفرت کرنے لگے نیز یہ کہ اچھے اخلاق، عادات اور عمدہ خیالات پیدا کیے جائیں۔

س : دیانت داری کے اصطلاحی معنی کیا ہیں؟

ج : اصطلاح میں زندگی کے تمام معاملات میں درست روش، سچائی اور راست بازی کا مظاہرہ کرنا دیانت داری کہلاتا ہے۔

س : ایفائے عہد کے بارے میں کوئی آیت باترجمہ لکھیے؟

ج : سورۃ الاسراء کی آیت نمبر 34 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا﴾ ترجمہ: اور تم عہد پورا کرو کیونکہ عہد کے بارے میں (قیامت کے دن) سوال کیا جائے گا۔

س : ایفائے عہد کی اہمیت کے بارے میں کوئی حدیث باترجمہ لکھیے؟

ج : حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ ترجمہ: جو عہد کی پاسداری نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں۔

س : عدل و انصاف کا اصطلاحی معنی کیا ہے؟

ج : اصطلاح میں حقدار کو اس کا پورا پورا حق دینا عدل و انصاف کہلاتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: کسی چیز کو اس کے صحیح موقع و محل پر رکھنا عدل ہے اور ظلم اس کا متضاد ہے۔

س : حضور ﷺ اور بنو ہاشم تین سال تک شعب ابی طالب میں کیوں رہے؟

ج : قریش مکہ نے دعوت دین کی وجہ سے حضور ﷺ اور بنو ہاشم کا معاشرتی اور معاشی بائیکاٹ کر دیا۔ اس لیے حضور ﷺ اپنے چچا حضرت ابو طالب اور بنو ہاشم کے دیگر افراد کے ساتھ مکہ کے قریب ایک گھاٹی میں چلے گئے اور تین سال تک وہاں تکالیف برداشت کیں۔

فِقہ

- مآخذ (قرآن، حدیث، اجماع، قیاس)
- مقاصدِ شریعت

مآخذ فقہ

<u>فقہ کا لغوی مفہوم:</u> فقہ کا لفظ لغوی اعتبار سے مندرجہ ذیل معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

۱- کھولنا، پھاڑنا، چیرنا جیسا کہ زمخشری نے لکھا ہے: **اَلْفِقْهُ حَقِيْقَتُهُ الشَّقُّ وَ الْفَتْحُ**

۲- سوجھ بوجھ، فہم دانش جاننا اور سمجھنا جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ذیشان ہے: **وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ** [التوبہ:۸۷] (ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے اس لیے وہ کچھ بھی نہیں سمجھتے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ایک اور فرمان ہے: **وَلَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا** (اور ان کے دل ہیں (لیکن) ان کے ذریعے وہ کچھ نہیں سمجھتے)۔ نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کا فرمان مبارک ہے "**مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ** (اللہ تعالیٰ کو جس کی بھلائی اور بہتری مقصود ہوتی ہے تو اسے دین کی سوجھ بوجھ اور فہم عطا فرماتا ہے)۔

حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو دعا دیتے ہوئے فرمایا تھا: **اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَ عَلِّمْهُ التَّاْوِيْلَ**۔ (اے اللہ اسے (عبداللہ بن عباس کو) دین کی سمجھ اور تاویل (تفسیر) کا علم سکھا دے)۔

<u>فقہ کا اصطلاحی مفہوم:</u> "**اَلْفِقْهُ عِلْمٌ بِالْاَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ الْفَرْعِيَّةِ الْمُسْتَنْبَطَةِ مِنَ الْاَدِلَّةِ التَّفْصِيْلِيَّةِ**۔" فقہ ان شرعی اور فروعی احکام کا علم ہے جو تفصیلی دلائل (قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس) سے ماخوذ ہوں۔ علمِ فقہ کے ماہر کو فقیہ، مجتہد اور امام کہا جاتا ہے۔ اسلامی فقہ کے بنیادی ماخذ چار ہیں جنہیں ادلہ تفصیلیہ اور اَدِلّہ شرعیہ کا نام دیا جاتا ہے یہ مندرجہ ذیل ہیں: ۱- قرآن، ۲- حدیث، ۳- اجماع، ۴- قیاس

۱- قرآن

قرآن فقہ اسلامی کا پہلا بنیادی ماخذ ہے قرآن کی تعریف یوں کی گئی ہے: "**اَلْقُرْآنُ هُوَ كِتَابُ اللّٰهِ الْمُنَزَّلُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ ﷺ الْمَكْتُوْبُ فِي الْمَصَاحِفِ، الْمَنْقُوْلُ اِلَيْنَا عَنْهُ، نَقْلًا مُتَوَاتِرًا بِلَا شُبْهَةٍ**۔" [اصول بزدوی] قرآن اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جو اس کے رسول حضرت محمد ﷺ پر اتاری گئی۔ صحیفوں میں لکھی ہوئی ہے اور ہم تک آپ ﷺ سے بغیر کسی شک و شبہ کے نقلِ متواتر کے ساتھ پہنچی ہے۔

قرآن فقہ اسلامی کا پہلا اور بنیادی ماخذ ہے لہٰذا تمام احکام شرعیہ کی بنیاد قرآن کریم ہے۔ ہر قسم کے پیش آنے والے مسئلہ کو سب سے پہلے قرآن کی روشنی میں حل کیا جاتا ہے قرآن تمام فقہی احکام کے بنیادی اصول و قواعد فراہم کرتا ہے۔

قرآنی فقہی احکام دو طرح کے ہیں: ۱- عبادات ۲- معاملات

I- عبادات: عبادات میں عام طور پر مندرجہ ذیل امور زیر بحث لائے جاتے ہیں:

نماز: فرمان الٰہی ہے: اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ نماز قائم کرو۔

زکوٰۃ: فرمان الٰہی ہے: وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ زکوٰۃ ادا کرو۔

روزہ: فرمان الٰہی ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ اے ایمان والوں روزے تم پر فرض کر دیئے گئے ہیں۔

حج: فرمان الٰہی ہے: لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا: اللہ تعالیٰ کیلئے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے گھر کا حج فرض ہے جو اس گھر تک جانے کی استطاعت رکھتے ہیں۔

II- معاملات: وہ تمام احکام جو ایک فرد کے دوسرے فرد سے یا فرد کے جماعت کے ساتھ تعلقات و روابط سے متعلق ہوتے میں انہیں معاملات کہا جاتا ہے۔ ان کی تقسیم حسب ذیل ہے۔

۱- خاندانی معاملات: انہیں احوالِ شخصیہ بھی کہا جاتا ہے ان میں خاندانی معاملات زیر بحث لائے جاتے ہیں جیسے نکاح، طلاق، اولاد، نسب، ولایت وغیرہ ان کا بنیادی مقصد خاندان کو ٹھوس بنیادوں پر استوار کرنا ہے۔ ان احکام سے متعلقہ قرآن مجید میں تقریباً ستر آیات موجود ہیں۔

۲- مالی معاملات: اس عنوان کے تحت فرد کے مالی معاملات سے متعلقہ احکام کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جیسے تجارت، مُضَارَبَتْ، رِہن اور تمام قسم کے کاروباری معاملات۔ ان احکام سے متعلقہ بھی قرآن مجید میں تقریباً ستر آیات موجود ہیں۔

۳- عدالتی معاملات: اس عنوان کے تحت عدلیہ، گواہی، قسم وغیرہ کے معاملات ذکر کیے جاتے ہیں۔ ان کا مقصد لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کو یقینی بنانا ہے۔ ان سے متعلقہ تقریباً تیرہ قرآنی آیات موجود ہے۔

۴- حُدود و قصاص کے معاملات: لوگوں کی جان، مال اور عزت کے تحفظ کیلئے حُدود و قِصاص کے احکام موجود ہیں ان کے نفاذ سے جرائم ختم ہو جاتے ہیں معاشرہ پرسکون زندگی بسر کرتا ہے۔ ان معاملات کے متعلقہ قرآن مجید میں تقریباً تیس آیات موجود ہیں۔

۵- دستوری معاملات: ان میں وہ احکام شامل ہیں جو حکمران اور رعایا کے حقوق و

فرائض سے متعلق ہوتے ہیں۔ ان احکام سے متعلقہ آیات کی تعداد تقریباً دس ہے۔

۶۔ بین الاقوامی معاملات: ان میں وہ احکام شامل ہیں جو مسلم حکومت کے غیر مسلم حکومتوں کے ساتھ جنگ، صلح اور پناہ گزینوں کے بارے میں ہوتے ہیں۔ ان سے متعلقہ آیات کی تعداد تقریباً پچیس ہے۔

۷۔ حکومتی اقتصادی معاملات: ان میں حکومت کی آمدنی اور مصارف اور اغنیاء کے اموال میں غرباء کے متعلق احکام زیر بحث لائے جاتے ہیں۔ ان سے متعلقہ آیات کی تعداد تقریباً دس ہے۔ گویا قرآن کریم تمام فقہی احکام کا پہلا اور بنیادی ماخذ ہے۔

۲۔ حدیث

حدیث کا لغوی مفہوم: حدیث کا لغوی معنی نئی، جدید، بات چیت یا گفتگو وغیرہ ہے۔ یہ قدیم کا متضاد ہے۔

حدیث کا اصطلاحی مفہوم: مَا صَدَرَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ غَیْرَ الْقُرْآنِ، مِنْ قَوْلٍ اَوْ فِعْلٍ اَوْ تَقْرِیْرٍ۔ قرآن کے علاوہ نبی کریم ﷺ کے قول یا فعل یا تقریر کو حدیث کہتے ہیں۔

چونکہ حدیث فقہ اسلامی کا دوسرا ماخذ ہے اس لیے جو احکام قرآن میں موجود نہ ہوں ان کیلئے حدیث کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ حدیث کے ماخذِ فقہ ہونے کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ اُسوۂ حَسَنہ کی پیروی: اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ کی پیروی کا حکم دیا اور فرمایا: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ [سورہ الاحزاب:۲۱] (یقیناً تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے (بالخصوص ان لوگوں کیلئے) جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر پختہ ایمان رکھتے ہیں اور (زندگی کے ہر معاملے میں) اللہ تعالیٰ (کے احکام کی پیروی) کو یاد رکھتے ہیں۔ تو گویا اللہ کے احکام کی پیروی کی اصل صورت اُسوۂ حسنہ کی پیروی میں مضمر ہے۔

۲۔ آپ ﷺ کے اوامر و نواہی کی پیروی: ہر شعبہ زندگی میں غیر مشروط طور پر آپ ﷺ کے احکام کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ [سورۃ الحشر:۷] اور رسول ﷺ جو تمہیں عطا فرمائیں تو اسے لے لو اور جس سے وہ تمہیں روکیں تو رک جاؤ۔

۳۔ معلمِ کتاب: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو قرآن کریم کا معلم بنا کر بھیجا۔ ﴿وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ﴾ [سورہ ال عمران:۱۶۴] (اور وہ (رسول ﷺ) انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔) لہٰذا اس فریضہ نبوت کے تحت آپ ﷺ نے قرآن کریم کے بہت سے احکام کی وضاحت اور تفصیل اپنے اقوال اور افعال سے فرما دی۔ جیسے نماز کے بارے

میں فرمایا: "صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ" (تم ایسے نماز پڑھو جیسے تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو) زکوٰۃ کی مقدار، نصاب اور عرصہ بیان فرما دیا۔ روزہ رکھنے کے اوقات کی وضاحت فرما دی۔ حج کے طریقوں کے بارے میں فرمایا: خُذُوْا عَنِّیْ مَنَاسِكَكُمْ (مجھ سے حج کی ادائیگی کے طریقے سیکھ لو)۔

۴۔ شارحِ قرآن: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو شارحِ قرآن قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ [النحل:۴۴] (اور ہم نے آپ ﷺ کی طرف قرآن نازل کیا تاکہ آپ ﷺ لوگوں کو کتاب وضاحت کے ساتھ بیان کر دیں جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے۔

۵۔ حلال و حرام ٹھہرانے کا اختیار: اللہ نے ہمارے نبی کریم ﷺ کو کسی چیز کے حلال و حرام ٹھہرانے کا مکمل اختیار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: "وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ" (نبی ﷺ) ان کیلئے پاکیزہ اشیاء حلال اور ناپاک اشیاء حرام ٹھہراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خون کو قرآن مجید میں حرام ٹھہرایا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے دو خون یعنی تلی اور کلیجی اور دو مردار یعنی مچھلی اور ٹڈی کو حلال ٹھہرایا ہے۔ آپ ﷺ نے وارث کے حق میں وصیت کو حرام ٹھہرایا ہے۔ آپ ﷺ نے پھوپھی اور بھتیجی اور خالہ اور بھانجی کو بیک وقت کسی ایک آدمی کے ساتھ نکاح کو حرام ٹھہرایا ہے۔

حدیث کی اہمیت و فرامین رسول ﷺ: آپ ﷺ نے فرمایا: ۱۔ میں تمہیں جس کام کے کرنے کا حکم دوں تو حسب استطاعت اسے بجا لاؤ اور جس سے روک دوں تو اس سے رک جایا کرو۔ ۲۔ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ۔

حدیث سے ثابت شدہ احکام کی اقسام

حدیث سے ثابت ہونے والے احکام کی چار اقسام ہیں:

قسم اوّل: وہ احکام جو قرآنی احکام کے موافق ہیں اور انہیں مؤکد کرتے ہیں۔ جیسے والدین کی نافرمانی، جھوٹی گواہی اور قتل نفس کی حرمت وغیرہ۔

قسم دوم: وہ احکام جو قرآنی معانی کو بیان کرتے ہیں اور مجمل احکام کی تفصیل بیان کرتے ہیں جیسے مناسک حج کی تفصیل، نصابِ زکوٰۃ اور اس کی مقدار اور چور کے ہاتھ کاٹنے کی حد اور مقدار وغیرہ۔

قسم سوم: وہ احکام جو قرآنی مطلق احکام کو مُقَیَّد اور مقَیَّد کو مطلق یعنی عام کو خاص اور

خاص کو عام کر دیتے ہیں۔

قسم چہارم: وہ احکام جن سے قرآن خاموش ہوتا ہے لیکن حدیث انہیں اپنی مستقل حجیت اور حیثیت کی بنا پر بیان کرتی ہے اور ایسے احکام قرآنی احکام کی طرح ہوتے ہیں جیسے پالتو گدھوں کی حرمت، کچلیوں والے درندوں اور ناخنوں میں پکڑ کر نوچ کر کھانے والے پرندے، ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ، مقیم کی حالت میں رہن کا رکھنا اور پورے خاندان پر دیت کا واجب ہونا وغیرہ۔

حدیث اور عمل صحابہؓ: صحابہ کرامؓ پیش آمدہ مسائل کو قرآن میں تلاش کرتے اگر وہاں ان کا حل موجود نہ ہوتا تو احادیث رسول ﷺ کی طرف رجوع فرماتے اور ان کی روشنی میں فیصلہ صادر فرماتے اور عمل کرتے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذؓ بن جبل کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: "كَيْفَ تَقْضِيْ؟ قَالَ بِكِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ قَالَ بِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ قَالَ فَاجْتَهِدُ بِرَأْيِيْ (تو کیسے فیصلہ کرے گا تو اس نے کہا اللہ تعالیٰ کی کتاب سے۔ آپ ﷺ نے پوچھا اگر وہ وہاں نہ پاسکو، تو تو اس نے کہا۔ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق۔ آپ ﷺ نے پوچھا اگر میری سنت میں بھی نہ ملے تو عرض کیا کہ ایسی صورت میں میں اپنی رائے کے مطابق فیصلہ کروں گا)۔ آپ ﷺ نے اسے درست قرار دیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا فرمایا۔

۳- اِجْمَاع

اجماع کا لغوی مفہوم: اجماع کا لغوی معنی کسی کام کو کرنے کا مصمم ارادہ کرنا ہے جیسا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: "لَا صِيَامَ لِمَنْ لَمْ يَجْمَعِ الصِّيَامَ مِنَ اللَّيْلِ" (جو شخص رات سے روزہ رکھنے کا ارادہ نہ کر لے اس کا روزہ نہیں) اس کا ایک معنی اتفاق کرنا بھی ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَاَجْمِعُوْۤا اَمْرَكُمْ وَ شُرَكَآءَكُمْ﴾ (تم اپنے معاملے پر اتفاق کر لو اور اپنے شرکاء کو اکٹھا کر لو۔) [سورۃ یونس: ۷۱]

اجماع کا اصطلاحی مفہوم: اَلْاِجْمَاعُ: هُوَ اِتِّفَاقُ الْمُجْتَهِدِيْنَ مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ فِيْ عَصْرٍ مِنَ الْعُصُوْرِ عَلٰى حُكْمٍ شَرْعِيٍّ غَيْرِ مَنْصُوْصٍ بَعْدَ وَفَاةِ النَّبِيِّ ﷺ۔ (نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد امت محمدیہ کے مجتہدین کا کسی بھی زمانے میں اور کسی غیر منصوص شرعی حکم کے بارے میں اتفاق کر لینا اجماع کہلاتا ہے)۔

اجماع کے حجیت ہونے کے دلائل: اجماع فقہ اسلامی کا تیسرا ماخذ ہے اس کے حجت ہونے پر دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

قرآن سے دلائل: مندرجہ ذیل آیات اجماع کے حجت ہونے پر دلیل ہیں:

۱- ﴿وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ [سورۃ النساء:۱۱۵] (جو شخص ہدایت واضح ہو جانے کے باوجود رسول ﷺ کی مخالفت کرے گا اور اہل ایمان کی راہ کو چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کرے گا تو ہم اسے اس طرف پھیر دیں گے جس طرف اس نے منہ پھیرا اور ہم اسے جہنم میں ڈال دیں گے جو ایک برا ٹھکانہ ہے۔) ۲- ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ [سورہ الشوریٰ: ۳۸] (اور ان (مومنین) کے معاملات باہم مشورے سے طے پاتے ہیں۔ ۳- ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ [سورۃ توبہ:۱۱۹] (اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔) ۴- ﴿وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ [آل عمران:۱۵۹] (آپ ﷺ ان سے معاملات میں مشورہ کیا کریں۔

چونکہ اجماع میں مشاورت پائی جاتی ہے اس لیے ان تمام آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اجماع کے ذریعے حل کیے جانے والے شرعی احکام کی پیروی لازمی ہے۔

<u>حدیث رسول ﷺ سے دلائل:</u> نبی کریم ﷺ نے اپنے فرامین میں بھی اجماع کی صورت میں حل شدہ مسائل کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا: ۱- اِنَّ اللّٰهَ لَا يُجْمِعُ اُمَّتِيْ عَلَى الضَّلَالَةِ۔ [ترمذی] (یقیناً اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر اتفاق نہیں کرنے دے گا۔)

۲- يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ (جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے) اور جماعت کو اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہوتی ہے)۔ ۳- جو شخص اجماعی احکام سے انحراف کر کے کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے گا تو آپ ﷺ نے فرمایا: مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ (جو (جماعت اور اجماعی احکام کو چھوڑ کر) الگ ہوا وہ اکیلا جہنم میں جائے گا)۔

<u>اجماع اور عمل صحابہ:</u> حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا قول ہے: مَا رَاٰهُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ۔ (جس کام کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھا ہوتا ہے)۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کا ہی قول ہے کہ جو حکم تمہیں قرآن و حدیث میں نہ ملے تو صالحین کے فیصلوں کی پیروی کرو۔

<u>عہد صحابہؓ میں جمع و تدوین:</u> قراءتِ واحدہ پر سب کا جمع ہونا۔ بیس رکعت تراویح باجماعت اور مسئلہ طلاق ثلاثہ وغیرہ اجماعی مسائل کی مثالیں ہیں۔ اجماع کی دو قسمیں ہیں:

<u>اجماع قولی:</u> ایسا اجماع جس میں تمام فقہاء و مجتہدین بول کر اپنی رائے کا اظہار کریں وہ اجماع قولی کہلاتا ہے۔

۲- <u>اجماع سکوتی:</u> کسی اجماعی کے مسئلہ کے بارے چند مجتہدین اپنا فتویٰ جاری کر دیں اور جن مجتہدین کو اس فتویٰ کے بارے علم ہو جائے تو وہ سکوت اختیار کر لیں تو ایسے اجماع کو اجماع سکوتی کہتے ہیں۔

۴- قیاس

قیاس کا لغوی مفہوم: قیاس کا لغوی معنی اندازہ لگانا، ماپنا یا پیمائش کرنا وغیرہ ہے جیسے کہا جاتا ہے قِسۡتُ الۡاَرۡضَ بِالۡمِتۡرِ...... (میں نے زمین کی میٹر سے پیمائش کی)۔

قیاس کا اصطلاحی مفہوم: اَلۡقِیَاسُ ھُوَ تَعۡدِیَۃُ الۡحُکۡمِ مِنَ الۡاَصۡلِ اِلَی الۡفَرۡعِ بِعِلَّۃٍ مُتَّحِدَۃٍ بَیۡنَھُمَا (علتِ مشترکہ کی وجہ سے اصل کے حکم کو فرع میں جاری کرنے کو قیاس کہتے ہیں)۔

حجیت قیاس سے دلائل: قیاس شرعی کو فقہ اسلامی میں چوتھا بنیادی ماخذ قرار دیا جاتا ہے اس کی حجیت کیلئے مندرجہ دلائل پیش کیے جاتے ہیں:

قرآن سے قیاس کی حجیت کے دلائل:

۱- ﴿فَاعۡتَبِرُوۡا یٰۤاُولِی الۡاَبۡصَارِ﴾ [سورہ الحشر:۲] (اے بصیرت والو! عبرت حاصل کرو)

۲- ﴿تِلۡكَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُھَا لِلنَّاسِ وَ مَا یَعۡقِلُھَاۤ اِلَّا الۡعٰلِمُوۡنَ﴾ [سورہ العنکبوت:۴۳] (ہم یہ مثالیں لوگوں کیلئے بیان کرتے ہیں اور انہیں سوائے عالموں کے کوئی نہیں سمجھتا)۔

ان دونوں آیات سے عبرت حاصل کرنے اور مختلف قرآنی مثالوں سے باتوں کو سمجھنا اصل میں قیاس کے شرعی دلیل ہونے پر دلیل ہیں۔

حدیث سے قیاس کی حجیت: نبی کریم ﷺ نے کئی احکام قیاس کے ذریعے حل فرمائے مثلاً

۱- حضرت عمرؓ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر تو پانی سے کلی کرتا تو کیا آپ کا روزہ ٹوٹ جاتا تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جس طرح پانی سے کلی کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اسی طرح بوسہ لینے سے بھی تمہارا روزہ نہیں ٹوٹا۔

۲- حضرت معاذؓ بن جبل کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو اس سے فیصلہ کرنے کے بارے میں آپ ﷺ نے پوچھا تو انہوں نے عرض کیا پہلے کتاب اللہ کے مطابق، اگر وہاں اس کا حل نہ ملا پھر رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق، اگر وہاں بھی اس کا حل نہ ملا تو پھر اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ آپ ﷺ نے اسے درست قرار دیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بھی یہی منشا ہے۔ قیاس اصل میں اجتہاد ہی تو ہوتا ہے۔

۳- خثعم قبیلہ کی ایک عورت نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ میرا باپ عمر رسیدہ ہے حج اس پر فرض ہے لیکن کمزوری کے باعث سواری پر بیٹھ نہیں سکتا تو کیا میرا اس کی طرف سے حج کرنا جائز ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر آپ کے باپ پر قرض ہوتا اور وہ تم ادا کر دیتی تو کیا وہ ادا ہو جاتا تو اس نے کہا وہ تو ادا ہو جاتا تو پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کرنا زیادہ ضروری ہے۔ گویا نبی کریم ﷺ

نے عمر رسیدہ شخص کے بارے میں حج کو مالی حقوق پر قیاس کیا۔

عمل صحابہ سے قیاس کی حجیت:

۱- حضرت ابو بکر نے کلالہ (بے اولاد) کی وراثت کے بارے میں اپنی رائے سے فتویٰ دیا۔

۲- حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ گزشتہ مثالوں اور فیصلوں کو پہچانو اور ان کی روشنی میں پیش آمدہ مسائل کو حل کرو۔

۳- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنی رائے کے ذریعے ایسی عورت کیلئے مہر مثل قرار دیا جس کا نکاح ہوا اس کا مہر مقرر نہیں کیا گیا تھا اور شادی سے قبل اس کا خاوند وفات پا گیا۔

قیاس کے ارکان: قیاس کے چار ارکان ہیں:

۱- اصل جسے مقیس علیہ بھی کہتے ہیں جس پر کسی دوسری چیز کو قیاس کیا جاتا ہے۔

۲- فرع جسے مقیس بھی کہتے ہیں جس چیز کو اصل پر قیاس کیا جائے وہ فرع کہلاتی ہے۔

۳- علت: جس وصف کی بنیاد پر اصل کا حکم فرع پر لگایا جاتا ہے۔

۴- حکم: علت کی بنا پر جو حکم اصل کا ہوتا ہے اسے فرع میں بھی جاری کر دیا جاتا ہے۔

چونکہ شراب کی حرمت کی وجہ نشہ ہے لہٰذا ہیروئن یا چرس وغیرہ فروع ہیں اور ان میں بھی نشہ کی علت موجود ہے لہٰذا اصل پر قیاس کرتے ہوئے علتِ نشہ کی وجہ سے ان سب کو بھی حرام ٹھہرایا جائے گا۔

قیاس کے صحیح ہونے کی شرائط: قیاس کے صحیح ہونے کی درج ذیل پانچ شرائط ہیں:

۱- وہ قیاس کسی نص (شرعی حکم) کے مقابلے میں نہ ہو۔

۲- اس قیاس کے ذریعے نص (شریعت) کے احکام میں تبدیلی نہ آئے۔

۳- اصل سے فرع کی طرف منتقل ہونے والا حکم قابلِ فہم ہو۔

۴- علت کسی حکم شرعی کی وجہ سے ہو نہ کہ کسی لغوی امر کی وجہ سے۔

۵- فرع پہلے ہی منصوص علیہ نہ ہو یعنی اس کے بارے پہلے ہی کوئی شرعی حکم نہ لگایا گیا ہو۔

خلاصہ بحث: ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ فقہ اسلامی کے بنیادی مآخذ چار ہیں اہمیت کے اعتبار سے ان کی ترتیب حسب ذیل ہے۔

پہلا درجہ	:	قرآن کریم	دوسرا درجہ	:	حدیثِ رسول ﷺ
تیسرا درجہ	:	اِجماع	چوتھا درجہ	:	قیاسِ شرعی

مقاصدِ شریعت

مقاصد شریعت کا لغوی معنی و مفہوم: مقاصد کا واحد مقصد ہے۔ جس کا معنی ارادہ، اعتدال، سیدھا راستہ، عدل و انصاف وغیرہ کے ہیں جبکہ شریعت کا معنی گھاٹ، دین، ملت،

طریقہ، منہاج اور سنت وغیرہ کے ہیں۔ شریعت کا لفظ اللہ تعالیٰ کے مقررہ طور طریقوں اور اوامر و نواہی کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ مقاصدِ شریعت چونکہ مرکب اضافی ہے اس لیے اس کا معنی ہے شریعت کے مقاصد۔

مقاصد شریعت کا اصطلاحی مفہوم: مقاصد شریعت سے مراد وہ تمام مقاصد اور حکمتیں ہیں جو تمام احکام شریعت پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہیں۔

قرآن اور مقاصد شریعت: اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس بڑی حکیم و دانا ہے اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ اس کا صفاتی نام حکیم قرآن مجید میں ستانوے مرتبہ استعمال ہوا ہے اللہ تعالیٰ کے نیک اور دانا بندے زمین و آسمان کی تخلیق پر غور وفکر کے بعد کہتے ہیں: ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا﴾ [آل عمران:۱۹۱] (اے ہمارے رب یہ سب کچھ تو نے بے مقصد پیدا نہیں فرمایا)۔ جن و انس کی تخلیق کا مقصد عبادت الٰہی ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ [سورۃ الذاریات:۵۶] (جن و انسان کو میں نے صرف اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں)۔ عبادت اقامت دین اور حفاظت دین کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ عبادت عقیدے کو جلا بخشتی ہے۔

نماز کا مقصد: نماز کا بنیادی مقصد طہارت کا حصول، بے حیائی اور برائی سے بچانا ہے۔ ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ﴾ [سورۃ العنکبوت:۴۵] (یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے بچاتی ہے)۔

روزے کا مقصد: روزے کا مقصد لوگوں کے اندر تقویٰ اور پرہیز گاری پیدا کرنا ہے۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ [سورۃ البقرۃ:۱۸۳] (اے ایمان والو! روزے تم پر اس طرح فرض کیے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ)۔

زکوٰۃ کا مقصد: زکوٰۃ کا مقصد تزکیۂ نفس اور دلوں میں مال کی محبت کم کرنا ہے: ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ [سورۃ التوبہ:۱۰۳] (ان کے مالوں سے زکوٰۃ لیں تاکہ اس سے ان کے مال پاک ہو جائیں اور انہیں تزکیۂ نفس حاصل ہو اور انہیں دعا دیجئے کیونکہ آپ ﷺ کا دعا کرنا ان کے لیے باعث سکون ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر سننے اور جاننے والا ہے) اسی طرح تمام اوامر و نواہی میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کیلئے فوائد اور حکمتیں رکھی ہیں۔

حج کا مقصد: حج سے متعلقہ تمام احکام سے ثابت ہوتا ہے کہ حج کا بنیادی مقصد یکسو ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ہے: ﴿فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ﴾ [سورۃ البقرۃ:۲۰۰]

(جب تمام حج کے ارکان ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کا خوب ذکر کرو)۔ حج اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ﴾ [سورۃ الحج: ۲۸] (تاکہ وہ اپنے فوائد کے لیے حاضر ہوں) کے مطابق دینی دنیوی فوائد اور مصالح کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ ہے جو مناسک کی ادائیگی، گناہوں کی بخشش، دنیا میں تجارتی فوائد اور آخرت میں انعامِ خداوندی کی صورت میں ہوسکتا ہے۔

کعبۃ اللہ، صفا و مروہ کی سعی وغیرہ جو شعائر اللہ ہیں۔ ان کی تعظیم درحقیقت ''اللہ تعالیٰ کی ہی تعظیم ہے جو اقامت و حفاظت دین کا باعث بنتی ہے۔ مسلمانوں کے جم غفیر سے شوکت اسلام کے ساتھ ساتھ اعدائے اسلام پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ جاتی ہے۔

<u>شریعت اسلامیہ کے عمومی مقاصد</u>: شریعت اسلامیہ کا عمومی مقصد ''انسانی مصالح'' کا حصول ہے۔ انسانی مصالح سے مراد دنیوی اور اخروی زندگی میں انسان کے لیے منافع اور فوائد چاہنا اور نقصانات سے بچانا ہے۔ شریعت اسلامی کے احکام کی چھان بین سے دو حقیقتیں ثابت ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ شریعت کے احکام میں کوئی ایک بھی حکم ایسا نہیں جو انسانی مصالح کی خاطر نہ ہو اور دوسرا یہ کہ کوئی بھی انسانی مصلحت ایسی نہیں جس کے لیے شریعت میں کوئی حکم نہ دیا گیا ہو۔

<u>مقاصد شریعت کے درجات</u>: انسانی مصالح کی تکمیل کے لیے شریعت نے جو احکام دیئے ہیں وہ سب کے سب ایک درجے کے نہیں ہیں بلکہ اہمیت کے لحاظ سے انہیں تین درجات میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ ضروریات (Needs)

۲۔ حاجیات (Requirements)

۳۔ تحسینیات (Refinements)

<u>۱۔ضروریات (Needs)</u>: امام شاطبی کے قول کے مطابق ضروریات سے مراد وہ مقاصد جو دین و دنیا کی مصالح کے قیام کے لیے اس طرح ضروری ہوں کہ ان کے بغیر دنیا کی مصالح درست طور پر نہ چل سکیں بلکہ ان کے بغیر دنیا میں قتل و غارت اور زندگی کا فقدان ہو اور آخرت میں نجات و نعمتوں سے محرومی اور ابدی خسارہ یقینی ہو یعنی ضروریات سے مراد وہ مصالح ہیں جو انسان کے لیے لازمی اور ضروری ہیں ان کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا جیسے زندگی کی بقا کے لیے کھانا، پینا، ہوا، وغیرہ۔ انسانی ضروریات پانچ طرح کی ہیں:

۱۔ دین کی حفاظت ۲۔ جان کی حفاظت ۳۔نسل کی حفاظت

۴۔ عقل کی حفاظت ۵۔ مال کی حفاظت

ان پانچوں امور کو مقاصدِ شریعت کہا جاتا ہے۔ ان سب کی حفاظت کے لیے شریعت میں دو طرح کے احکام موجود ہیں:

۱۔ وہ احکام جو ان پانچوں ضروریات کی حفاظت کرتے ہیں۔ انہیں ایجابی (جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہو) احکام کہا جاتا ہے۔

۲۔ وہ احکام جو ان پانچوں ضروریات کو نقصان پہنچانے والی چیزوں سے بچاتے ہیں انہیں احکام سَلْبِیَّہ کہا جاتا ہے۔

چنانچہ دین کی حفاظت کی ضرورت کے لیے اسلامی احکام کی بجا آوری کے احکام موجود ہیں اور ارتداد اور جہاد کے احکام کے ذریعے دین کو نقصان سے بچایا گیا ہے۔اس طرح جان کی حفاظت کے لیے کھانے پینے کا حکم دیا گیا ہے اور اسے نقصان سے بچانے کے لیے قتل خود کشی اور جان کو نقصان دینے والی چیزوں کو حرام ٹھہرایا گیا ہے۔ ''نسل کی حفاظت'' کے لیے شادی کا حکم دیا گیا ہے اور نسب کی حفاظت کے لیے زنا، فحاشی اور قتلِ اولاد کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ عقل کی حفاظت کے لیے حصول علم اور غوروفکر کے احکام دیئے گئے ہیں اور عقل کو نقصان پہنچانے والے امور مثلاً نشہ آور اشیاء کے استعمال کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح مال کی حفاظت کے لیے تجارت اور کسب حلال کے احکام دیئے گئے اور اسے نقصان سے بچانے کے لیے چوری، ڈاکہ زنی، رشوت اور سود وغیرہ کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

۲۔حاجیات (Requirements): ''حاجیات'' سے مراد وہ امور ہیں جو ''ضروریات میں سے نہ ہوں لیکن مصالح (فوائد) کے حصول کے لیے انسان ان کا محتاج ہو۔ امام شاطبی کے مطابق ''حاجیات'' سے مراد زندگی کے معاملات میں کشادگی پیدا کرنے اور تنگی دور کرنے والے امور ہیں جو تنگی اور مشقت کی طرف لے جانے والے اسباب کو دور کرتے ہیں۔ ''حاجیات'' سے ضروریات کی تکمیل میں تنگی اور مشقت کم ہو جاتی ہے اور حاجیات کے فقدان سے ''ضروریات کی تکمیل کے لیے انسان تنگی اور مشقت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

مثلاً نابالغ لڑکی کے نکاح کا اختیار ولی کو دیا جائے یا خود لڑکی کو اپنے نکاح کا اختیار ہو؟ اس کے علاوہ وہ معاہدے جن میں باہمی تبادلہ اور معاوضہ ہوتا ہے۔ مثلاً بیع اجارہ، قراض اور مساقات وغیرہ اس کے علاوہ نکاح میں کفو کا خیال رکھنا، مہر مثل اور خرید و فروخت میں نقصان سے بچنا وغیرہ۔

۳۔تحسینیات (Refinements): یہ اصطلاح ''حُسن'' سے مشتق ہے تحسینیات سے مراد وہ امور ہیں جو حقیقت میں نہ تو ضروریات ہوں اور نہ ہی حاجیات ہوں بلکہ ان سے کی شرف اور اعزاز کا حصول ہوتا ہے۔ جیسے باوضو رہنا وغیرہ بقول امام غزالیؒ وہ امور جو نہ ضرورت ہوں اور نہ حاجت بلکہ صرف فضیلت اور اعزاز کے لیے خوبصورتی، زینت اور آسانی کا باعث ہوں۔ عادات اور معاملات میں ان کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ مقاصد تحسینیہ کا اصل مقصد معاشی زندگی کو خوشگوار بنانا، معاشرے کے تمام افراد کو طہارت اور

نظافت عطا کر کے انہیں حسین وجمیل بناتا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ وَ یُحِبُّ الْجَمَالَ (یقیناً اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے)۔

مذکورہ بحث سے واضح ہوتا ہے کہ اہمیت کے اعتبار سے پہلے "ضروریات" کی تکمیل ہوتی ہے پھر "حاجیات" کی اور پھر "تحسینیات" کی۔ اگر ان تینوں مصالح میں باہم تعارض آ جائے اور وہ مصالح انسان کی ضروریات سے متعلق ہوں تو انہیں سب سے پہلے پورا کیا جائے گا پھر حاجیات سے متعلق مصالح پورے کیے جائیں گے ان دونوں کے بعد تحسینیات کے مصالح پر عمل ہو گا۔ شریعت اسلامی نے ان مقاصدِ شریعت کے حصول کے لیے متعدد احکام جاری فرمائے اور ان میں سے ضروریات کی حفاظت کے لیے احکام دیئے اور ان کو نقصان پہنچانے والے امور کو حرام قرار دیا۔

حاجات کی مصالح کو پورا کرنے کے لیے شرعی رخصتیں دی گئیں جیسے سفر کے دوران نماز میں قصر، بیماری میں وضو اور غسل کی جگہ تیمم کرنے کے احکام اور کاروباری معاملات کے متعلق احکام بتائے تاکہ انسان اپنے لیے آسانیاں حاصل کر سکے۔ تحسینی مصالح پورا کرنے کے لیے اخلاق و آداب کی تفصیلات دی گئیں ہیں مثلاً لباس پہننے، ملاقات کے آداب، دوسروں کی معاونت اور اخلاق حسنہ سے مزین ہونے کے احکام وغیرہ۔

مقاصد شریعت کی کامل معرفت سے ایمان کی مضبوطی، مقصد تخلیق سے آگاہی۔ شارع (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ) کے مقاصد سے موافقت پیدا ہوتی ہے۔ احکام شریعت کی تبلیغ میں اس سے مدد لی جاسکتی ہے۔ کئی فقہاء مثلاً امام شافعی، امام جوینی، امام غزالی، عزالدین، ابن تیمیہ، ابن قیم رحمھم اللہ نے مجتہدین کے لیے مقاصد شریعت کا علم ضروری قرار دیا۔ مقاصد شریعت جاننے کی وجہ سے احکام شریعت کی پہچان، ان میں اعتدال اور توازن قائم کرنے اور انہیں زمان و مکان کے مطابق سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

معروضی سوالات

سوال نمبر 1: درج ذیل میں ہر سوال کے ساتھ اس کے چار ممکنہ جوابات دیئے گئے ہیں، ان میں سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے۔

1- اسلامی فقہ کے بنیادی ماخذ ہیں۔

(a) 2 (b) 3 (c) 4 ✓ (d) 12

2- فقہ کا لغوی معنی ہے۔

(a) بند کرنا (b) درست کرنا (c) جمع کرنا (d) کھولنا، پھاڑنا ✓

3- علم فقہ کے ماہر کو کہتے ہیں۔

(a) مفسر (b) محدث (c) فقیہ ✓ (d) نجومی

4- اسلامی فقہ کا بنیادی ماخذ ہے۔
(a) حدیث (b) قیاس (c) قرآن ✓ (d) اجماع

5- قیاس کے ارکان ہیں۔
3(a) 4(b) ✓ 5(c) 6(d)

6- مقاصد شریعت کی تعداد ہے۔
2(a) 3(b) 5(c) ✓ 6(d)

7- فقہ اسلامی کا چوتھا ماخذ ہے۔
(a) قرآن (b) حدیث (c) اجماع (d) قیاس ✓

8- درجات اور اہمیت کے لحاظ سے مقاصد شریعت کی اقسام ہیں۔
2(a) 3(b) ✓ 4(c) 5(d)

9- کلالہ سے مراد ہے۔
(a) صاحب اولاد (b) شادی شدہ (c) غیر شادی شدہ (d) بے اولاد ✓

10- قیاس کا لغوی معنی ہے۔
(a) یقین کرنا (b) اندازہ لگانا ✓ (c) لپیٹنا (d) پھاڑنا

سوال نمبر:2 درج ذیل میں سے درست کے سامنے (✓) کا اور غلط کے سامنے (X) کا نشان لگائیے۔

1- فقہ کا لغوی مطلب وضاحت کرنا ہے۔ X
2- علم فقہ کا تعلق علم تفسیر سے ہے۔ X
3- فقہ کا پہلا ماخذ قرآن ہے۔ ✓
4- تمام احکام شرعیہ کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ X
5- ضروریات کا تحفظ حاجیات اور تحسینیات سے زیادہ اہم ہے۔ ✓
6- اجماع کا لغوی معنی کسی کام کو کرنے کا مصمم ارادہ کرنا ہے۔ ✓
7- قرآنی فقہی احکام دو طرح کے ہیں۔ ✓
8- حدیث سے ثابت ہونے والے احکام کی دو اقسام ہیں۔ X
9- مقاصد شریعت کے پانچ درجات ہیں۔ X
10- مقاصد شریعت جاننے کی وجہ سے احکام شریعت کی پہچان میں مدد ملتی ہے۔ ✓

سوال نمبر3: سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجئے۔

س : علم فقہ کی فضیلت کے بارے میں کوئی حدیث باترجمہ لکھیے؟
ج : حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِى الدِّيْنِ۔

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ کو جس کی بہتری اور بھلائی مقصود ہوتی ہے تو اسے دین کی سمجھ اور فہم عطا فرماتا ہے)۔

س : علم فقہ کے ماہر کو کیا کہتے ہیں؟
ج : علم فقہ کے ماہر کو فقیہ، مجتہد اور امام کہا جاتا ہے۔
س : فقہی احکام کتنی طرح کے ہیں اور کون کون سے ہیں؟
ج : فقہی احکام دو طرح کے ہیں۔ 1- عبادات 2- معاملات
س : خاندانی معاملات (احوال شخصیہ) میں کون سے امور زیر بحث لائے جاتے ہیں اور کیوں؟
ج : خاندانی معاملات میں نکاح، طلاق، اولاد، نسب اور ولایت وغیرہ زیر بحث لائے جاتے ہیں۔ ان کا بنیادی مقصد خاندان کو ٹھوس بنیادوں پر استوار کرنا ہے۔
س : مالی معاملات میں کون کون سے امور زیر بحث لائے جاتے ہیں؟
ج : ان میں تجارت، مضاربت، رہن اور تمام قسم کے کاروباری معاملات زیر بحث لائے جاتے ہیں۔
س : دستوری معاملات سے کیا مراد ہے؟
ج : حکمرانوں اور رعایا کے حقوق و فرائض سے متعلقہ امور دستوری معاملات کہلاتے ہیں۔
س : قرآن میں حضور نبی کریم ﷺ کو کسی چیز کے حلال و حرام ٹھہرانے کا کتنا اختیار دیا گیا ہے؟
ج : اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ کو کسی چیز کے حلال و حرام ٹھہرانے کا مکمل اختیار دیا ہے، ارشاد ربانی ہے: ﴿وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ (نبی ﷺ) ان کے لیے پاکیزہ اشیاء حلال اور ناپاک اشیاء حرام ٹھہراتے ہیں۔
س : حضور ﷺ نے کون کون سے دو خون حلال ٹھہرائے ہیں؟
ج : حضور ﷺ نے تلی اور کلیجی کو حلال ٹھہرایا ہے۔
س : مقاصد شریعت میں انسانی ضروریات کتنی طرح کی ہیں اور کون کون سی ہیں؟
ج : مقاصد شریعت میں انسانی ضروریات پانچ طرح کی ہیں اور وہ درج ذیل ہیں: (۱) دین کی حفاظت (۲) جان کی حفاظت (۳) نسل کی حفاظت (۴) عقل کی حفاظت (۵) مال کی حفاظت

٦- تہذیب

- تہذیب کا مفہوم
- اسلامی تہذیب
- عصرِ حاضر کی تہذیبوں کے ساتھ اسلامی تہذیب کا موازنہ اور عالمی تہذیبوں پر اسلامی تہذیب کے اثرات

تہذیب

تہذیب کا مفہوم: تہذیب کا لفظ لغوی طور پر کانٹ چھانٹ کرنے، عیب دور کرنے سنوارنے، آراستہ و پیراستہ کرنے اور خوش اخلاق بنانے کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اصطلاحی معنوں میں ''تہذیب'' سے مراد کسی قوم کی وہ ظاہری شکل و صورت، وضع قطع اور طور طریقے ہیں جن کی بدولت وہ دیگر اقوام سے ممتاز نظر آتی ہے۔

اسلامی تہذیب: اسلامی تہذیب سے مراد وہ تہذیب ہے جس کی بنیاد اسلامی نظریات پر قائم ہے اور وہ ان تمام امور کی بجا آوری جو شریعت اسلامیہ کا خاصہ ہیں کی وجہ سے دیگر اقوام سے ممتاز نظر آتی ہے، مثلاً کلمہ طیبہ یعنی توحید و رسالت کی گواہی، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی ادائیگی، مساجد کی تعمیر اور اذان وغیرہ۔

اسلامی تہذیب کے بنیادی عوامل میں عقیدہ توحید و رسالت ملائکۃ، آسمانی کتابوں اور آخرت پر ایمان لانا شامل ہے جبکہ اسلامی تہذیب کے عناصر و ارکان میں کلمہ شہادت، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ جیسی عبادات شامل ہیں۔

اسلامی تہذیب اور اس کی خصوصیات

ہر تہذیب کی بنیاد مخصوص افکار، نظریات اور عقائد پر قائم ہوتی ہے۔ یہ افکار، نظریات اور عقائد حسی یا مادی طور پر نظر نہیں آتے جب کہ حاملین تہذیب کی زندگیاں ان افکار و نظریات کی عکاس ہوتی ہیں۔ ذیل میں اسلامی تہذیب کی خصوصیات بیان کی جاتی ہیں: ۱- اسلامی تہذیب کی امتیازی خصوصیات ۲- اسلامی تہذیب کی عمومی خصوصیات

۱- اسلامی تہذیب کی امتیازی خصوصیات: اسلامی تہذیب کی امتیازی خصوصیات سے مراد وہ خوبیاں اور اوصاف ہیں جو صرف اسلامی تہذیب کے حاملین میں پائی جاتی ہیں جبکہ دوسری اقوام و مذاہب کی تہذیبوں میں یہ اوصاف نہیں پائے جاتے۔ ان امتیازی خصوصیات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱- اسلامی تہذیب کے عوامل جنہیں عقائد اور محرکات بھی کہا جاتا ہے۔

۲- اسلامی تہذیب کے ارکان جنہیں عناصر بھی کہا جاتا ہے۔

i- اسلامی تہذیب کے عوامل: عوامل عامل کی جمع ہے۔ جس کا معنی عمل کرنے والے کے ہیں اور عوامل سے مراد وہ عقائد اور نظریات ہیں جو اپنے ماننے والوں کو مہذب بناتے ہیں۔

اسلامی تہذیب کے عوامل درج ذیل ہیں:

اللہ تعالیٰ پر ایمان: اسلامی تہذیب کی بنیاد عقیدہ توحید یعنی اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات،

صفات اور عبادت میں واحد اور یکتا ماننا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور عبادت میں کسی کو شریک ٹھہرانا شرک کہلاتا ہے۔ لہٰذا اسلامی تہذیب کا حامل شخص مُوَحِّد ہوتا ہے اور مشرک نہیں ہوتا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ سے ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ o اَللّٰهُ الصَّمَدُ o لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ o وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ o﴾ [سورہ اخلاص: ۱-۴] (اے رسول ﷺ) آپ لوگوں سے فرما دیجئے کہ اللہ اکیلا ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی باپ ہے اور نہ ہی کوئی اس کے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ جیسی کسی کی صفات نہیں ہیں: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ (سورۃ الشوریٰ: ۱۱) اس کی صفات جیسی کسی میں کوئی صفت نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تمام صفات ذاتی، ازلی، ابدی غیر فانی اور غیر محدود ہیں جبکہ مخلوق کی صفات، محدود، فانی اور اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ ہیں۔ درست عقیدۂ توحید سے انسان میں تقویٰ، عزت نفس، عاجزی و انکساری، بہادری، صبر و استقامت، مساوات، اطمینانِ قلب، وسیع النظری اور امید جیسے اخلاق حَسَنہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ عقیدۂ توحید کے اسلامی تہذیب پر اتنے بہترین اثرات مرتب ہوئے کہ وہ پہلی اور پچھلی تمام تہذیبوں سے سبقت لے کر ممتاز ہو گئی اور اپنے عقائد، نظم و نسق اور شعر و ادب میں بت پرستی کے تمام مظاہر و آداب سے پاک ہو گئی۔

ii- <u>فرشتوں پر ایمان لانا:</u> انسانوں اور جنات کی طرح فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے پیش نظر انہیں پیدا فرمایا، یہ خالص نورانی اور لطیف مخلوق ہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم سے کائنات میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کو نافذ کرتے ہیں۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی وہ تابع فرماں مخلوق ہیں جن میں نافرمانی کا عنصر نہیں پایا جاتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرشتوں کے حوالے سے ارشاد فرمایا: ﴿لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ [سورۃ التحریم: ۶] وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی نہیں کرتے، وہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

مشہور فرشتوں میں حضرت جبرائیلؑ، حضرت میکائیلؑ، حضرت اسرافیلؑ اور حضرت عزرائیلؑ شامل ہیں۔ فرشتوں کے اہم فرائض میں سے اللہ تعالیٰ کے احکام کو اس کے رسل و انبیاء تک پہنچانا، رزق کی فراہمی، انسانی اعمال لکھنا، جانوں کا قبض کرنا، حکم الٰہی سے انبیاء و رسل اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی مدد کرنا اور ان کے دشمنوں کو تباہ کرنا، اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرنا، احکام خداوندی کو کائنات میں نافذ کرنا، اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی بخشش کی دعا کرنا، نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی ذات بابرکات پر صلوٰۃ و سلام بھیجنا، اللہ

تعالیٰ کی اجازت سے قیامت کے دن مومنین کی شفاعت کرنا، دلوں میں نیک کاموں کی بجا آوری کا جذبہ پیدا کرنا شامل ہیں۔

فرشتوں پر ایمان لانے کا اثر اسلامی تہذیب میں اللہ اور بندے کا رابطہ، وحی الٰہی پر ایمان، نفع مند علم کی نشرو اشاعت، ایمان بالغیب، رجائیت، اپنے اعمال پر محاسبے کی صورت میں اس طرح واضح نظر آتا ہے کہ انسان کے اندر وسعت نظر اور ان دیکھی مخلوقات کی کائنات میں موجودگی سے عاجزی و تواضع پیدا ہوتی ہے اور امید ہوتی ہے کہ بظاہر تنہا نظر آنے والے لمحات میں بھی اللہ تعالیٰ کے فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی مصاحبت کرتے ہیں اور نیکیوں میں مدد کرتے ہیں اور برائیوں سے بچنے کے لیے شیطان کے خلاف اس کے روحانی ساتھی ہوتے ہیں۔

۳- آسمانی/الہامی کتابوں پر ایمان: اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت اور تعلیم و فلاح کے لیے اپنے رسولوں پر وحی کے ذریعے کتابیں نازل کیں ان تمام کتابوں اور صحیفوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ تسلیم کرنا آسمانی/ الہامی کتابوں پر ایمان لانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے متقین کی ایک صفت یہ بھی بیان کی ہے: ﴿وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ [سورة البقرہ:۴] (متقین وہ ہیں) جو آپ (حضرت محمد ﷺ) پر اور آپ سے قبل نازل ہونے والی (کتب) پر ایمان لاتے ہیں۔

مشہور آسمانی کتب تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید ہیں جو بالترتیب حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آخری نبی و رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئیں۔ ان کتب کے علاوہ دوسرے انبیاء پر صحیفے بھی نازل ہوئے گئے جن میں حضرت آدم علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کی راہنمائی کے لیے اپنے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور ان پر وحی نازل فرمائی۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ﴾ [سورة البقرة:۲۱۳] اور ان کے ساتھ حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی۔ دیگر اقوام نے اپنی کتابوں میں تحریف اور تبدیلی کر لی اور وحی الٰہی میں انسانی افکار کی آمیزش کر دی۔ اب صرف قرآن مجید ہی ہر قسم کی تحریف و تبدیلی سے پاک ہے اس لیے کہ صرف قرآن مجید ہی کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [سورة الحجر:۹]

قرآن مجید میں نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کو تلاوتِ کتاب، تعلیم کتاب و حکمت، احکام و آیات کی وضاحت، تزکیۂ نفوس اور تبلیغ و دعوت کی ذمہ داریاں سونپی گئیں۔ یہی

ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا (میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں)۔ اسلامی تہذیب کی امتیازی شان یہ ہے کہ اس میں وحی الٰہی کے ذریعے تعلیم کو تمام انسانوں کی اوّلین اور بنیادی ضرورت قرار دیا گیا۔ تعلیم و تعلّم کی ضرورت و اہمیت کے ساتھ ساتھ ذرائع تعلیم، پڑھنے اور لکھنے کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی گئی۔ (سورہ علق) اسلامی تہذیب میں تعلیم ایک ذہنی، جسمانی اور اخلاقی تربیت ہے اور اس کا مقصد ایسے اچھے تہذیب یافتہ مرد اور عورتیں پیدا کرنا ہے جو اعلیٰ اخلاق و کردار کے حامل ہوں اور ذمہ دار شہریوں کی حیثیت سے ملک و ملت اسلامیہ اور تمام نسل انسانی کی فلاح و بہبود اور معاشرے کی اقتصادی، سماجی، سائنسی اور ترقی میں کار آمد ہوں۔

۴۔ انبیاء علیہم السلام پر ایمان: اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی رہبری کے لیے انبیاء و رسل مبعوث کیے۔ سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام اور سب سے آخری نبی اور رسول حضرت محمد ﷺ ہیں۔ مسلمان تمام انبیاء و رسل کی نبوت و رسالت کو سچا تسلیم کرتا ہے اور ان کے مِنْ جانبِ اللہ ہونے پر ایمان لاتا ہے۔ تمام انبیاء و رسل ایک ہی سلسلہ ہدایت کی کڑیاں ہیں ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کفر ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾ [سورۃ البقرۃ: ۲۸۵] ہم ان رسولوں میں سے کسی ایک کا بھی انکار نہیں کرتے۔

یہی وہ مقدس ہستیاں ہیں جن کے قلوب پر حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی ہدایات، تعلیمات اور اس کے احکام لے کر اترتے رہے۔ یہ پاکیزہ نفوس ان ہدایات پر خود عمل کر کے لوگوں کے لیے نمونہ عمل بنتی رہیں۔ یہ تمام ہستیاں مختلف علاقوں اور قوموں کی طرف مبعوث کی گئیں۔ یعنی ہر قوم کی طرف نبی آتے رہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ﴾ [سورۃ فاطر: ۲۴] ہر قوم میں ڈرانے والا گزرا ہے۔

حضرت محمد ﷺ تمام انبیاء و رسل کے آخر میں مبعوث ہوئے، آپ ﷺ کو خاتم الانبیاء والمرسلین بنا کر بھیجا گیا اور آپ ﷺ پر قرآن مجید نازل فرمایا جو آخری آسمانی الہامی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کے ذریعے تمام انبیاء کی متفرق اقوام کو وحدت کی لڑی میں پرو دیا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ [سورۃ الانبیا: ۱۰۷] اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ [سورۃ سبا: ۲۸] اور ہم نے آپ (حضرت محمد ﷺ) کو تمام انسانوں کے [illegible] رانے والا اور

خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا۔

آپ ﷺ کی نبوت اور تعلیم دائمی وجود رکھنے والی ہے۔ آپ کی ہستی ایسی کامل و جامع ہے جو اپنی زندگی میں ہر نوع اور ہر قسم، ہر گروہ اور ہر صنف انسانی کے لیے ہدایت کی مثالوں اور نظیروں سے بھرپور ہے۔ سابقہ انبیاء کی زندگیوں پر غور کریں تو پتا چلتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی زندگی کفر کے خلاف غیظ و غضب کا ولولہ پیش کرتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی بت شکنوں کا منظر دکھاتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کفار سے جنگ و جہاد، شاہانہ نظم ونسق اور اجتماعی دستور و قانون کی مثال پیش کرتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی خاکساری، تواضع، عفوو درگزر اور قناعت کی تعلیم دیتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی زندگی شاہانہ اولوالعزمیوں کی جلوہ گاہ ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی حیات صبروشکر کا نمونہ ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کی سیرت انابت اور اعتراف کی مثال ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی قید و بند میں بھی دعوت حق اور جوش تبلیغ کا سبق ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی سیرت گریہ و بکاء، حمد و ستائش اور دعا کا صحیفہ ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی زندگی امید، خدا پر توکل اور اعتماد کی مثال ہے۔ لیکن خاتم الانبیاء والمرسلین میں تمام انبیاء علیہم السلام کی سیرتیں سمٹ کر آگئیں ہیں۔ آپ ﷺ قانون، دعا ومناجات، زہد و اخلاق سب کچھ لے کر آئے، جسے الفاظ و معنی میں قرآن اور عمل میں سیرت محمدی کہتے ہیں۔ آپ ﷺ کی رسالت کی آفاقیت اور عالمگیریت یہ ہے کہ ہر ملک، ہر قوم، ہر وطن کے انسان کے لیے اور قیامت تک کے لیے ہے۔ تمام دنیا میں یہ فخر صرف اسلامی تہذیب کے حاملین کو حاصل ہے کہ وہ ایسے پیغمبر کے پیروکار ہیں جو تعلیم اور اصول کے ساتھ ساتھ اپنے عمل اور اپنی مثال کو پیش کرتا ہے۔ اسلامی تہذیب تمام انسانوں کو سنت نبوی ﷺ کی دعوت دیتی ہے اور مختلف انسانی طبقات کے لیے خاتم الانبیاء و المرسلین کی عملی سیرت، اسوہ حسنہ کے کامل نمونے اور مثالیں رکھتی ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت و کردار قرآن مجید، احادیث نبوی کی کتابوں، تاریخ کی کتابوں میں اور اہل اسلام کی زندگیوں میں محفوظ اور مکمل ہے اور اسلامی تہذیب و تمدن کی اساس ہے۔

۵۔ آخرت پر ایمان: آخرت پر ایمان سے مراد یہ ہے کہ انسان مرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے ختم نہیں ہوتا بلکہ اس کی روح باقی رہتی ہے اور ایک دن ایسا آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اوّلین و آخرین کے تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کرے گا اور اس دن ان کے دنیا میں کیے جانے والے تمام اعمال کا محاسبہ کیا جائے گا اور ان کو ان کے نیک و بد تمام اعمال کا پورا

پورا صلہ دیا جائے گا۔ نیک اعمال رکھنے والے جنت میں جائیں گے جب کہ برے اعمال رکھنے والے جہنم میں دھکیل دیئے جائیں گے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۝ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ﴾ [سورۃ انفطار: ۱۳-۱۴] (بے شک نیک لوگ جنت میں اور گناہگار جہنم میں ہوں گے۔)

آخرت پر ایمان محض ایک فلسفیانہ مسئلہ نہیں بلکہ انسان کے اخلاق اور عملی زندگی سے اس کا گہرا ربط ہے۔ جو لوگ بعث بعد الموت یعنی مرنے کے بعد جی اٹھنے پر یقین رکھتے ہیں وہ اپنی زندگی کے تمام معاملات ذمہ داری سے سرانجام دیتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ ان کو اپنے تمام اچھے برے اعمال کا جواب اللہ رب العالمین کو ضرور بالضرور دینا ہے ان کے اعمال نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی ان کے حق میں مفید یا نقصان دہ ہوں گے۔ چنانچہ اسلامی تہذیب کے حاملین میں مکارمِ اخلاق کی تعلیم درحقیقت آخرت پر ایمان کا ہی ثمرہ ہے۔

آخرت پر ایمان کے باعث تقویٰ پرہیز گاری، اللہ تعالیٰ کی راہ میں سرفروشی، مصائب پر صبر کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی عنایت اور رحمت، بے خوفی، بہادری، سخت سے سخت مشکلات کے مقابلے میں رک جانے کی قوت، نیک کاموں میں مال خرچ کرنے کی رغبت اور بخل سے دوری، سود خوری کے ظاہری فائدوں سے دست برادری، دنیا سے بے نیازی اور بدکاروں کی وقتی خوشحالی پر رشک نہ کرنے جیسی، اخلاقی و عملی صفات پیدا ہوتی ہیں۔ ایسی خوبیاں دیگر تہذیبوں میں نظر نہیں آتیں۔

اسلامی تہذیب کے ارکان

ارکان رکن کی جمع ہے اس سے مراد بنیادیں ہیں۔ ارکان کو عناصر بھی کہا جاتا ہے۔ تہذیب اسلامی کے عظیم الشان قصر کی بنیادیں پانچ ہیں۔ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: ''اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر رکھی گئی ہے۔ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔'' [بخاری و مسلم]

۱۔ <u>شہادت توحید و رسالت</u>: دینِ اسلام کا پہلا رکن توحید و رسالت کی گواہی دینا ہے: **أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ** (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں)۔ کلمہ شہادت کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں توحید جب کہ دوسرے حصے میں حضرت محمد ﷺ کی عبدیت و رسالت کی شہادت دی گئی ہے۔ **لا الہ الا اللّٰہ** کی شہادت دینے سے انسان پر لازم ہو جاتا ہے کہ جس اللہ تعالیٰ کو انسان نے اپنا معبود تسلیم

کیا ہے اس کا عبد یعنی بندہ و غلام بن کر رہے۔ بندہ بن کر رہنے کا نام ہی عبادت ہے۔ یعنی نہ صرف زبان و دل سے اقرار کرنا۔ بلکہ عملی طور پر پوری زندگی کا عبادت بن جانا۔ چنانچہ اسلامی تہذیب میں افراد اور معاشرہ پر توحید کی گواہی کے اثرات ان کی زندگیوں میں نظم وضبط، مکارم اخلاق کے فروغ اور دین و دنیا میں وحدت کی صورت میں نمایاں نظر آتے ہیں۔

اسی طرح حضرت محمد ﷺ کو "اللہ کا بندہ اور رسول" ماننے کی شہادت کا اثر ہے کہ انسان کو راہ ہدایت اور اسوۂ حسنہ مل جاتا ہے۔ جس پر چل کر دنیا اور آخرت دونوں سنور جاتی ہیں۔

۲۔ صلوٰۃ (نماز): دین اسلام میں صلوٰۃ کا مطلب ایک ایسی عبادت ہے، جسے رسول اکرم حضرت محمد ﷺ نے خاص طریقے سے ادا فرمایا اور جسے ہر مسلمان دن رات میں پانچ مرتبہ ادا کرنے کا پابند ہے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے: ﴿وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ [سورۃ الروم:۳۱] (تم نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ بن جاؤ۔) دنیا میں جتنے بھی انبیاء و رسل تشریف لائے سب نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے نماز پڑھی اور اپنی اپنی امتوں کو بھی نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

انسان کی پوری زندگی کو عبادت میں تبدیل کرنے کے لیے نماز بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اسی لیے اسے قرآن مجید میں "ذکر" یعنی یاد دہانی کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ نماز انسان کو یاد دلاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے اور یہ کہ وہ شیطانی نفس کا بندہ نہیں ہے۔ چنانچہ وہ فرض شناس ہو کر شیطانی قوتوں سے لڑتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے فرائض بجا لاتا ہے اور حدود اللہ کی حفاظت کرتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ "بَیْنَ الْعَبْدِ وَ بَیْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ" [الحدیث] (بندے اور کفر کے درمیان ترک صلوٰۃ کا فرق ہے۔) نماز کا ارادہ کرتے ہی روح کی تربیت اور اسلامی سیرت کی تعمیر کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ نماز انسان میں ضبط نفس، پاکیزگی اور اوقات کی پابندی، مساوات، اجتماعیت اور سردار کی اطاعت جیسے بہترین اوصاف پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے۔ چنانچہ اسلامی تہذیب میں سیرت و کردار سازی نماز کے نظام سے ہی بنتی ہے اور جب یہ نظام ٹوٹ جائے تو سیرتیں بگڑ جاتی ہیں اور زوال و انحطاط لازم ہو جاتا ہے۔

۳۔ زکوٰۃ: زکوٰۃ کے لغوی معنی ہیں بڑھنا اور پاک ہونا۔ زکوٰۃ ایک مالی عبادت ہے اور ایک انقلابی معاشی تصور ہے۔ جو ہر صاحب نصاب پر ایک مخصوص شرح یعنی اڑھائی فیصد سالانہ کے حساب سے فرض ہے۔ قرآن مجید میں زکوٰۃ کیلئے صدقہ کا لفظ آیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ [سورۃ التوبہ:۱۰۳] (ان کے

مالوں سے زکوٰۃ وصول کرو) نماز کا تعلق حقوق اللہ سے ہے اور زکوٰۃ کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ جو شخص نماز کو حقیقت میں قائم کر لیتا ہے وہ مسجد سے باہر آ کر اللہ تعالیٰ کو بھول نہیں جاتا، اسی طرح جو شخص زکوٰۃ کا حق ادا کر دے تو وہ بندگانِ خدا کے حقوق پامال کرنے سے دور رہتا ہے۔ سچی نیت سے زکوٰۃ دینے والے کا دل دنیا کی حرص سے پاک ہو جاتا ہے۔ زکوٰۃ حلال کمائی سے دی جانی چاہیے اور زکوٰۃ میں جو چیزیں دی جائیں وہ بھی عمدہ ہونی چاہئیں اور صرف حق داروں کو دی جائے ورنہ شرعی فریضہ ادا نہیں ہوتا۔

اسلامی تہذیب میں زکوٰۃ کی شکل میں باہمی امداد کا ایسا نظام قائم ہے جس کے ذریعے نہ صرف تمام افراد کو بنیادی ضروریات کی ضمانت مل جاتی ہے بلکہ معیشت کے بڑے مسائل مثلاً ذخیرہ اندوزی، دولت کی غلط تقسیم، اور غربت سے چھٹکارا بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ درست بنیادوں پر زکوٰۃ کا نظام قائم ہونے سے زندگی کی نعمتوں کا حصول سب کے لیے سہل ہو جاتا ہے۔

۴۔ حج: حج کے لغوی معنی قصد اور زیارت کا ارادہ کرنا ہیں۔ اصطلاحی معنوں میں مقررہ ایام میں خاص آداب و شرائط کے ساتھ بیت اللہ کی زیارت، منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں مخصوص مناسک کو ادا کرنا حج کہلاتا ہے۔ حج دین اسلام کا ایک اہم رکن ہے اور عبادات اسلامی کا مجموعہ ہے۔ ہر عاقل، بالغ اور صاحب استطاعت مسلمان پر زندگی میں ایک بار حج کرنا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ [آل عمران: ۹۷] (اور حج لوگوں پر اللہ کی رضا کے لیے فرض ہے کہ جو بھی اس کی راہ میں قدرت رکھتا ہو وہ بیت اللہ کا حج کرے)۔ نبی کریم حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص کو کسی بیماری یا واقعی ضرورت یا ظالم حکمران نے روک نہ رکھا ہو اور اس کے باوجود وہ حج نہ کرے تو چاہے وہ یہودی ہو کر مرے چاہے نصرانی۔“

حج امت مسلمہ کے اتحاد کا بہترین مظاہرہ ہے۔ مساوات اور اخوت کا جو مظاہرہ حج کے موقع پر دیکھنے میں آتا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ حج مسلمانوں کو اپنے معاشرتی، معاشی اور سیاسی مسائل حل کرنے کا موقع بھی فراہم کرتا ہے۔

۵۔ صوم (روزہ): صوم کے لغوی معنی رکنا کے ہیں جبکہ شریعتِ محمدی کی اصطلاح میں صبح صادق سے غروب آفتاب تک اپنے ارادہ سے کھانے پینے اور مباشرت سے رکے رہنے کا نام روزہ ہے۔ روزہ ۲ ہجری میں فرض ہوا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ [البقرۃ: ۱۸۵] (اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے

تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ) نیز یہ بھی فرمایا: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [البقرة: ۱۸۵] (تم میں سے جو کوئی رمضان کا مہینہ پائے وہ اس کے روزے رکھے۔) نماز کی طرح روزہ بھی زمانہ قدیم سے انبیاء کی شریعتوں کا لازمی جزو رہا ہے۔ جس طرح نماز روزمرہ کا عمومی نظام تربیت ہے اسی طرح روزہ سال بھر میں ایک ماہ کا غیر معمولی نظام تربیت ہے جس میں روزانہ کی تربیت سے رہ جانے والی خرابیاں دور ہوتی ہیں۔ ظاہر میں روزہ کے دوران دو خواہشات یعنی غذا اور جنسی خواہش کی تکمیل پر پابندی لگائی گئی ہے لیکن روزہ کی حقیقت یہ ہے کہ انسان پر اللہ تعالیٰ کی بندگی کا احساس اس طرح غالب رہے کہ اس کی زندگی میں صبر و استقامت، تحمل، شکر گزاری، غریبوں سے ہمدردی، یکسوئی، فرض کی ادائیگی، نفس کی تربیت، امداد باہمی، احساسِ ذمہ داری اور اجتماعی فلاح جیسی صفات بخوبی پنپ سکیں۔

۲- اسلامی تہذیب کی عمومی خصوصیات

اسلامی تہذیب کی وہ عمومی خصوصیات جو اسے باقی تمام تہذیبوں سے ممتاز کرتی ہیں درج ذیل ہیں:

۱- <u>تصور کائنات:</u> اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات کا خالق و مالک ہے۔ اس کائنات کی ہر چیز منظم ہے اور باضابطہ سلطنت الٰہی کا حصہ ہے۔ اس کائنات میں اقتدار اعلیٰ کی حامل ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ کسی کو بھی مجال نہیں کہ وہ اس کے حکم سے سرتابی کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تمام کائنات انسان کے لیے مسخر کر دی ہے یعنی انسان اس میں موجود ہر چیز کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ﴾ [سورۃ لقمان: ۲۰] (اے انسان) کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو جو زمین میں ہیں، تیرے لیے مطیع بنا دیا ہے۔)

۲- <u>انسان اللہ کا خلیفہ:</u> قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ [سورۃ البقرۃ: ۳۰] (بے شک میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں) انسان کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں اپنا خلیفہ بنا کر اسے دوسری تمام مخلوقات سے اعلیٰ اور افضل بنایا ہے۔ انسان کے لیے تمام کائنات مسخر کر دی تاکہ وہ اس کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کرے لیکن اس پر لازم ہے کہ وہ اس کا استعمال اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے احکام اور طریقوں کے مطابق کرے گا چونکہ وہ نائب اور خلیفہ ہے لہٰذا وہ اس کائنات کی ہر چیز کو صرف اپنے مالک کی امانت کے طور پر ہی استعمال کرے گا۔ وہ اپنے مالک کی نیابت

کا حق ادا کرتے ہوئے لوگوں کی خبر گیری کرے گا۔ شفقت مہربانی اور عدل کو اپنا اُسوہ بنائے گا اور عام امور کو اخلاص اور رحمدلی سے انجام دے گا۔ چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب ہے لہٰذا اسے قیامت کے دن تمام اعمال کے محاسبہ کے بعد جزا یا سزا دی جائے گی۔

منصب خلافت سے پتا چلتا ہے کہ انسان خود مختار محض نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رعیت ہے اور اس فریضے میں غیر ذمہ دار ہونے سے اس کی دنیا و عقبیٰ خراب ہو سکتی ہیں۔

۳۔مساوات: اسلامی تہذیب کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ بحیثیت انسان سب اللہ تعالیٰ کے سامنے برابر ہیں۔ اس کا عملی سبق نماز اور حج کے مواقع پر ملتا ہے۔ نماز میں ایک امام کے پیچھے امیر غریب، شاہ و گدا، کالے گورے سب صف باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ہر قسم کے امتیازات اٹھ جاتے ہیں اس طرح حج کے موقع پر تمام دنیا سے مسلمان ایک ہی لباس (احرام) پہن کر اکٹھے حج ادا کرتے ہیں۔ یہاں کسی قسم کی امتیازی شان یا تفریق نظر نہیں آتی۔ یہ انسانی مساوات کا وہ منظر ہوتا ہے جو دنیا کی کسی تہذیب میں نظر نہیں آتا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مساوات کا سبق یوں دیا ہے: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَـٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَـٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا۟ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ﴾ [سورۃ الحجرات:۱۳] (اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت دار وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو)۔

۴۔ اخوت و بھائی چارہ: اسلامی تہذیب وحدتِ انسانی کی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے ہر قسم کے ملکی، قومی، رنگ و نسل کے تعصبات اور تفریقات سے دامن بچائے رکھتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَمَا كَانَ ٱلنَّاسُ إِلَّآ أُمَّةً وَٰحِدَةً فَٱخْتَلَفُوا۟﴾ [سورۃ یونس: ۱۹] (اور سب لوگ ایک ہی گروہ تھے، پھر وہ اختلاف کرنے لگے) نیز ارشاد الٰہی ہے: ﴿إِنَّمَا ٱلْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ [سورۃ الحجرات: ۱۰] (بے شک مومن بھائی بھائی ہیں)

رسول کریم حضرت محمد ﷺ نے تمام انسانوں کے آپس میں بھائی بھائی ہونے کی شہادت اس طرح دی: "اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ إِنِّي أَشْهَدُ أَنَّ الْعِبَادَ كُلَّهُمْ إِخْوَةٌ" [الحدیث] (اے اللہ! ہمارے اور ہر چیز کے پروردگار میں گواہی دیتا ہوں کہ سب انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں)۔ تاریخ میں مواخاۃ کی بہترین اور واحد مثال ہمیں ہجرت مدینہ کے بعد مہاجرین و انصار کے درمیان نظر آتی ہے۔ رسول کریم ﷺ نے ایک مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی بنا دیا۔ انصار نے اپنی زمینوں، مال و متاع غرض ہر چیز میں اپنے

بھائیوں کا برابر حصہ مقرر کر دیا۔

مسلمانوں میں اخوت و بھائی چارہ کی تعلیم نبی کریم حضرت محمد ﷺ نے نہ صرف اپنی بہترین تعلیمات بلکہ اپنے عمل کے ذریعے تمام دنیا کے لوگوں تک پہنچا دیں۔ آپ نے فرمایا: "اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّكَ بَیْنَ اَصَابِعِهٖ" [الحدیث] (مومن دوسرے مومن کے لیے ایسا ہے جیسا کہ عمارت کا ایک جزو دوسرے جزو کو قوت دیتا ہے۔ پھر آپ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈالیں)۔

۵- رواداری: اسلامی تہذیب کا ایک نمایاں پہلو مذہبی رواداری ہے۔ جبراً کسی شخص کو مسلمان بنانے کی اجازت نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ سابقہ انبیاء اور کتب پر یقین رکھتی ہے اور من جانب اللہ ہونے میں ان کے درمیان فرق نہیں کرتی۔ دین اسلام میں محض مذہبی اختلاف کی بنا پر ایک دوسرے کے قتل کی اجازت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ﴾ [سورۃ البقرۃ:۲۵۶] (دین میں جبر نہیں) مزید ارشاد ہے: ﴿أَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ﴾ [سورہ یونس:۹۹] (کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن بنیں)۔

محض ذاتی پسند و ناپسند اور اختلاف کی وجہ سے پہلے سے جاری نیکی اور صلہ رحمی سے رک جانے کو منع کیا گیا ہے۔ جیسا کہ واقعہ افک میں ملوث ہونے کے باعث حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت مسطحؓ کی مالی امداد کرنا ترک کر دی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: ﴿وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ یُّؤْتُوْۤا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسٰكِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا﴾ [سورۃ النور:۲۲] (تم میں سے بزرگی اور وسعت والے یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ غریبوں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہیں دیں گے اور وہ معاف کریں اور درگزر کریں۔

۶- نیکی میں تعاون اور ہمدردی: دنیا بھر کی تہذیبوں میں آپس میں تعاون اور ہمدردی کا سبق دیا گیا لیکن اسلامی تہذیب میں تعاون اور ہمدردی کا سبق نیکی کی اشاعت کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے سکھایا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَ التَّقْوٰی وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾ [سورۃ المائدۃ:۲] (اور نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ سخت پکڑ والا ہے) یعنی تعاون اور ہمدردی رنگ، نسل، زبان، علاقہ یا باہمی مفاد کے لیے نہیں بلکہ نیکی اور تقویٰ کی خاطر ہوتا ہے جبکہ ظلم و زیادتی

میں کسی کی مدد کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے شدید عذاب جھیلنے کے لیے تیار ہونا پڑے گا۔

۷- عدل و انصاف: اسلامی تہذیب میں عدل و انصاف کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے اور عدل و انصاف کو تقویٰ کے قریب ہونے کا معیار بنایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
﴿وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ [المائدہ:۸] (کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کر سکو، عدل کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے آگاہ ہے۔)

۸- اعتدال اور میانہ روی: اسلامی تہذیب فطرت انسانی کے مطابق انسانوں پر صرف وہ بوجھ ڈالتی ہے جسے ہر قسم کا انسان اور طبقہ اٹھا سکے۔ اعتدال اور میانہ روی ایسی خوبیاں ہیں جو اسلامی معاشرے کے ہر شعبۂ زندگی میں افراط و تفریط سے بچاتی ہیں۔ معاملہ عبادات کا ہو، صدقات کا ہو یا دنیا کے کسی اور مسئلے کا، درمیانی راہ ہی بھلائی کا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ [سورۃ البقرۃ:۱۹۰] (بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھ جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔)

نبی کریم حضرت محمد ﷺ نے اپنے ایک صحابی کو جو مسلسل نفلی روزے رکھنے سے کمزور ہو گئے تھے، کو مسلسل روزوں سے منع فرما دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے۔'' آپ ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے: "خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا" (بہترین کام میانہ روی ہے)۔

۹- طہارت اور پاکیزگی: اسلامی تہذیب میں صفائی، طہارت اور پاکیزگی کو بے حد پسند کیا گیا ہے اور مسلمانوں سے تقاضا کیا گیا ہے کہ وہ اپنی روحانی اور جسمانی پاکیزگی کا اہتمام کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ٥ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ [سورۃ المدثر: ۴-۵] (اے محبوب ﷺ اور اپنے کپڑے پاک رکھیے اور گندگی سے دور رہیں)۔ تلاوتِ قرآن، نماز اور طواف جیسی عبادات کے لیے طہارت کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ صفائی اور پاکیزگی کی اہمیت کے پیش نظر آپ ﷺ نے مسلمانوں کی تربیت کے لیے ارشاد فرمایا: "اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ" (صفائی نصف ایمان ہے)۔

۱۰- لغو مشاغل سے اجتناب: دنیا بھر کی تہذیبیں فرصت کے اوقات میں مختلف مشاغل اپناتی ہیں اور ان مصروفیات اور مشاغل کا مقصد فقط وقت، پیسے اور صحت کے ضیاع کی صورت میں سامنے آتا ہے جبکہ اسلامی تہذیب اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول اللہ ﷺ کی پاکیزہ سنتوں پر عمل کرتے ہوئے ہر بیہودہ فضول اور لایعنی مشاغل سے بچنے کا درس دیتی

ہے۔ قرآن مجید میں مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے ان کے نماز میں خشوع اختیار کرنے کی خوبی کے بعد دوسری ہی خوبی یہ بتائی گئی ہے کہ وہ ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ﴾ [سورہ المومنون: ۳] یعنی مومن وہ لوگ ہیں جو اپنے جسم، مال اور صحت کو یا تو حقوق کے پورا کرنے میں خرچ کرتے ہیں یا پھر اپنے نفس کے جائز حقوق اور حقوق العباد کو پورا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت میں صرف کرتے ہیں اور ہر قسم کی خرافات اور وقت کے ضیاع سے اپنے دامن کو بچاتے ہیں۔

۱۱- امر بالمعروف و نہی عن المنکر: کوئی بھی تہذیب تبھی ترقی کر سکتی ہے جب کہ اس کے حاملین باشعور اور باکردار ہوں۔ اسلامی تہذیب میں تعمیر سیرت و کردار کے لیے تمام مسلمانوں کا اجتماعی فریضہ یہ مقرر کر دیا کہ وہ نیکی کی اشاعت کے لیے اپنے اوقات، اموال اور افکار کو استعمال کریں گے اور اپنے معاشرے کے افراد کی دنیوی اور اخروی فلاح و بہبود کے لیے انہیں برائیوں سے بچانے کی کوششیں کرتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں امت مسلمہ میں تین خوبیوں کو طلب کیا ہے: ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ [آل عمران: ۱۰۴] (اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی دعوت اور نیکی کا حکم دے اور منکرات اور برائیوں سے منع کرتے رہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں)۔ سورۃ آل عمران کی اگلی آیات میں متنبہ کیا گیا ہے کہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو تفرقہ میں پڑ گئے اور اللہ تعالیٰ کی روشن نشانیاں اور آیات دیکھ لینے کے باوجود اختلاف کرنے لگے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو روز قیامت ایک بڑے عذاب سے دوچار کیے جائیں گے۔

۱۲- دین و دنیا میں تفریق کا خاتمہ: اسلامی تہذیب دیگر دنیاوی تہذیبوں کی طرح فقط دنیا کی طرف متوجہ رہنے یا فقط ظاہری عبادات کی رسوم و رواج کی تکمیل میں تمام زندگی صرف کرنے کی دعوت نہیں دیتی۔ بلکہ یہاں دین اور دنیا میں کوئی تفریق نہیں۔ دین کا مطلب ہی ضابطہ حیات ہے تو پھر اسے دنیا سے الگ کیسے کیا جاسکتا ہے، چنانچہ دنیا میں رہتے ہوئے اس کی رنگینیوں میں کھو جانے کے بجائے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے دیئے گئے احکامات پر عمل کرتے ہوئے دنیا کی ضرورتوں کو پورا کرنا ہے اور یہیں سے اپنی آخرت کو سنوارنے والے اعمال بھی جمع کرتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ میں فرمایا گیا کہ جب تم حج کے مناسک مکمل کر لو تو پھر اللہ تعالیٰ کا ایسا زیادہ ذکر کرو جیسے اپنے باپ دادا کا کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ اس کے ساتھ ہی متنبہ کر دیا گیا کہ وہ لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا عطا کر تو ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

﴿وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً وَّ فِى الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اُولٰٓـئِكَ لَهُمۡ نَصِيۡبٌ مِّمَّا كَسَبُوۡا وَ اللّٰهُ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ﴾ [سورۃ البقرۃ: ۲۰۱-۲۰۲]
(اور ان میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچانا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ملے گا جو انہوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے)۔

۱۳- جہاد فی سبیل اللہ: جہاد فی سبیل اللہ کا مطلب ہے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے لیے، اس کے دین کی پیروی کرنے کے لیے اور شہادت حق کی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے جدوجہد کرنا۔

جہاد فی سبیل اللہ کی ایک قسم یہ ہے کہ مسلم معاشرہ اپنے اندر آنے والے جرائم کو دور کرنے کے لیے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے اسے داخلی جہاد کہتے ہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ کی دوسری قسم دعوتی اور فکری جہاد ہے۔ یعنی عقل و استدلال سے غیر مسلموں کی جانب سے اسلام کے خلاف پیش کردہ شبہات کا رد کرنا۔ اسے زبان کا جہاد بھی کہا گیا۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ وَ اَلْسِنَتِكُمْ" [الحدیث، ابو داؤد] (مشرکوں سے اپنے مالوں، اپنی جانوں اور اپنی زبانوں کے ذریعے سے جہاد کرو۔ جہاد فی سبیل اللہ کی تیسری قسم "مسلح جہاد" ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿وَقٰتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ وَّ يَكُوۡنَ الدِّيۡنُ لِلّٰهِ﴾ [سورۃ البقرۃ: ۱۹۳] (اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ و فساد باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے)

۱۴- اخلاقیات کی تعلیم: اسلامی تہذیب میں فضائلِ اخلاق کی تعلیم کو انفرادی و اجتماعی تعمیر سیرت و کردار میں اہم مقام حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: "اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ" [الحدیث] (بے شک میں عمدہ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں) کوئی بھی تہذیب اخلاقیات کے بغیر پنپ نہیں سکتی۔ اہم اخلاقی اصول یہ ہے کہ انسان چھپے ہوئے اور ظاہر میں بھی اپنے مخصوص اخلاقی کردار میں تبدیلی نہ لائے جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿وَ لَا تَقۡرَبُوا الۡفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَ مَا بَطَنَ﴾ [سورۃ الانعام: ۱۵۱] (بے حیائی کی باتوں کے قریب مت جاؤ جو ان سے ظاہر ہوں اور چھپی ہوئی ہوں) اور ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿وَ ذَرُوۡا ظَاهِرَ الۡاِثۡمِ وَ بَاطِنَهٗ﴾ [سورۃ الانعام: ۱۲۰] (اور کھلے اور چھپے گناہ کو چھوڑ دو)۔

۱۶- جامعیت: اسلامی تہذیب میں انسانی زندگی کے سیاسی، معاشی، سماجی، معاشرتی الغرض تمام شعبوں کے بارے میں واضح تعلیمات اور ہدایات موجود ہیں۔ یہاں دین میں داخل ہونے سے مراد اپنی زندگی کے ہر معاملے کو اسلامی اصولوں اور ہدایات کی روشنی میں

طے کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایمان والوں کو مخاطب کرتے ہوئے حکم دیا ہے: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱدْخُلُوا۟ فِى ٱلسِّلْمِ كَآفَّةً﴾ [سورۃ البقرۃ:۲۰۸] (اے ایمان والو! اسلام میں داخل ہو جاؤ پورے کے پورے) یعنی دین اور دنیا میں کوئی بھی تفریق نہیں۔

۱۷- عالمگیریت: اسلامی تہذیب کی اہم خصوصیت عالمگیریت ہے جو دنیا کی کسی اور تہذیب میں نہیں پائی جاتی۔ یعنی پوری دنیا میں جہاں کہیں بھی مسلمان بستے ہیں وہ کسی بھی رنگ یا نسل سے تعلق رکھتے ہوں کوئی بھی زبان بولتے ہوں وہ سب کے سب اسلام کی دولت کے باعث ایک ہی اسلامی معاشرے کے افراد ہیں اور ایک ہی ملت یعنی ملت اسلامیہ سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ ایسا صرف اس لیے ہے کیونکہ داعیٔ اسلام حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت میں ہمہ گیریت اور عالمگیریت کے اوصاف موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنِّى رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ [سورۃ الاعراف:۱۵۸] (اے نبی (ﷺ) فرما دیجئے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں)۔

اسلامی تہذیب کی امتیازی اور عمومی خصوصیات کے مطالعہ سے ایک اہم چیز سامنے آتی ہے کہ اسلامی تہذیب کی بلند و بالا عمارت کی بنیاد درحقیقت اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے۔ اگر ایمان موجود نہیں تو پھر یہ عمارت بھی نہیں اور اگر ایمان ضعف کا شکار ہے تو اس عمارت میں بھی کمزوری دکھائی دیتی ہے اور اگر ایمان قوی ہے تو پھر اسلامی تہذیب بھی پوری قوت، شان و شوکت اور سطوت کے ساتھ کھڑی نظر آتی ہے، اسلامی تہذیب کے افراد کے اخلاق، سیرت، معاملات کی درستی، ایک ملت ہونے کا تصور، ان کا تمدن معاشرت، سیاست، احکام، حدود اور قوانین سب کا دارومدار ''ایمان'' کی درستی پر ہے اور جو صاحب ایمان نہیں تو پھر اسلامی تہذیب کے ساتھ اس کا کوئی علاقہ نہیں۔

عالمی تہذیبوں پر اسلامی تہذیب کے اثرات

اسلامی تہذیب و ثقافت نے پوری دنیا پر مذہبی، معاشرتی، اخلاقی اور علمی اثرات مرتب کیے ہیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہیں:

۱- مذہبی اثرات: اسلامی تہذیب کا مرکز و محور عقیدہ توحید ہے۔ اس عقیدہ کے تحت پوری دنیا کو مختلف اقسام کی بت پرستی سے نجات ملی اور انسانوں میں عزت نفس اور خودداری، حریت فکر، خود اعتمادی جیسی قیمتی صفات پیدا ہوئیں۔ عقیدۂ توحید کے باعث ضعیف الاعتقادی اور توہم پرستی کی جڑ کٹ گئی۔

ہندوؤں میں بھگتی تحریک، لنگائیت، بھگت کبیر کا نظریہ توحید، بابا گرونانک کی تعلیمات اسلامی عقیدہ توحید سے متاثر ہوئیں۔ بقول ابو الحسن علی ندوی عیسائیوں میں پروٹسٹنٹ

تحریک میں بھی اسلامی اثرات دکھائی دیتے ہیں۔ اس مکتب فکر کے مطابق فرد اللہ تعالیٰ کے سامنے ہی جواب دہ ہے۔

۲۔ معاشرتی اثرات: اسلامی تہذیب نے پوری دنیا پر ہمہ گیر معاشرتی اثرات مرتب کیے ہیں۔ جن کی بناء پر لوگوں میں مساوات اور سماجی انصاف کا شعور پیدا ہوا۔ توحید اور مساوات کی علمبردار اصلاحی تحریکیں وجود میں آئیں۔ خواتین کو معاشرہ میں عزت کا مقام ملا اور خاندان کو معاشرے کی بنیادی اکائی تسلیم کیا گیا۔ خوبصورت پاکیزہ اور جدید لباس اور کھانے پینے کی اشیاء میں تنوع پیدا ہوا۔ رہائش کے لیے ہوادار، روشن کھلے مکانات تعمیر کیے گئے اور آبادیوں میں آنے جانے کے لیے کھلے بازار اور پختہ سڑکیں بنائی گئیں۔

اسلامی تہذیب کے تحت زراعت کو ترقی ملی اور صنعت و حرفت اپنے عروج کو پہنچ گئی۔ مسلمان حکمرانوں اور عوام کی رواداری کے باعث توہم پرستی، منافرت اور چھوت چھات جیسی معاشرتی برائیوں میں کمی واقع ہوئی۔

۳۔ اخلاقی اثرات: قرآن وسنت میں دی گئی اخلاقی تعلیمات کے نتیجے میں اسلام کے پیروکاروں کے اخلاق میں ایسی معاشرتی تبدیلی ظہور پذیر ہوئی جس کے باعث مسلمانوں کے اخلاق، عادات و اطوار ایسے مثالی ہو گئے کہ دیگر تہذیبوں سے وابستہ افراد نے ان اخلاق و عادات و اطوار کو اپنانا اپنے لیے باعث فخر سمجھا۔ مثلاً انہی اثرات کے تحت دیگر تہذیبوں کے حاملین میں عدل و انصاف، رحمدلی، انسانیت سے محبت، عفو و درگزر، تحمل و برداشت، رواداری اور ظلم کے خلاف آواز اٹھانے جیسے اخلاقی اثرات مرتب ہوئے۔

۴۔ علمی اثرات: قرآن کریم کی پہلی وحی کا آغاز حصول علم اور تعلیم پر مبنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب کو تعلیم و تعلم کی اہمیت سے آگاہ کیا اور انہیں علم سے آراستہ و پیراستہ کر دیا۔ قرآنی فکر نے لوگوں کے اندر تفکر اور تدبر کی عادت پیدا کر دی۔ اس اسلامی علمی تہذیب نے لوگوں میں گمان اور اندازوں پر علم کی بنیاد رکھنے کی بجائے تجربہ اور یقین پر علم کی بنیاد استوار کی۔ چونکہ اسلام میں سنی سنائی بات کو تحقیق کے بغیر نہیں مانا جاسکتا لہٰذا اس اصول کے تحت فن تحقیق کی بنیاد پڑی اور علوم نافعہ کے حصول میں لوگوں نے اپنی زندگیاں صَرف کر دیں۔ لوگوں میں تخلیقی صلاحیت پیدا ہو گئی جس کے باعث زندگی کے معاملات کو آسان بنانے کے لیے ایجادات کا ایک لامتناہی سلسلے کا آغاز ہو گیا۔ یہاں تک کہ تسخیر کائنات کی سوچ بیدار ہو گئی اور نتیجے کے طور پر ذرائع نقل و حمل، ذرائع رسل و رسائل اور مواصلات عام ہو گئے۔ موجودہ ترقی اسلامی علمی تہذیبی اثرات کا نتیجہ ہے۔

عصر حاضر کی تہذیبوں کے ساتھ اسلامی تہذیب کا موازنہ

کسی بھی تہذیب کی روشنی یا ظلمت کا دار و مدار اس کے اصول و عقائد، اخلاقی اقدار

اور سماجی اداروں کی ترکیب پر منحصر ہوتا ہے۔ انھی عناصر ثلاثہ کے ملنے سے تہذیب وجود میں آتی ہے۔ ان میں سے کچھ عناصر اثر قبول کرنے والے ہوتے ہیں اور کچھ اثرات ڈالنے والے۔ اثرات ڈالنے والے عناصر ہی کسی دور کی مخصوص تہذیب کا ڈھانچہ بنانے والے ہوتے ہیں انھی کو عنصری تحریکات کہا جاتا ہے۔

عصر حاضر میں دنیا میں دو بڑی تہذیبیں موجود ہیں: مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب، ان کے علاوہ ہندی، چینی یا یونانی تہذیبیں محدود دائرہ کار رکھتی ہیں اسی لیے عام طور پر مغربی اور اسلامی تہذیبیں ہی ایک دوسرے کے مدمقابل ہیں۔ لہٰذا ہم اسلامی تہذیب کا موازنہ مغربی تہذیب سے ہی کریں گے۔

<u>مغربی تہذیب کا ارتقاء:</u> مغربی تہذیب سے مراد عام طور پر یورپ، امریکہ اور آسٹریلیا وغیرہ جیسے ممالک کے لوگوں کا طرز زندگی اور انداز فکر لیا جاتا ہے۔ کسی بھی تہذیب کو جانچنے کے لیے ایک تو اس کے ماضی کے اثرات اور دوسرے اس کے دور کے مخصوص حالات و تصوارت دیکھے جاتے ہیں۔ جہاں تک یورپ کے ماضی پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اہل یورپ فکری طور پر قدامت پسند تھے ان کا مذہب مسیحیت اپنی فطری شکل کھو چکا تھا اور وہ کچھ غیر فطری ریاضتوں اور اوہام میں اس قدر گرفتار ہو چکے تھے کہ ان کے نزدیک کوئی بھی نئی سوچ اور خیال ارتداد اور کفر سمجھا جاتا تھا۔ جاگیردارانہ نظام نے سیاست اور معیشت کو لپیٹ رکھا تھا۔ معاشرہ دو طبقوں میں منقسم تھا پہلا طبقہ امراء، جاگیرداروں اور مذہبی پیشواؤوں پر مشتمل تھا اور دوسرا طبقہ عوام کا تھا جو ان جاگیرداروں کے غلام کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کو ہر قسم کی زیادتی کا نشانہ بنانے کے لیے مذہب کا سہارا لیا جاتا تھا۔

انہیں حالات میں مسلمانوں نے یورپ کے کچھ حصوں کو فتح کر لیا اور کچھ سے تجارتی تعلقات قائم کیے۔ جس کے نتیجے میں مسلمانوں سے تعلقات کی بنا پر عیسائیوں میں علمی ذوق پیدا ہوا اور اس طرح تقریباً ایک ہزار سال کے بعد یورپ میں علوم وفنون کی تجدید ہوئی جسے "نَشْأَةِ ثانیہ" کہا جاتا ہے۔ اس طرح یورپی معاشرے میں ایک تیسرا طبقہ پیدا ہوا جس میں کاریگر، صنعتکار ساہوکار اور تاجر شامل تھے۔ تاجر طبقوں نے اپنے مفادات کے تحفظ کیلئے بادشاہ کا ساتھ دیا اور یوں جاگیروں کی سرحدوں کا خاتمہ ہوا اور قومی ریاستوں کی بنیاد پڑی۔ بھاپ سے چلنے والے انجن کی دریافت اور اس کے استعمال سے صنعتی پیداوار میں اضافہ ہوا جس کی فروخت کے لیے تجارتی منڈیوں کے حصول میں دوسرے ممالک تک جا پہنچے اور جنگوں کی آگ بھڑک اٹھی۔ یوں قومیت کا ایک بت تراشا گیا جس کو یورپیوں نے اپنا خدا بنا لیا۔ اس طریقے سے انہوں نے کلیسا اور خدا سے جان چھڑا لی۔ انہوں نے فلسفہ، اخلاق، معیشت، سیاست غرض ہر جگہ سے مذہب کو نکال کر

وہاں وطنیت کا بت فِٹ کر دیا۔ انہوں نے مادیت کو ہی روشن خیالی، ترقی اور اعلیٰ اخلاق کا معیار بنا لیا یوں ان کی پوری زندگی غیر مذہبی اور مادی بن گئی۔

مغربی تہذیب کے تاریخی ارتقاء پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد اب ہم اسلامی تہذیب سے اس کا موازنہ پیش کرتے ہیں:

۱۔ مغربی تہذیب: مغربی تہذیب یا تہذیب جدید کے عناصر ترکیبی درج ذیل ہیں:

الف- مادی تہذیب: یورپی تہذیب کے مطابق دنیا میں مادے کے سوا کوئی بھی چیز حقیقی نہیں ہے۔ یہ کائنات خود بخود بن گئی ہے اس کو میکانکی تصور حیات کہتے ہیں۔ انسان کی واحد ضرورت یہ ہے کہ اس کی جسمانی ضروریات پوری ہوں۔ انسان کی تمام کوششوں کا واحد مقصد زندگی کو زیادہ آسان، پر راحت اور آزاد بنانا ہے۔ دولت کے حصول کے لیے ہر جائز اور ناجائز ذریعہ اختیار کرنا انسان کا حق ہے۔

ب- لادینیت: جب یورپی تہذیب میں کائنات کا کوئی خالق و مالک و ناظم ہی نہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس تہذیب میں خدا کے تصور کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی تہذیب میں بظاہر خدا کو ماننے والے لوگ بھی اسی تصور لادینیت کا شکار ہیں۔ وہ مذہب کو انسان کا ذاتی معاملہ قرار دیتے ہیں۔ مذہب کا تعلق محض چند عبادات کے رسوم ورواج سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس لیے ان کے ہاں یہ محاورہ عام ہے کہ جو کلیسا کا حق ہے اس کو دو اور جو انسان کا حق ہے وہ اسے دو یعنی مذہب اور دنیا بالکل دو مختلف چیزیں ہیں۔ انہیں خیالات کے پیش نظر وہ دوسرے مذہب والوں سے تعصب اور عناد کا برتاؤ بھی کرتے ہیں۔

ج- حاکمیت انسان: مادیت کی سوچ کا ہی ایک نتیجہ حاکمیت انسان کا تصور بھی ہے۔ جس کے مطابق کائنات میکانکی طریق سے بغیر کسی کے بنائے یوں ہی بن گئی اس لیے خدا جیسی ہستی کا ہونا بھی خارج از بحث ہے جو اقتدار اعلیٰ کی مالک ہو بلکہ انسان خود ہی اپنا مالک ہے۔ وہ آزاد ہے جیسے چاہے اصول وقوانین بنائے یا ختم کرے۔

د- عقل محض کی پیروی: مغربی تہذیب کا خدا اور وحی کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں ہے چنانچہ یہاں ہر قسم کے اصول وقوانین اور افکار فقط انسانی عقل کے معیار پر پرکھے جاتے ہیں چاہے ان کے نتیجے میں انسانیت کو کیسا ہی نقصان کیوں نہ اٹھانا پڑے۔

ھ- قوم پرستانہ ذہنیت: یورپ نے جب مذہب اور کلیسا سے جان چھڑائی تو قوم پرستی کے جذبہ نے ہی ان میں سیاسی تقسیم رکھنے کے باوجود اجتماعیت اور وحدت فکر پیدا کی۔ یعنی قوم کو مذہب میں شارع کے برابر درجہ دیا گیا۔ قوم ہر قسم کی خطا ونسیان سے پاک ہے اس سے غلطیوں کا ارتکاب ناممکن ہے۔ قوم جو چاہے فیصلہ کر سکتی ہے۔ قوم سے غداری کفر ہے۔ چنانچہ اس قوم پرستی کے باعث ان لوگوں نے دوسرے ممالک سے آئے ہوئے روحانی

پیشواؤں اور پیغمبروں کی تعلیمات کو ماننے سے بھی انکار کر دیا کیونکہ انہوں نے نوع انسانی کی فلاح کا تصور پیش کیا تھا جو ان کے تصور قومیت کے مخالف تھا۔ قوم پرستی نے انسانیت کو جن مصائب سے دو چار کیا اس سے تاریخ کے اوراق انسانیت کے خون سے رنگین ہیں۔

و۔ حیوانی ازدواج کا نظریہ: مغربی تہذیب کا ایک خطرناک فلسفہ حیوانی ازدواج کا نظریہ ہے۔ اس کے مطابق عورتیں ہر لحاظ سے مردوں کے برابر ہیں۔ انہیں زندگی کے ہر معاملے میں برابر کا شریک ہونا چاہیے۔ فقط خانہ داری کے فرائض انجام دینا ان کا کام نہیں۔ شرم و حیاء اور عصمت و عفت قدامت پسندی کی رسیاں ہیں اور عورتوں کو ان سے اپنا دامن چھڑا لینا چاہیے۔ مرد اور عورت اپنے فطری جنسی جذبات کو جب، جہاں اور جس سے چاہیں آزادانہ پورا کر سکتے ہیں اور نکاح جیسی بیڑیاں ڈالنے کی سوچ اضافی ہے۔

دین سے لاتعلقی اور عدم مداخلت کے تصور نے یورپی تہذیب کو جنسی بے راہ روی کا شکار بنا دیا۔ حتیٰ کہ ان کے معاشروں میں ہم جنس پرستی کو سرکاری طور پر مان لیا گیا۔ انہی تصورات کے اثرات کی صورت میں سب سے پہلے تو ان کا خاندانی نظام ختم ہوا، اولاد کی خواہش کم ہوتی چلی گئی جس سے بچوں کی تربیت اور نگہداشت سے عام طور پر لاپرواہی برتی جانے لگی اور نکاح کی پابندیوں سے آزادی حاصل کرنے کے نتیجے میں یورپ کی ہر گلی، محلہ، پارک، ہوٹل بداخلاقی کے مرکز بن گئے۔

ز۔ معاشرتی ارتقاء کا تصور: معاشرتی ارتقاء کے تصور نے مادیت پرستی کی فکر سے جنم لیا ہے۔ اس نظریے نے افادی طرز فکر اپناتے ہوئے ظلم کو انصاف اور شیطانیت کو شرافت کا لبادہ پہنا دیا ہے۔ ہیگل، مارکس اور ڈارون نے اس نظریے کو فروغ دیا ہے۔ معاشرتی ارتقاء کے نظریہ کے بڑے اصول یہ ہیں:

۱۔ زندگی میں ہر قسم کے ارتقاء کا واحد سبب کشمکش ہے۔
۲۔ یہی کشمکش انسانیت کو ترقی کی منازل طے کرواتی ہے۔
۳۔ اس کائنات میں جینے اور آگے بڑھنے کا حق صرف اسی کو ہے جو زیادہ طاقت ور ہے۔
۴۔ اصل مقصد کامیابی کا حصول ہے چاہے انصاف سے حاصل ہو یا ظلم سے۔

اس نظریے کا تاریک پہلو یہ ہے کہ اس نے انسانوں میں باہمی تعاون کے احساسات کو ختم کر دیا اور آپس میں حسد کے جذبات بھڑکے اور انسان نے رحم دلی جیسی صفت کو چھوڑ کر ظلم و بربریت کو اپنا کر درست کردار قرار دیا۔ درحقیقت اس نظریے نے قوت کے استعمال سے سرمایہ داری اور استعماریت کے لیے عقلی زمین فراہم کی ہے۔ آج کے دور کی سپر پاورز غریب ممالک پر اسی اصول کو لاگو کر کے انہیں بنیادی حقوق سے محروم کر رہی ہیں۔ معاشرتی نظریہ ارتقاء نے مذہب کی بھی صرف اتنی مداخلت رکھی ہے کہ اگر اپنی بقاء و استحکام اور حصول

قوت واقتدار مذہبی لبادہ پہن کر ملتا ہے تو ٹھیک ورنہ اسے ترک کر دیا جائے۔

اسلامی تہذیب

اسلامی تہذیب کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں:

i- الہامی دین پر اساس: اسلامی تہذیب ایک مکمل الہامی ضابطہ حیات پر مبنی ہے۔ دوسرے نظریہ ہائے حیات کے برعکس دین اسلام کسی انسان کے ذہن کی تخلیق نہیں بلکہ کائنات کے خالق کی طرف سے آیا ہوا نظام حیات ہے جس نے انسان اور کائنات میں موجود ہر چیز کو پیدا کیا اور جو ماضی، حال اور مستقبل کا مکمل علم رکھتا ہے۔ کائنات محض اتفاقی حادثہ سے وجود میں نہیں آئی بلکہ اس کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اسی نے انسان کو اس دنیا میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔ الہامی ضابطہ حیات ہونے کے باعث اسلام انسان کی مادی، جسمانی ضروریات کی تکمیل کے ساتھ ساتھ اس کی روحانی، اخلاقی اور تمدنی ضروریات کی تکمیل بھی کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پے در پے انبیاء اور رسل انسانیت کی ہدایت کے لیے بھیجے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا سب سے بڑا احسان قرار دیا اور فرمایا: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ﴾ [سورۃ آل عمران: ۱۶۴] (اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان کیا ہے کہ ان میں انہی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کیا جو انہیں آیات پڑھ کر سناتا ہے۔ ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے)۔

یعنی تہذیب اسلامی میں تعلیمات کے اوّلین ماخذ قرآن اور سنت رسول ﷺ ہیں۔ اسلامی نظام حیات کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ الہامی ہے اور کوئی بھی اس میں کچھ بھی گھٹا، بڑھا نہیں سکتا۔ یعنی اس کے بنیادی اصول غیر متبدل ہیں۔ دیگر تہذیبوں میں بھی نقائص اسی لیے بڑھتے چلے گئے کیونکہ ان مذاہب کے پیروؤں نے ان میں اپنی پسند اور ناپسند کے مطابق تبدیلیاں کر لی تھیں۔

II- ایک مکمل اور منظم ضابطہ زندگی: اسلام ایک مکمل "دین" ہے یعنی ایک مکمل اور منظم ضابطہ زندگی یہ محض عبادات کی رسوم و رواج تک محدود نہیں بلکہ اس کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان اپنی زندگی کے تمام معاملات و تعلقات میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کرنے والا ہو۔ چنانچہ معاملہ انفرادی زندگی کا ہو یا اجتماعی زندگی کا، قومی ہو یا بین الاقوامی، معاشی ہو یا سیاسی، معاشرتی ہو یا قانونی، ہر شعبہ زندگی کے متعلق دین اسلام میں واضح ہدایات و تعلیمات موجود ہیں۔ جب کہ دنیا کے دیگر نظریات میں اس قدر منظم تعلیمات نہیں ملتیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مومنوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ﴾

[سورۃ البقرۃ:۲۰۸] (اے اہل ایمان، اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو)۔ اسلامی تہذیب کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ظاہر اور باطن دونوں کو بدل ڈالتی ہے اور منافقت کا خاتمہ کر دیتی ہے۔

III- مادیت اور روحانیت کا صحیح امتزاج: دنیا کے اکثر مذاہب خدائی خوشنودی اور روحانیت کے اعلیٰ مدارج حاصل کرنے کے لیے ترک دنیا کی تعلیم دیتے ہیں لیکن اسلام اسے خلاف فطرت گردانتا ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ" [الحدیث] (اسلام میں ترک دنیا کا کوئی مقام نہیں)

بلکہ ایک حدیث میں کہا گیا کہ جو شخص والدین کے لیے محنت کرتا ہو وہ اللہ کی راہ میں کام کرتا ہے اور جو اہل و عیال کے لیے محنت کرتا ہو وہ بھی اللہ کے لیے کام کرتا ہے اور جو اپنی ذات کو فقر و فاقہ سے بچانے کے لیے کام کرتا ہو وہ بھی اللہ کی راہ میں کام کرتا ہے۔ [الحدیث] یعنی انسانی ضروریات کی تکمیل کرنا جو کہ ظاہر میں مادیت ہے صرف عمل خیر نہیں بلکہ عین اسلام ہے شرط یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی تعلیمات کے مطابق پوری کی جائیں۔ قرآن مجید میں اہل ایمان کو دنیا اور آخرت میں فلاح کی فکر ان الفاظ میں سکھائی گئی ہے۔ ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [سورۃ البقرۃ:۲۰۱] (اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا)۔

IV- وحی پر مبنی تعلیمات: اسلامی تہذیب میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے اور انسانی عقل و دانش کا مثبت استعمال کرنے کی دعوت دی گئی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی احساس دلایا گیا ہے کہ کائنات کے بہت سے حقائق اور خصوصاً روحانی ترقی کا حصول محض عقل و دانشِ انسانی کے استعمال سے ممکن نہیں بلکہ خالق و مالک کائنات نے انبیاء پر وحی کے ذریعے درست علم انسان کو دیا تاکہ وہ اس کے مطابق اپنی زندگی گزار کر جسمانی اور روحانی ترقی حاصل کر سکے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ [سورۃ النجم:۳-۴] وہ {نبی کریم حضرت محمد ﷺ} اپنی مرضی سے بات نہیں کرتے یہ وحی ہوتی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم کی نعمت اور جنت اور دوزخ کی طرف لے جانے والے اعمال کا تذکرہ یوں فرمایا: ﴿اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ○ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ○ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾ [سورۃ البلد:۸-۱۰] (کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں نہیں بنائیں اور زبان اور دو ہونٹ اور پھر اسے دو راستے نہیں دکھا دیئے (جنت اور دوزخ کے)۔

V- اخلاقی تعلیمات: اسلامی تہذیب اپنے افراد کی انفرادی اور اجتماعی سیرت کی تشکیل کے لیے بہترین اخلاقی تعلیمات پر زور دیتی ہے۔ نبی کریم حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: "كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ" [الحدیث] (تم میں سے ہر ایک چرواہے کی مانند ہے اور ہر ایک سے اس کے گلے (ریوڑ) کے بارے میں پوچھ گچھ ہو گی) نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے بہتر وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔''

VI- تحفظ اخلاق اور عصمت: اسلام حیوانی ازدواج کو ناجائز قرار دیتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً﴾ [سورۃ بنی اسرائیل:۳۲] (اور زنا کے قریب بھی مت جاؤ، یہ تو نری بے حیائی کا کام ہے) اس کے مقابلے میں اسلام نکاح کو اخلاق اور عصمت کے تحفظ کا ذریعہ بناتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے نکاح کی رغبت اس طرح سے دلائی: "اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ فَمَنْ لَّمْ يَعْمَلْ بِسُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ" [ابن ماجہ] (نکاح کرنا میری سنت میں سے ہے پس جس نے میری سنت پر عمل نہ کیا وہ مجھ سے نہیں)۔ نکاح سے ایک طرف تو معاشرہ جنسی انارکی اور بے راہ روی سے بچ جاتا ہے دوسری طرف خاندانی نظام مضبوط ہوتا ہے اولاد کو صحیح نسب ملتا ہے جس سے ان کی بہتر سیرت اور اچھے کردار کی تشکیل ہوتی ہے۔ معاشرے سے بے حیائی کا خاتمہ ہوتا ہے۔ دنیا بھر میں صرف اسلامی تہذیب ہی ایک مضبوط خاندانی نظام اور بہترین سیرت و کردار کی تشکیل کی داعی ہے۔

VII- فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر: تہذیب اسلامی نہ صرف اپنے حاملین کو اسلامی نظریہ حیات سے روشناس کرواتی ہے بلکہ وہ نیکی پھیلانے اور برائیوں سے روکنے کے فریضہ کو دنیا میں عام کرنے کی تحریک بھی دیتی ہے۔ داعی اسلام نبی کریم حضرت محمد ﷺ نے دین اسلام کا پیغام اللہ کے بندوں تک پہنچایا۔ قرآن مجید میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ [ال عمران:۱۱۰] (تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے نکالی گئی ہو۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو)۔ اس طرح اسلامی تہذیب ایک اصلاحی اور انقلابی تہذیب ہے جو نیکیوں کی ترویج اور بدیوں سے اجتناب کی راہیں دکھاتی ہے۔

VIII- تصور آزادی: اسلامی تہذیب شخصی آزادی فراہم کرتی ہے لیکن یہ آزادی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ کے احکام کے تابع ہوتی ہے۔ یعنی آزادی کا مطلب مادر پدر آزادی نہیں کہ انسان اپنی پسند و ناپسند کے مطابق ہر اچھا برا عمل کرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا ہو بلکہ اسلام ایک خاص حدود و قیود کے اندر رہ کر انسان کی آزادی تسلیم کرتا ہے۔ اس طرح

معاشرے کا ہر فرد اپنی آزادی کے لیے مسائل کھڑے نہیں کرتا۔

IX- معاشرتی استحصال کا خاتمہ: اسلامی تہذیب اخوت اور بھائی چارے کا درس دیتی ہے۔ جبر کے ساتھ دوسروں کا مال ہتھیا لینے، دوسروں کی جان، مال، عزت کو نقصان پہنچانے اور ان کے حقوق تلف کرنے کی نفی کرتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ [سورۃ النساء: ۲۹] (آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ)۔

X- ہمہ گیر اور وسیع النظر تہذیب: اسلامی تہذیب کسی علاقہ، جگہ یا خاص قوم کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر وہ شخص جو کسی بھی رنگ ونسل کا ہو کوئی بھی زبان بولتا ہو کسی بھی جغرافیائی حدود میں رہتا ہو لیکن کلمہ طیبہ کا اقرار کرتا ہو وہ اسلامی تہذیب سے جڑ جاتا ہے۔ اس قدر وسعت نظر دنیا کی کسی اور تہذیب میں نہیں پائی جاتی۔

XI- امن کی داعی: اسلامی تہذیب امن وامان اور انسانیت کی سلامتی پر یقین رکھتی ہے۔ اسلام کے بنیادی رکن جہاد فی سبیل اللہ کی شرائط اور حدود و قیود کا مطالعہ کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کا مقصد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اس کا حکم نافذ کیا جائے اور فتنہ وفساد کا خاتمہ کیا جائے تاکہ دنیا امن کی جگہ بن جائے۔

اسلامی اور مغربی تہذیب کے موازنہ کے نتائج:

۱- دور حاضر کی سب سے بڑی ضرورت ایک فوق الطبعی ایمان کا احیاء ہے (یعنی مادیت سے روحانیت کی طرف پیش رفت)

۲- آج کا انسان صرف اسی مذہب کو قبول کر سکتا ہے جو عقل و دانش کے خلاف نہ ہو، جو توہم پرستی کا نتیجہ نہ ہو اور جو غیر فطری عبادات کا طلب گار نہ ہو اور ایسا دین صرف اور صرف اسلام ہے۔ زمانہ حاضر کی ضرورتوں کو صرف دین اسلام ہی پورا کر سکتا ہے۔

۳- مغربی تہذیب صرف مادی پہلو پر بحث کرتی ہے جبکہ انسان روح و جسم کا مجموعہ ہے اور ان دونوں کے لیے غذا چاہیے۔ یہ غذا اسے صرف اور صرف اسلامی تہذیب فراہم کرتی ہے۔ وہ رب اور بندے کے درمیان تعلقات استوار کرتی ہے جس سے نہ صرف دنیا میں بھلائیوں کے امکانات بڑھتے ہیں بلکہ اخروی سعادت بھی ملتی ہے۔

معروضی سوالات

سوال نمبر 1: درج ذیل میں ہر سوال کے ساتھ اس کے چار ممکنہ جوابات دیئے گئے ہیں، ان میں سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے۔

1- تہذیب کا لغوی معنی ہے۔

(a) خلط ملط کرنا (b) عیب دار کرنا (c) بدنما کرنا (d) کانٹ چھانٹ کرنا

2- اسلامی تہذیب تمام انسانی تہذیبوں سے ہے۔
(a) کم تر (b) ممتاز ✓ (c) برابر (d) خراب
3- حضرت ایوب علیہ السلام کی زندگی نمونہ تھی۔
(a) شکوہ و شکایت کا (b) شاہانہ ٹھاٹھ کا (c) صبر و شکر کا ✓ (d) آہ وزاری کا
4- اسلامی تہذیب کے عظیم الشان قصر کی بنیادیں ہیں۔
(a) 2 (b) 3 (c) 4 (d) 5 ✓
5- توحید و رسالت کی گواہی دین اسلام کا رکن ہے۔
(a) پہلا ✓ (b) دوسرا (c) تیسرا (d) چوتھا
6- کوئی بھی تہذیب ترقی کرتی ہے جب اس کے حاملین ہوں۔
(a) بے شعور (b) لا پرواہ (c) نادان (d) باکردار ✓
7- اسلامی تہذیب میں عورت کو مقام حاصل ہے۔
(a) گھٹیا (b) باعزت ✓ (c) فضول (d) کمزور
8- اسلامی تہذیب کا مرکز و محور ہے۔
(a) عقیدۂ توحید ✓ (b) زکوٰۃ (c) حج (d) روزہ
9- اسلام حیوانی ازدواج کو قرار دیتا ہے۔
(a) جائز (b) ناجائز ✓ (c) مباح (d) مکروہ
10- قرآن میں ارشاد ربانی ہے: ''اہل ایمان تم اسلام میں داخل ہو جاؤ......''
(a) آدھے (b) پوری طرح ✓ (c) وقتی طور پر (d) کبھی کبھی

سوال نمبر:2 درج ذیل میں سے درست کے سامنے (✓) کا اور غلط کے سامنے (X) کا نشان لگایئے۔

1- تہذیب کا لغوی معنی کانٹ چھانٹ کرنا اور آراستہ کرنا ہے۔ ✓
2- اسلامی تہذیب کا حامل شخص سیکولر کہلاتا ہے۔ X
3- فرشتے خالص نورانی اور لطیف مخلوق ہیں۔ ✓
4- مشہور فرشتے دو ہیں۔ X
5- حضور ﷺ کی نبوت اور تعظیم دائمی ہے۔ ✓
6- حضرت سلیمان علیہ السلام کی زندگی فقر و فاقہ پر مشتمل تھی۔ X
7- حضرت نوح علیہ السلام نے 200 سال تبلیغ کی۔ X
8- آخرت پر ایمان محض ایک فلسفیانہ مسئلہ ہے۔ X
9- اسلامی تہذیب کے ارکان کی تعداد پانچ ہے۔ ✓
10- اسلامی تہذیب کا مرکز و محور عقیدہ توحید ہے۔ ✓

سوال نمبر 3: درج سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجئے۔

س : اسلامی تہذیب سے کیا مراد ہے؟

ج : اسلامی تہذیب سے مراد وہ تہذیب ہے جس کی بنیاد اسلامی نظریات پر قائم ہے۔ اس کے بنیادی عوامل میں عقیدہ توحید و رسالت، ملائکہ، آسمانی کتابوں اور آخرت پر ایمان لانا شامل ہے۔

س : اسلامی تہذیب کی امتیازی خصوصیات سے کیا مراد ہے؟

ج : اسلامی تہذیب کی امتیازی خصوصیات سے مراد وہ خوبیاں اور اوصاف ہیں جو صرف اسلامی تہذیب کے حاملین میں پائی جاتی ہیں جبکہ دیگر اقوام کی تہذیبوں میں یہ اوصاف نہیں پائے جاتے۔

س : اسلامی تہذیب کے عوامل سے کیا مراد ہے؟

ج : اسلامی تہذیب کے عوامل سے مراد وہ عقائد اور نظریات ہیں جو اپنے ماننے والوں کو مہذب بناتے ہیں۔

س : آخرت پر ایمان سے کیا مراد ہے؟

ج : آخرت پر ایمان سے مراد یہ ہے کہ انسان مرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے ختم نہیں ہوتا بلکہ اس کی روح باقی رہتی ہے اور ایک دن ایسا آئے گا کہ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کرے گا اور اس دن ان کے دنیا میں کیے جانے والے اعمال کا حساب کتاب ہوگا۔

س : اسلامی تہذیب کے ارکان کون کون سے ہیں؟

ج : اسلامی تہذیب کے عظیم الشان قصر کی بنیادیں پانچ ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر رکھی گئی ہے، اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔''

س : اسلامی تہذیب نے عالمی تہذیبوں پر کون کون سے اثرات مرتب کیے؟

ج : اسلامی تہذیب نے عالمی تہذیبوں پر مذہبی، معاشرتی، اخلاقی اور علمی اثرات مرتب کیے ہیں۔

س : اسلامی تہذیب میں آزادی کے تصور سے کیا مراد ہے؟

ج : اسلامی تہذیب شخصی آزادی تو فراہم کرتی ہے لیکن اس آزادی کو بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کا پابند بناتی ہے یعنی آزادی کا مطلب مادر پدر آزادی نہیں ہے۔

۷- اسلام اور سائنس

مسلمان سائنسدانوں کا تعارف اور ان کی کوششیں

(کیمیا، طبیعات، طب، ریاضی، حیاتیات)

سائنس کے معنی علم، حکمت، عقل اور تفکر و تدبر ہیں، رضی الدین صدیقی کے مطابق سائنس تجربات و مشاہدات اور ضبط اشیاء پر مشتمل علم کا نام ہے۔ علمِ سائنس تجربہ، تعقل اور تفکر کی آمیزش کا نام ہے۔

دین اسلام کی تعلیمات میں جا بجا غور وفکر کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ وَ الۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَ بَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ﴾ [سورہ البقرہ: ۱۶۴] (بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں اور جہازوں میں جو کہ سمندروں میں چلتے ہیں لوگوں کے نفع کی چیزیں لے کر اور (بارش کے) پانی میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسایا پھر اس سے زمین کو تر و تازہ کیا اس کے خشک ہونے کے بعد اور ہر قسم کے حیوانات اس میں پھیلا دیئے اور ہواؤں کے چلنے میں اور بادل میں جو زمین و آسمان کے درمیان (معلق) ہے دلائل ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں)۔

دنیا کے کسی کام کو سرانجام دینے کے لیے تجربہ کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ تجربہ کرنے کے لیے غور وفکر لازمی امر ہے۔ تجربہ میں چھوٹی سی کوتاہی سے بھی نقصان ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لیے سائنس دان پورے غور وخوص اور تفکر و تدبر کو بروئے کار لاتے ہوئے سائنسی تجربات کرتا ہے اور ان تجربات کی روشنی میں انسانیت کے فائدے کے لیے کام کرتا ہے لہٰذا سائنس مشاہدے اور تجربے ہی کا دوسرا نام ہے۔ سائنسی علوم کی بے شمار اقسام ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

۱- مادی علوم: انہیں علوم طبعی یعنی طبیعات کا نام بھی دیا گیا ہے۔ اس میں علم کیمیا، علم طبیعات، علم فلکیات و علم ہیئت اور علم الارض شامل ہیں۔

۲- علم حیاتیات: زندگی سے بالواسطہ اور بلاواسطہ تعلق رکھنے والے اجسام اس قسم میں شامل ہیں۔ علم نباتات، علم حیاتات، علم الجنین، علم الأبدان (طب) اور علم حیوانیات اس علم

کی مزید شاخیں ہیں۔
۳۔ انسانی نفوس سے متعلقہ علوم: اس قسم میں وہ تمام علوم شامل کیے جاتے ہیں جو انسانی نفس کی ماہیت اور اس کے مظاہر سے متعلقہ ہوں۔ علم تاریخ، علم نفسیات، علم ریاضی اور علم قانون وغیرہ اس کی شاخیں ہیں۔

مسلمانوں نے اپنے سنہرے دور یعنی دوسری، تیسری، چوتھی اور پانچویں صدی ہجری (یعنی آٹھویں، نویں، دسویں اور گیارہویں صدی عیسوی) میں اعلیٰ پیمانے پر علوم کی تلاش و تحقیق کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہ سلسلہ درحقیقت قرآن مجید اور نبی کریم ﷺ کے احکامات اور ترغیبات کی روشنی میں تھا۔ قرآن مجید کی تقریباً ۷۵۰ آیات میں اہل ایمان کو فطرت کا مطالعہ کرنے، غوروفکر کرنے، عقل کو زیادہ سے زیادہ استعمال کرنے اور سائنسی جستجو کے ذریعے تسخیر کائنات کر کے انسانیت کی بھلائی کے کاموں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اسی طرح مسلمان علماء کو پیغمبروں کا وارث قرار دیا گیا اور علم کا حصول ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض کیا گیا۔ علم اور تعلیم و تعلّم کی اس قدر پذیرائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ عہد بنو امیہ، بنو عباس اور اندلس کے خلفاء اور حکمرانوں نے خود ان علوم کی سرپرستی کی۔ مسلمانوں نے ضروریات کے مطابق علوم و فنون سیکھے اور ان کو درجہ کمال تک پہنچایا۔ ان علوم میں طبیعات، حیاتیات اور نفسیات غرض جملہ سائنسی علوم شامل تھے۔ انہی علوم کی بنیاد پر آج کی مغربی دنیا جدید سائنسی ایجادات و انکشافات کے قابل ہو سکی ہے۔

مسلمانوں کے ایک ہزار سالہ سیاسی عروج کے دور میں بہت سے نام ور سائنسدان پیدا ہوئے۔ جدید سائنس کی بنیاد انہی سائنسدانوں نے ہی رکھی۔ ان میں سے چند سائنسدانوں کا تعارف اور ان کی کوششوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ جابر بن حیان

جابر بن حیان کا پورا نام ابو موسیٰ جابر بن حیان ہے۔ وہ ۷۲۱ء میں شہر طوس میں پیدا ہوا، اس کا باپ ایک مشہور دوا ساز تھا جو کسی جرم میں پھانسی پا گیا۔ بچپن سے ہی جابر بن حیان کی طبیعت میں جستجو اور تحقیق کا جذبہ تھا۔ چنانچہ عہد شباب میں اس پر سونا بنانے کا جنون طاری ہو گیا اور کیمیا گری کے شوق میں اس نے دواؤں کی خاصیت معلوم کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ وہ مختلف قسم کی دھاتوں کو طرح طرح کی جڑی بوٹیوں کے ساتھ پھونکنے لگا۔ ہر وقت نئے نئے تجربات میں مصروف رہنے کے باعث اس نے کئی نئی چیزیں ایجاد کیں۔ یہاں تک کہ اس کی شہرت بغداد میں ہارون الرشید اور اس کے وزیراعظم جعفر برمکی تک پہنچ گئی۔ جعفر برمکی نے جابر بن حیان کو دربار میں بلا کر بے حد عزت افزائی کی اور انعام و اکرام سے نوازا۔ ۸۰۳ء میں خاندان برمکی کے زوال کا اثر جابر

بن حیان پر بھی ہوا اور وہ بغداد چھوڑ کر واپس کوفہ میں اپنے قدیم مکان میں آ گیا۔ جہاں سے نظر بند کر دیا گیا لیکن تحقیقات اور تصنیفات کا سلسلہ زندگی کے اخیر تک جاری رہا۔

علم کیمیا میں جابر بن حیان کی خدمات:

۱- جابر بن حیان کو علم کیمیا کا باپ یعنی Father of Chemistry کہا جاتا ہے۔ اس نے علم کیمیا میں تجربے کی بنیاد ڈالی ہے۔ چنانچہ جابر بن حیان کہتا ہے۔ ''اے بیٹے تجربہ کیا کر کیونکہ کوئی بھی تجربے کے بغیر حقیقی علم تک نہیں پہنچ سکتا اور حقیقی علم وہی ہے جو تجربے سے ثابت ہو۔'' ۲- قرع انبیق (Distillation Apparatus)، جڑی بوٹیوں سے عرق کشید کرنے کا آلہ جابر کی ایک بڑی مفید ایجاد ہے جو آج تک استعمال کی جاتی ہے۔ ۳-عمل تصعید (Sublimation) یعنی دواؤں کا جوہر اڑانا تاکہ ادویہ زیادہ موثر اور محفوظ ہو سکیں، عمل تقطیر (Filtration) یعنی فلٹر کرنے کا طریقہ اور قلماؤ (Crystallisation) کے طریقے سے اشیاء کو خالص ترین حالت میں حاصل کرنے کا بھی طریقہ جابر بن حیان نے دریافت کیا۔ ۴-اس نے یہ بھی دریافت کیا کہ دھات کا کشتہ بنانے سے اس کا وزن کچھ بڑھ جاتا ہے۔ ۵- اس نے لوہے کو صاف کر کے فولا دبنانے کا تجربہ کیا۔ ۶- تیزاب ایجاد کرنے کا سہرا بھی جابر بن حیان کے سر ہے۔ اس نے ایک ایسا تیزاب بھی ایجاد کیا جو سونے کو پگھلا دیتا تھا۔ اس کا نام اس نے ماء الملوک رکھا۔ ۷-دھات کو جڑی بوٹیوں کے ساتھ آنچ دے کر بھسم (Oxidisation) کرنے کا طریقہ جابر نے دریافت کیا۔ ۸- موم جامہ بنانے اور چمڑے کو رنگنے کا طریقہ دریافت کیا نیز بالوں کو کالا کرنے کے لیے خضاب کا نسخہ بھی تیار کیا۔ ۹-سخت دھاتوں اور جواہرات کے آکسائیڈ بنانے اور گیسوں کے پیدا کرنے کی تراکیب بھی جابر نے متعارف کروائیں۔
۱۰- جابر بن حیان نے دھاتوں کے بننے کا ارضیاتی نظریہ پیش کیا۔ اس نے دھاتوں کو صاف کرنے، فولاد کی تیاری، کپڑے اور چمڑے کو رنگنے کا طریقہ، وارنش اور لوہے کو زنگ سے بچانے، شیشہ بنانے میں مینگانیز ڈائی آکسائیڈ (Manganese Dioxide) کے استعمال، سنہری لکھائی کے لیے پائرائیڈ (Pioriod) استعمال کرنے اور عمل کشید کے ذریعے فلٹریشن کا طریقہ متعارف کروایا۔ ۱۱- جابر نے تین قسم کے نمکیات بھی معلوم کیے۔

غرض علم کیمیا جن ارتقائی مراحل سے گزر کر موجودہ ترقی یافتہ شکل میں ہم تک پہنچا ہے اس کی بنیاد جابر بن حیان نے اپنے ذاتی تجربات کی بنا پر قائم کی۔ علم کیمیا کی ترقی اور ترویج کی وجہ سے انہیں بابائے کیمیا کہا جاتا ہے۔

پروفیسر فلپ کے مطابق کیمیا گری کے بے سود انہماک سے جابر بن حیان نے اپنی

آنکھیں خراب کر ڈالیں لیکن اس محقق سائنسدان نے نئی چیزیں دریافت کیں اور اصلی کیمیا کی بنیاد رکھی اور اسلامی علمی تاریخ میں اس کے بلند پایہ مقام، خیالات اور سائنسی افکار کا تفصیلی مطالعہ ابھی تک نہیں کیا گیا لیکن مستقبل میں اس کی کتب کا بغور مطالعہ اور اس کے نتائج کے بعد جابر کے اصل مقام کا تعین با آسانی کیا جاسکے گا۔

اہم تصانیف:

۱- جابر بن حیان کی اہم تصانیف میں سے ایک کتاب "کتابُ المائۃ والا ثنا عشر" ہے جسے کتاب الموازین بھی کہا جاتا ہے۔ جو علم کیمیا کے مختلف پہلوؤں پر جابر کا تجزیہ اور متفرق مضامین کا مجموعہ ہے۔

۲- علم کیمیا کے مرتب اور منظّم بیان پر مشتمل دوسری بڑی کتاب کا نام "سبعین" ہے۔ نیز اس کی ایک اور تحقیقی کتاب کا نام "الخمسۃ ومائۃ" بھی ہے۔

۳- جابر کی پانچ کتب: کتابُ الکِیمیَا، کتابُ الرَّحمۃ، کتابُ السَّبعِیْن اور کتابُ التَّجمِیْع اور الصنیق الشرقی پندرہویں صدی عیسوی تک یورپ کی درسگاہوں میں پڑھائی جاتی رہی ہیں۔ ان کتابوں کے لاطینی زبان کے علاوہ تقریباً تمام یورپی زبانوں میں تراجم بھی کیے گئے۔ مغربی کیمیا دان اٹھارہویں صدی تک جابر کے علم سے استفادہ کرتے رہے۔ جس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

۴- علم کیمیا کے علاوہ دیگر موضوعات مثلاً ریاضی، جیومیٹری، لسانیات، مابعد الطبیعات، موسیقی، فلسفہ، طب، ہندسہ، نجوم، طلسم، علم کائنات، فلکیات، دینیات اور ٹیکنالوجی بھی جابر بن حیان کی دلچسپی کے موضوعات رہے ہیں۔

۲- محمد بن موسیٰ الخوارزمی

محمد بن موسیٰ الخوارزمی کو علم ریاضی کا ماہر اور الجبرے کا موجد مانا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ ایک معروف جغرافیہ دان اور ماہر نجوم بھی تھا اسے علم ہیئت میں دسترس حاصل تھی۔ محققین کے مطابق وہ ۸۰۰ء سے قبل پیدا ہوا اور ۸۴۷ء کے بعد فوت ہوا۔ اس کا تعلق وسط ایشیا کے علاقہ خوارزم کے ایک غریب خاندان سے تھا وہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھا۔ اپنے علمی شوق، اعلیٰ شخصیت اور کوشش و جدوجہد سے بھرپور زندگی کے سبب اس نے علمی دنیا میں بہت اونچا نام کمایا۔ وطن میں خوارزمی ایک غیر معروف شخصیت تھا تاہم وہ ہمہ وقت فنی کتابوں کے مطالعہ میں مصروف رہتا حتیٰ کہ اس نے علم ریاضی میں کمال حاصل کیا۔ وہ عباسی خلیفہ مامون الرشید کے دور میں تقریباً ۸۲۵ء میں بغداد آیا۔ الخوارزمی نے اپنی ذہانت اور عقل کے بل بوتے پر علم ریاضی میں ایک مقالہ تحریر کر کے بغداد کی سائنس اکیڈمی

پیش کیا۔ یہ طریقہ بالکل نیا اور اچھوتا تھا لیکن یہ طریقہ آج بھی یونیورسٹیوں میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے رائج ہے۔ جلد ہی وہ سائنس اکیڈمی کی علمی مجلس کا رکن بن گیا۔

علم دوست خلیفہ مامون الرشید نے محمد بن موسیٰ الخوارزمی سے فن ریاضی پر کتاب لکھنے کی فرمائش کی چنانچہ خوارزمی نے بڑی تحقیق اور عرق ریزی سے دو کتب مرتب کیں: ۱۔علم الحساب۔۲۔ المختصر فی حساب الجبر و المقابلہ جسے بعد میں ''الجبر و المقابلہ'' اور پھر صرف ''الجبرا'' سے موسوم کیا جانے لگا۔

کتاب ''علم الحساب'' میں ریاضی یعنی علم ہندسہ کے نئے نئے کلیے، قواعد اور اصول بیان کئے گئے ہیں۔ خوارزمی نویں صدی کا ماہر ریاضی دان تھا اس کی یہ کتاب چودھویں صدی میں یورپ پہنچی تو اہل یورپ کی آنکھوں سے جہالت اور فنی خرابیوں کے پردے چھٹ گئے اور انہوں نے علم ہندسہ کی حقیقت اور اہمیت کو جانا۔ انہوں نے رومن ہندسوں کی جگہ عربی ہندسوں یعنی Arabic Figures کو فوراً قبول کر لیا۔ خوارزمی نے ہی ریاضی میں صفر کی بنیادی اہمیت اور اس کے استعمال پر بہترین انداز میں تشریح کی۔

الخوارزمی کی دوسری کتاب ''المختصر فی حساب الجبر و المقابلہ'' عملی ریاضی کے موضوع پر ایک بہترین تصنیف ہے۔ الجبراء کا مطلب تکمیل اور المقابلہ کا معنی متوازن ہے۔ یہ تصنیف وراثت، شراکت، تجارت اور قانونی نوعیت کے مختلف مسائل کے حل کے لیے لکھی گئی اور اس میں آسان مثالی طریق کار روشناس کروایا گیا۔ یہ قیمتی تصنیف اس قدر جامع اور مکمل ہے کہ علماء اسلام کی کوئی بھی تصنیف آج تک اس کا مقابلہ نہیں کر سکی۔ آج بھی سکولوں اور کالجوں میں خوارزمی کے دریافت کردہ اصول و قواعد ہی پڑھائے جا رہے ہیں۔ خوارزمی کی کتب کا ترجمہ لاطینی، انگریزی اور دیگر یورپی زبانوں میں ہوا اور یورپ نے سولہویں صدی تک انہیں بطور نصاب اپنی یونیورسٹیوں میں رائج رکھا۔

۳۔ ابوبکر محمد بن زکریا الرازی

ابوبکر، محمد بن زکریا الرازی ۸۴۰ء میں تہران کے قصبہ رَے میں پیدا ہوئے۔ اسی نسبت سے وہ مشرق میں ''الرازی'' اور مغرب میں ''ریزز'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ محمد بن زکریا الرازی ایک عظیم طبیب، محقق، مفکر اور مایہ ناز سائنسدان تھے۔ زندگی کا ابتدائی حصہ انہوں نے بے فکری میں اور عود بنانے یعنی گانا بجانے میں گزارا۔ شادی کے بعد جلد ہی فکر معاش کے تحت کیمیا گری یعنی سونا بنانے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ مگر کیمیا گری کے باعث ان کی بینائی متاثر ہو گئی جب وہ علاج کی غرض سے ایک طبیب کے پاس گئے تو اس نے انہیں نصیحت کی کہ اس طرح جان کھپانے سے سونا نہیں بنتا بلکہ اصل کیمیا گری تو یہ

ہے کہ تم میرے علاج سے ٹھیک ہو گئے ہو۔ اس واقعے نے ان کی سوچ کا رخ کیمیا گری سے پھیر کر طب کی طرف موڑ دیا۔ جلد ہی وہ اپنے وطن سے بغداد چلے گئے۔ اس وقت ان کی عمر ۳۸ سال تھی۔ وہ ''علی بن ساحل'' کے حلقہ درس میں توجہ کے ساتھ پڑھنے لگے۔ علی بن ساحل سرکاری ہسپتال میں سپرنٹنڈنٹ تھے چنانچہ رازی بھی ان کے ساتھ مریضوں کو دیکھنے اور معائنہ کرنے لگا یہاں تک کہ وہ ایک ماہر طبیب بن گیا۔

جلد ہی ایک سرکاری ہسپتال میں بطور میڈیکل آفیسر تعینات کر دیئے گئے۔ کچھ عرصہ بعد وہ بغداد چلے گئے جہاں مرکزی شفا خانے میں ہیڈ میڈیکل آفیسر مقرر ہو گئے۔ اس عہدے پر ۱۴ سال بڑی مہارت توجہ اور محنت سے انہوں نے ہسپتالوں کے انتظامی امور میں درستی کی، طریقہ علاج پر خصوصی توجہ دی اور اس میں جدت پیدا کی۔ ہسپتال کی شہرت دور دور تک جا پہنچی۔ الرازی خود خطرناک اور پیچیدہ امراض والے مریضوں کا معائنہ اور ادویہ تجویز کر کے ان کے اثرات بھی مرتب کرتے جاتے۔ وہ غریبوں اور محتاجوں کی مالی مدد بھی کیا کرتے تھے۔

جابر بن حیان کے بعد الرازی اسلامی دَور کے دوسرے بڑی کیمیا دان تھے وہ دیگر کیمیا دانوں کی طرح کیمیائی عملوں کو پردہ راز میں نہ رکھتے تھے بلکہ ایک حقیقی سائنسدان کے طور پر انہوں نے تمام علم کو عام فہم اور سادہ زبان میں لکھا۔ الرازی نے کیمیائی مادوں کو جمادات اور حیوانات میں تقسیم کیا اور غیر نامیاتی (Enorganic) کیمیا اور نامیاتی (Organic) کیمیا کی ترقی کا راستہ کھول دیا۔

الرازی نے بہت سی اشیاء کا مخصوص وزن (Specific Gravity) جاننے کے لیے ایک ترازو ''میران طبیعی'' ایجاد کیا۔ جو آج بھی چھوٹی چیزوں کے وزن کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اسے ماسکونی ترازو (Hy Drastatic Balance) کہتے ہیں۔

الرازی نے عمل جراحی کا ایک کارآمد آلہ نشتر Seton بنایا۔ الرازی نے دنیا میں سب سے پہلے چیچک پر تحقیق کی اور ایک کتاب ''الجدری و الحِسبہ'' لکھی۔ الجدری ''چیچک'' کو اور الحسبہ ''خسرہ'' کو کہتے ہیں۔ اس میں اس نے ان امراض کے اسباب، احتیاط اور علاج کے بارے میں بڑی اہم معلومات بیان کیں۔

الرازی نے ابتدائی طبی امداد (First Aid) کا طریقہ پہلی مرتبہ جاری کیا۔ ابوبکر محمد بن زکریا الرازی ایک کثیر التصانیف شخصیت تھے۔ انہوں نے اپنی طبی تحقیقات کو سو سے زائد کتابوں اور رسالوں میں لکھا۔ ابن الندیم کے مطابق ان کی کتب دو سو کے قریب ہے۔ اُن کی چند مشہور کتب کے نام یہ ہیں:

۱۔ ''الحاوی'' پچیس جلدوں پر مشتمل طب کی ایک اہم کتاب ہے۔

"المنصوری" میں الرازی نے طب میں ذاتی تجربے اور یادداشتیں تحریر کی ہیں۔ اسی
۲- کتاب کے باعث وہ سینئر میڈیکل آفیسر مقرر ہوا۔ یہ دس جلدوں میں ہے۔
۳- کتاب "المادی" یہ ایک طبی انسائیکلو پیڈیا ہے۔
اس کے علاوہ کتاب اللقوہ، کتاب الفالج، کتاب طب الملوک اور کتاب طب الفقراء وغیرہ مشہور ہیں۔ ان کتب کے ترجمے لاطینی اور دیگر یورپی زبانوں میں بھی کیے گئے ہیں۔

۴- ابو القاسم الزہراوی

ابو القاسم خلف بن العباس الزہراوی ۹۳۶ء میں قرطبہ کے پڑوسی شہر "زہرہ" میں پیدا ہوئے۔ الزہراوی دنیا کے پہلے سرجن ہیں اور انہوں نے طب اور فن جراحت میں ایک عظیم نام کمایا۔ وہ ایک شاہی طبیب تھے۔ الزہراوی نے دو مستقل طریقہ علاج دریافت کیے: ۱- دوا کے ذریعے علاج۔ ۲- آپریشن کے ذریعے علاج۔

آپریشن یا سرجری کو انہوں نے ایک مستقل فن بنا دیا اور سر سے لے کر پاؤں تک ان امراض کی نشان دہی کر دی جن کے لیے آپریشن ناگزیر ہے۔ مثلاً آنکھ میں موتیا اترنا، حلق میں ٹانسلز اور پھوڑے پھنسیوں کا علاج وغیرہ۔ انہوں نے اپنے تمام تجربات اور ان کی اصلاح اپنی مشہور کتاب "التصریف" میں بیان کیے۔

الزہراوی نے آپریشن کے دوران استعمال ہونے والے تقریباً سو سے زائد آلات ایجاد کئے اور ان کی صفائی پر بھی زور دیا۔ اس نے اپنی تصنیف التصریف میں ان آلات کے تصویری خاکے بھی پیش کئے ہیں۔ الزہراوی کے ایجاد کردہ آلات آج بھی سرجری یعنی جراحت میں استعمال کیے جاتے ہیں۔

الزہراوی نے اندرون جسم کے نہایت نازک آپریشن کامیابی سے کیے مثلاً حلق، دماغ، سر، گردہ، پیٹ اور آنتوں کے آپریشن اور اس کے باقاعدہ اصول وضع کیے نیز انہوں نے کینسر یعنی سرطان پر ریسرچ کی اور بتایا کہ کینسر کے زخم کو چھیڑنا خطرناک ہے۔ الزہراوی ایک ماہر ڈینٹل سرجن بھی تھا اس نے دانتوں کے امراض کا حل اور مصنوعی دانتوں کو تیار کرنے اور خراب دانت کی جگہ نئے دانت لگانے کی تکنیک بھی ایجاد کی۔

الزہراوی نے ادویہ کی تیاری میں تصعید (Sublimation) یعنی ٹھوس کو براہ راست گیس میں تبدیل کرنا اور تقطیر (Filtration) یعنی مائع کو صاف کرنا کے طریقے بھی بیان کیے ہیں۔ مریض کو جھلس کر علاج کرنے کا طریقہ بھی الزہراوی کی ایجاد ہے۔ اس نے عمل جراحی کے پچاس طریقے متعارف کروائے۔ ان کی کتاب "التصریف" نے یورپ میں بہت نام کمایا یہاں تک کہ اس کتاب کا نام ہی "الزہراوی" پڑ گیا۔ تاریخ طب عربی کے مصنف ڈاکٹر کیمبل کے مطابق زہراوی کے طب اور سائنس کے اصول یورپ

کے طب کے نصاب میں جالینوس کے اصولوں سے بہت زیادہ سبقت لے گئے۔

۵- بوعلی سینا

شیخ ابو علی حسین بن عبداللہ المعروف بابن سینا ۹۸۰ء میں بخارا کے نواح میں خرمیتاں میں پیدا ہوئے۔ ابن سینا بچپن سے ہی انتہائی ذہین تھے۔ انہوں نے کم عمری میں ہی قرآن مجید، صرف، نحو اور فقہ پر دسترس حاصل کر لی۔ پھر علم ہندسہ و سیاحت کا درس محمود سیاح سے حاصل کیا۔ پھر مشہور فلسفی ابو عبداللہ نائلی سے منطق اور فلسفہ میں مہارت حاصل کی۔ ان کے بعد ابن سینا نے اپنی ذاتی کوششوں سے طبی تصانیف پڑھ کر طب میں اتنی مہارت حاصل کر لی فاضل اطباء ان سے طب سیکھنے آنے لگے۔ یہ تمام علوم انہوں نے زندگی کے ابتدائی سولہ سالوں میں ہی سیکھ لیے تھے۔

سلطان بن نوح بن منصور کی شدید بیماری کا علاج کرنے پر ابن سینا صرف ۱۸ سال کی عمر میں شاہی طبیب بن گئے۔ انہوں نے بادشاہ کی اجازت سے اس کے بڑے اور قیمتی کتب خانہ سے پورا فائدہ اٹھایا اور جملہ علوم وفنون میں مہارت حاصل کر لی۔

سلطان بن نوح کی وفات اور مملکت غزنی کے فاتحین کے بخارا پر قبضہ کے بعد ابن سینا بخارا چھوڑ کر ایران کے شہر گرگانج اور پھر نامساعد حالات جان کر ''جرجان'' پہنچ گئے۔ یہاں انہیں ایک انتہائی فرمانبردار اور لائق شاگرد ابو عبید عبدالواحد بن محمد جوزجانی میسر آگیا۔ اس نے اپنے استاد کی تالیفات کی نگہداشت کی اور شیخ سے سن کر ان کے حالات قلمبند کیے پھر شوق سیاحت اور مختلف حالات کے تحت ابن سینا ''قزوین'' اور پھر ''ہمدان'' چلے گئے۔ جہاں انہوں نے شاہ ہمدان شمس الدولہ کے درد قولنج کا علاج کیا اور اپنی مشہور کتاب ''القانون فی الطب'' تصنیف کی۔ ۱۰۳۸ء میں ''ہمدان'' میں ان کا انتقال ہوا۔

ابن سینا فن طب کو خلق خدا کی خدمت کا بہترین ذریعہ جانتے تھے۔ وہ پہلے طبیب ہیں جنہوں نے سائیکالوجی یعنی علم النفس کو طب میں شامل کیا۔ ان کے مطابق خوشی، غم و غصہ وغیرہ جیسی کیفیات کا انحصار قلب یعنی دل پر ہے۔ ان کے مطابق حسد، کینہ، عداوت اور بغض وغیرہ پر طبی تدابیر سے کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔

- علم طب میں ابن سینا کی تقسیم اعضاء یعنی ۱- اعضائے مفردہ اور ۲- اعضائے مرکبہ کو آج بھی معتبر تسلیم کیا جاتا ہے۔ ابن سینا کی مشہور کتاب ''القانون فی الطب'' دراصل علم طب پر ایک مکمل انسائیکلوپیڈیا ہے اس میں انہوں نے علم الامراض کی تحقیقات بیان کی ہیں۔ یہ پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کی پہلی جلد میں نازک سے نازک انسانی اعضاء کی تفصیل ہے۔ دوسری جلد میں جڑی بوٹیوں کے خواص، اثرات اور مفرد ادویہ کا بیان ہے۔ تیسری اور چوتھی جلد میں انسانوں کو لاحق ہونے والے امراض، ان کے اسباب اور

علامات کی تفصیل دی گئی ہے۔ جبکہ پانچویں جلد میں مختلف بیماریوں کے لیے مجرب ادویہ اور نسخے بیان کیے گئے ہیں۔
''القانون فی الطب'' طب کی واحد کتاب ہے جس کے تراجم دنیا کی کئی زبانوں میں اور ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ یہ کتاب یورپ کی یونیورسٹیوں میں پندرہویں صدی کے آخیر تک انتہائی دلچسپی سے پڑھی اور پڑھائی جاتی رہی ہے۔ نیز کئی زبانوں میں اس کی تشریحات بھی لکھی گئی ہیں۔ابن سینا کو طب کے علاوہ علم ہیئت اور علم نجوم میں بھی کمال حاصل تھا انہوں نے علاؤ الدولۃ کے حکم پر ستاروں کے ذریعے نئی تقویم تیار کی۔ ابن سینا کے مطابق جو لوگ دھاتوں کی کیمیاوی عمل سے سونا بنانے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ابن سینا نے حرکت، قوت، حرارت، روشنی اور خلا جیسے موضوعات پر بہترین تحقیقی کام کیا۔ وہ پہلا سائنسدان ہے جس نے روشنی کی رفتار کو ثابت کیا۔ اس کے علاوہ بادل کی گرج اور چمک پر بھی تحقیقی مضمون لکھے۔ابن سینا ایک ہمہ پہلو شخصیت کے حامل تھے۔ مختلف علوم پر ان کی تحریر کردہ کتب سو سے زیادہ زیادہ ہیں۔ چند ایک مشہور کتب یہ ہیں:
۱- کتاب الشفاء: یہ فلسفہ، ریاضی، علم حیاتیات اور کیمیا سے متعلق ہے۔ ۲-القانون فی الطب۔ ۳-لسان العرب: یہ کتاب فن لغت پر ہے۔ ۴- کتاب الحاصل والمحصول: یہ کتاب علم تفسیر، فقہ اور تصوف کے موضوعات پر ہے۔ ۵- کتاب المجموع: یہ کتاب علم عروض اور شعر و شاعری پر ہے۔ ۶- کتاب البِرِّ وَالْاِثم: فن اخلاق لکھی گئی ہے۔

۶- ابوریحان البیرونی

البیرونی کا نام محمد کنیت ابو ریحان اور ولدیت احمد ہے۔ وہ ۹۷۳ء کو خوارزم کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔ البیرونی کا تعلق ایک غریب خاندان سے تھا۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد بچپن ہی سے سائنسی علوم کی تحصیل شروع کر دی۔ خورازم کا مشہور ہیئت دان اور ریاضی دان ابو نصر منصور اس کا استاد تھا۔ غربت و افلاس کے باوجود اس نے اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہاں تک کہ علم ہیئت، علم النجوم، علم الطب، ریاضی، جغرافیہ، میکانیات، فلکیات اور فلسفہ جیسے علوم میں مکمل مہارت حاصل کر لی۔
۹۹۵ء میں خوارزم میں ''آل عراق'' کی حکومت کے خاتمہ پر البیرونی نے وطن کو چھوڑ کر جرجان جانے کا فیصلہ کیا۔ یہاں سلطان قابوس نے البیرونی کی بہت عزت کی۔ البیرونی نے یہاں اپنی کتاب ''آلاثار الباقیہ'' تحریر کی اور اسے قابوس کے نام سے موسوم کیا۔
۹۹۷ء میں علی بن مامون نے تخت نشین ہونے کے بعد البیرونی کو واپس اپنے دربار میں خوارزم بلا لیا۔ اس کے دربار میں ابو نصر فارابی اور بو علی سینا بھی موجود تھے۔ سلطان محمود

غزنوی نے شاہ خوارزم ابو العباس کو لکھا کہ ان اہل علم نامور ہستیوں کو اس کے دربار میں بھیج دیا جائے۔ البیرونی نے وہاں جانے سے انکار کر دیا تاہم جب خوارزم سلطان محمود غزنوی کے زیرنگین ہو گیا تو وہ گرفتار کر کے دربار میں پیش کر دیا گیا۔ سلطان محمود غزنوی نے البیرونی کے علم و مرتبہ کے باعث اس کی بے حد عزت کی اور درباریوں میں شامل کر لیا۔

البیرونی کی طبیعت میں تحقیق و تجسس نے اسے دنیا کے مختلف ممالک کے حالات جاننے پر اکسایا چنانچہ کچھ عرصہ سلطان محمود غزنوی کے پاس رہ کر وہ ہندوستان چلا گیا بعض مؤرخین کے مطابق اس نے چالیس سال ہندوستان میں گزارے، سنسکرت سیکھ کر ہندی علوم وفنون سیکھے اور ان میں مہارت حاصل کر لی۔ ہندوستانیوں کے عقائد، ان کے رسوم و رواج، تہذیب اور معاشرت اور ان کے اخلاق و عادات کا مشاہدہ کر کے اپنی مشہور تصنیف ''کتاب الہند'' لکھی۔

۱۰۲۹ء میں البیرونی غزنی واپس پہنچا۔ ۱۰۳۰ء میں محمود غزنی کے انتقال کے بعد مسعود بن محمود غزنوی کے دربار سے منسلک ہو گیا۔ البیرونی نے بادشاہ کی علم نجوم، علم ہیئت اور ریاضی میں دلچسپی دیکھتے ہوئے اپنی کتاب ''القانون المسعودی'' کو بادشاہ کے نام سے موسوم کیا۔ نیز ایک رسالہ ''الجماہر فی معرفت الجواہر'' بھی لکھ کر بادشاہ کے نام سے موسوم کیا۔

البیرونی دن رات علمی تحقیق اور جستجو میں گزارتا رہا۔ اس کی تصانیف کی تعداد ڈیڑھ سو سے کچھ زیادہ ہے۔ اس نے طبیعات، ریاضی، فلکیات، ارضیات، جغرافیہ، حیاتیات، تاریخ، علم آثار قدیمہ، مذاہب عالم اور تمدن جیسے موضوعات پر کتابیں لکھیں۔ اس کی بے شمار کتب کا یورپی زبانوں میں ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ اس کی اہم تصانیف میں سے چند یہ ہیں:

۱- الآثارُ البَاقِیَةُ ۲- القانونُ لِلمَسعُودِیّ ۳-کتابُ الهِندِ
۴-الصَّیدَلَةُ فی الطِّبِّ ۵- کتابُ الجَوَاهِر وغیرہ

البیرونی علوم وفنون پر مجتہدانہ نگاہ رکھتے تھے اس کے علاوہ وہ ایک باکمال نجومی، فلسفی، ماہر ہیئت، تاریخ نگار اور جغرافیہ دان تھے انہوں نے دنیا کے مختلف شہروں کے طول بلد اور ان کا فرق معلوم کرنے کے طریقے بتائے، زمین کے قطر اور محیط کی پیمائش کی۔ اس علم کو ٹرگنومیٹری کہتے ہیں۔

علاوہ ازیں البیرونی نے دھاتوں کی کثافت معلوم کرنے کا طریقہ دریافت کیا۔ اپنی کتاب الجواہر میں قیمتی اور نیم قیمتی پتھروں اور دھاتوں سے متعلق اہم اور مفید معلومات جمع کیں۔ البیرونی نے ایک شمسی گھڑی تیار کی جس کی مدد سے وہ مختلف تجربات کرتا اور اسے اپنی کتاب ''الظلال'' میں درج کرتا۔ اس نے ارتفاع شمس کے مشاہدے کے لیے ایک آلہ تیار کیا۔ جس کی مدد سے اس نے پندرہ شمسی نصف النہار کے مشاہدات تحریر کیے۔ انہوں

نے مشاہدہ افلاک کے لیے غزنی میں ایک رصد گاہ قائم کی۔
وفات: البیرونی نے ۱۰۴۸ء یا ۱۰۵۰ء میں غزنی میں وفات پائی۔

۷۔ ابن الہیثم

ابو علی حسن ابن الہیثم مغرب میں الہیز ان (Alhezen) کے نام سے مشہور ہے۔ وہ ایک عظیم سائنسدان، باکمال انجینئر، علم ریاضی اور طبیعات کا ماہر تھا۔ وہ ۹۶۵ء میں کوفہ میں پیدا ہوا جبکہ اس کی پرورش اور ابتدائی تعلیم بصرہ میں مکمل ہوئی اور جلد ہی ذریعہ معاش کی خاطر سرکاری ملازمت کر لی۔ علم و حکمت میں گہری دلچسپ رکھتا تھا چنانچہ اس نے مختلف علوم و فنون میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ وہ طبقات، طب اور علم ریاضی کا گہرا مطالعہ رکھتا تھا۔ جلد ہی اس نے ملازمت چھوڑ دی اور شاہی دربار سے منسلک ہو گیا۔ ان دنوں مصر کی ترقی کا انحصار زراعت پر تھا۔ چنانچہ ابن الہیثم نے دریائے نیل کے پانی کو محفوظ کرنے کے لیے ''اسوان بند'' کا منصوبہ بنا کر فاطمی حکمران ''الحاکم'' کو بھیج دیا۔ بادشاہ نے اس منصوبہ کو پسند کیا اور اسے بغداد سے مصر خفیہ طریقہ سے بلوا لیا اور ضرورت کا سامان اور معمار فراہم کر دیئے تاہم چونکہ یہ منصوبہ بہت زیادہ اخراجات کا حامل تھا اور حکومت کے پاس اس قدر زرکثیر نہ تھا۔ اس لیے ابن الہیثم نے معذرت کر لی۔ آج اسوان بند کی تعمیر کا منصوبہ کئی حکومتوں نے مشترکہ طور پر مکمل کر لیا۔ یقیناً اس منصوبہ کی تکمیل اس عظیم سائنسدان کو ایک بہترین خراج تحسین ہے۔

اس منصوبے کی تکمیل نہ ہو سکنے کے باعث ابن الہیثم نے دربار سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے مصنوعی دیوانہ بن گیا۔ خلیفہ ''الحاکم'' کو اس کا پتا چل گیا اور اس نے ابن الہیثم کی تمام کتب اور آلات ضبط کر کے سرکاری تحویل میں لے لیے اور اسے پاگل خانے میں قید کر دیا۔ خلیفہ ''الحاکم'' کی وفات کے بعد ابن الہیثم کو رہائی ملی۔ آزاد ہونے کے بعد ابن الہیثم نے جامعہ الازہر کے ایک کمرے میں گوشہ نشینی اختیار کر لی اور تصنیف و تالیف اور علمی خدمات میں مصروف عمل ہو گیا۔

ابن الہیثم کی تصانیف کی تعداد تقریباً ۲۰۰ کے قریب ہے۔ جن میں سے ۲۵ کتابیں ریاضی پر ۳۰ کتابیں طب سے متعلق اور ۶۶ کتابیں طبیعات پر ہیں اور بقیہ دوسرے مختلف علوم و فنون پر لکھیں۔ ابن الہیثم کی بیشتر کتابوں کے لاطینی، انگریزی اور دنیا کی دیگر زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ ابن الہیثم نے کتاب ''المناظر'' میں روشنی کو توانائی کی ایک قسم قرار دیا اور نور کے متعلق اپنے نظریات پیش کیے اس نے مختلف رنگوں کو بھی نور ہی قرار دیا۔ اس نے اشیاء کو تین حصوں میں تقسیم کیا یعنی ۱۔شفاف، ۲۔نیم شفاف اور غیر شفاف۔ آنکھ کی بناوٹ اور اس کے نازک ترین حصوں کو تفصیل سے بیان کیا اور بتایا کہ آنکھ سے کیسے دیکھتے

ہیں۔ نیز کیمرے کے ذریعے تصویر کھینچنے کا اصول بھی ابن الہیثم نے ہی دریافت کیا۔

ابن الہیثم نے دریافت کیا کہ چاند مستعار روشنی کو اس طرح منتشر کرتا ہے جس طرح کہ ایک منور جسم کرتا ہے۔ اس کے نزدیک تاریکی سے مراد نور کی مکمل عدم موجودگی ہے اس موضوع پر اس نے ایک رسالہ "مقالہ فی کیفیۃ الاظلال" تحریر کیا۔ ابن الہیثم نے انعکاس (Reflection) اور انعطاف کے بارے میں جو اصول قواعد بیان کیے ہیں وہ آج تک سائنس میں درست مانے جاتے ہیں۔

ابن الہیثم نے مظاہر قدرت مثلاً سائے، گرہن (Eclipse) اور قوس قزح (Rainbow) کے بارے میں تفصیل سے لکھا۔ علم ریاضی میں اس نے "تجرباتی جیومیٹری" وضع کی یعنی اس نے الجبرا اور جیومیٹری میں تعلق قائم کیا۔ اس کے نظریہ کے مطابق ایک جسم مستقل متحرک ہوتا ہے جب تک کہ ایک باہر کی قوت اسے نہ روک دے۔

ابن الہیثم کی چند مشہور تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱- علمُ المَنَاظِر
۲- شرح اصولِ اُقلَیدَس
۳- کتابُ الجَامِعِ فِي اُصُولِ الحِسَاب
۴- کتابٍ فِی فِرَقِ الطِّبّ
۵- مقالۃٌ فی رُؤیَۃِ الکَوَاکِب
۶- مقالۃٌ فی کیفیَۃِ الاَظْلال
۷- مقالۃٌ فی صُورۃِ الکُسُوفِ وغیرہ ہیں۔

ابن الہیثم کی سائنسی تحقیقات آج بھی مستند ہیں اور علمی اور سائنسی دنیا ان سے مستفید ہو رہی ہے۔ اس عظیم سائنسدان نے ۱۰۳۱ء میں ۶۶ برس کی عمر میں وفات پائی۔

معروضی سوالات

سوال نمبر 1: درج ذیل میں ہر سوال کے ساتھ اس کے چار ممکنہ جوابات دیئے گئے ہیں، ان میں سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے۔

1- مادی علوم سے مراد ہیں۔

(a) علوم نباتات (b) علم الابدان (c) علوم طبیعی ✓ (d) علم حیوانات

2- علم کیمیا میں بڑا نام کمایا۔

(a) محمد بن موسیٰ خوارزمی (b) نیوٹن (c) گراہم بیل (d) جابر بن حیان ✓

3- علم کیمیا کا باوا کہا جاتا ہے۔

(a) بوعلی سینا کو (b) جابر بن حیان کو ✓ (c) محمد بن موسی خوارزمی کو (d) نیوٹن کو

4- ابن سینا کی وجہ شہرت ہے۔

(a) طبیعات (b) طب ✓ (c) جغرافیہ (d) کیمیا

5- محمد بن موسیٰ خوارزمی کی وجہ شہرت ہے۔
(a) طب (b) حیاتیات (c) طبیعات (d) ریاضی ✓

6- فن جراحت میں عظیم نام کمایا۔
(a) بوعلی سینا نے (b) الرازی نے (c) البیرونی نے (d) الزہراوی نے ✓

7- دھاتوں کی کثافت معلوم کرنے کا طریقہ دریافت کیا۔
(a) ابن الہیثم نے (b) البیرونی نے ✓ (c) الزہراوی نے (d) جابر بن حیان نے

8- القانون فی الطب تصنیف ہے۔
(a) البیرونی کی (b) جابر بن حیان کی (c) بوعلی سینا کی ✓ (d) ابن الہیثم کی

9- کیمیا گری میں زیادہ انہاک کی وجہ سے آنکھیں خراب ہوگئیں۔
(a) الخوارزمی کی (b) جابر بن حیان کی ✓ (c) الزہراوی کی (d) الزہراوی

10- کتاب ''المختصر فی حساب الجبر و المقابلہ'' کے مصنف ہیں۔
(a) الرازی (b) جابر بن حیان (c) الخوارزمی ✓ (d) الزہراوی

سوال نمبر:2 درج ذیل میں سے درست کے سامنے (✓) کا اور غلط کے سامنے (X) کا نشان لگائیے۔

1- سائنس کے معنی علم، حکمت، عقل، تفکر و تدبر ہیں۔ ✓
2- مادی علوم سے مراد تاریخ، ریاضی اور قانون کے علوم ہیں۔ X
3- مسلمان علماء کو پیغمبروں کا وارث قرار دیا گیا ہے۔ ✓
4- جابر بن حیان کو علم کیمیا کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔ ✓
5- کتاب الجبر و المقابلہ محمد بن موسیٰ خوارزمی کی تالیف ہے۔ ✓
6- ابتدائی طبی امداد (First Aid) کا تصور سب سے پہلے ابوبکر محمد بن زکریا الرازی نے پیش کیا۔ ✓
7- کتاب التصریف ابو القاسم الزہراوی کی تالیف ہے۔ ✓
8- الرازی نے ''میزان طبیعی'' ایجاد کیا ہے۔ ✓
9- جعفر برمکی نے جابر بن حیان کی بے حد عزت افزائی کی۔ ✓
10- خوارزمی نے دھاتوں کی کثافت معلوم کا طریقہ دریافت کیا۔ X

سوال نمبر3: درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجئے۔

س : مادی علوم میں کون کون سے علوم شامل ہیں؟
ج : مادی میں علم کیمیا، علم طبیعات، علم فلکیات، علم ہیئت اور علم الارض شامل ہیں۔

س : انسانی نفوس سے متعلقہ علوم کون کون سے ہیں؟
ج : انسانی نفوس سے متعلقہ علوم میں علم تاریخ، علم نفسیات، علم ریاضی اور علم قانون وغیرہ شامل ہیں۔
س : جابر بن حیان کی علم کیمیا پر لکھی گئی دو اہم کتابوں کے نام لکھیے؟
ج : ۱- کتاب المائۃ والاثنا عشر (کتاب الموازین بھی کہا جاتا ہے)
۲- سبعین
س : الخوارزمی کی کتاب 'المختصر فی حساب الجبر و المقابلہ' کی کیا اہمیت ہے؟
ج : الخوارزمی کی یہ تصنیف اس قدر جامع اور مکمل ہے کہ خوارزمی کی کتب کا ترجمہ لاطینی، انگریزی اور دیگر یورپی زبانوں میں ہوا اور یورپ نے سولہویں صدی تک انہیں بطور نصاب اپنی یونیورسٹیوں میں رائج رکھا۔
س : ابو القاسم الزہراوی نے کون کون سے دو مستقل علاج کے طریقے دریافت کیجئے؟
ج : الزاہراوی نے درج ذیل دو مستقل علاج کے طریقے دریافت کیے۔
1- دوا کے ذریعے علاج 2- آپریشن کے ذریعے
س : بوعلی سینا کی دو مشہور کتابوں کے نام لکھیے؟
ج : 1- القانون فی الطب 2- کتاب الشفاء
س : ابو ریحان البیرونی کی تین کتب کے نام لکھیے؟
ج : الآثار الباقیہ 2- القانون للسمعودی 3- کتاب الہند
س : محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے کس عباسی خلیفہ کی تحریک پر فن ریاضی میں کتابیں لکھیں؟
ج : محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے عباسی خلیفہ مامون الرشید کی فرمائش پر فن ریاضی میں دو کتابیں مرتب کیں۔
س : کس بادشاہ کے علاج کی وجہ سے ابن سینا جوانی میں ہی شاہی طبیب کہلائے؟
ج : بادشاہ سلطان بن نوح بن منصور کی شدید بیماری کا علاج کرنے پر ابن سینا صرف 18 سال کی عمر میں شاہی طبیب بن گئے۔

۸- اسلام کا معاشی نظام

گردشِ دولت ۞ زکوٰۃ ۞
سود ۞ تجارت کے نبوی اصول ۞

اسلام کا معاشی نظام

اسلام نے انسان کی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ایک عادلانہ معاشی نظام دیا ہے جس سے تمام انسانوں کی بنیادی معاشی ضروریات عزت نفس مجروح کیے بغیر پوری ہوتی رہتی ہیں۔ اور انہیں کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ اسلام نے ایسے معاشی اصول وقواعد وضع کیے ہیں جن سے معاشرے میں دولت چند افراد کے ہاتھوں جمع نہیں ہوسکتی بلکہ معاشرے کے تمام افراد میں گردش کرتی ہے۔ جس سے کم ازکم غریب آدمی بھی آسانی سے اپنی معاشی ضروریات پوری کرسکتا ہے۔ ایسے تمام امور پر پابندی لگا دی ہے جس سے گردشِ دولت رُک جاتی ہے۔

گردش دولت کیلئے اسلامی اقدام

اِرتکازِ دولت سے معاشی ترقی رک جاتی ہے۔ دولت چند مخصوص افراد کے ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہے۔ امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ذیل میں ان اقدامات کا ذکر کیا جاتا ہے جن سے معاشرے میں دولت کی گردش میں تیزی آجاتی ہے۔

ا- زکوٰۃ: زکوٰۃ گردش دولت کیلئے اسلامی معاشی نظام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہر صاحب نصاب کو سال میں ایک مرتبہ اپنی دولت میں سے اڑھائی فیصد کے حساب سے مستحقین کو زکوٰۃ دینا پڑتی ہے جس سے دولت امراء کے ہاتھوں سے نکل کر غرباء کے پاس چلی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ﴾ [سورہ البقرہ:۴۳] (نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو)۔ زکوٰۃ کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

۲- عُشر: زمینی پیداوار کی زکوٰۃ کو عشر کہتے ہیں جو زرعی زمین کی پیداوار پر مخصوص مقدار میں لی جاتی ہے۔ بارانی زمین کی پیداوار پر دسواں اور نہری زمین کی پیداوار پر بیسواں حصہ لیا جاتا ہے۔ جو گردش دولت کا سبب بنتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس زمین کو چشمے یا بارش کے پانی سے سیراب کیا جائے تو اس کی پیداوار میں سے دسواں حصہ اور جسے کنویں (ٹیوب ویل وغیرہ) سے سیراب کیا جائے اس کی پیداوار میں سے بیسواں حصہ بطور عشر لیا جائے گا۔

۳- وراثت کی تقسیم: تقسیم دِولت اور گردشِ دولت کے نظام کو مؤثر بنانے کیلئے اسلام

نے وراثت کی تقسیم کیلئے قانون سازی کی ہے جس سے دولت وفات پانے والے کے ورثاء میں ان کے مقررہ حصوں کے مطابق تقسیم کر دی جاتی ہے۔

۴- وصیت: ہر آدمی اپنی وفات سے قبل اپنی جائیداد اور دولت میں سے ان لوگوں کیلئے وصیت کر سکتا ہے جن کا حصہ وراثت میں مقرر نہیں کیا گیا۔ یہ وصیت کل ترکہ کے ۳/۱ حصہ تک کی جا سکتی ہے۔ یہ گردش دولت کا ایک ذریعہ ہے۔

۶- فطرانہ: اللہ تعالیٰ نے صاحب نصاب مسلمانوں پر رمضان المبارک کے بعد یکم شوال کو صدقہ فطر کی ادائیگی کو لازمی قرار دیا ہے جو گردش دولت کا سبب بنتا ہے۔

۷- کفارات کی ادائیگی: بعض شرعی احکام کی خلاف ورزی پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے کفارات کی ادائیگی یعنی غربا کو کھانا کھلانا یا غلام کو آزاد کرنے کا حکم دیا جن سے گردش دولت کا اہتمام ہوتا ہے۔ قسم توڑنے، جان بوجھ کر رمضان کے دنوں میں روزہ توڑنے، قتل خطا اور ظہار وغیرہ جیسی صورتوں میں کفارات ادا کیے جاتے ہیں۔

۸- قرض: مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے بھائیوں کی مالی امداد کیلئے رقم ادھار دینے کی ترغیب دی تاکہ وہ اپنی ضروریات پوری کر سکیں حتیٰ کہ قرض کی واپسی کے سلسلے میں بھی مقروض کے ساتھ حسن معاملہ کا حکم دیا گیا ہے۔ ﴿وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ﴾ [سورۃ البقرۃ: ۲۰۸] (اور اگر مقروض تنگدست ہو تو آسانی کے حصول تک اسے مہلت دو)۔

۹- انفاق فی سبیل اللہ: گردش دولت کے مقصد کی تکمیل اور اسے مؤثر بنانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے صدقات و خیرات کرنے کا حکم دیا اور اس کا اجر و ثواب کئی گنا بڑھا کر دینے کا وعدہ کیا۔ تاکہ اس عمل میں لوگ بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَ اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ [البقرہ: ۱۹۵] (اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو)۔

۱۰- وقف: کوئی بھی مسلمان اپنی زمین یا عمارت کو مفاد عامہ کے فائدہ کیلئے وقف کر سکتا ہے جو کہ گردش دولت کی ہی ایک صورت ہے۔

۱۱- حج کی ادائیگی: صاحب استطاعت مسلمانوں پر حج کی ادائیگی فرض ہے۔ ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ [سورہ آل عمران: ۹۷] (اور اللہ تعالیٰ کیلئے صاحب استطاعت لوگوں پر بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے) حج کی ادائیگی سے بھی دولت گردش کرتی ہے جس سے لوگوں کے روزگار میں اضافہ ہوتا ہے۔

۱۲- قربانی: قربانی کرنے کیلئے بھی صاحب استطاعت مسلمانوں کو قربانی کا جانور خریدنے

کے لیے دولت کو خرچ کرنا پڑتا ہے۔ جس سے دولت کی گردش کا رخ امراء سے غرباء کی طرف ہو جاتا ہے۔ خلاصہ بحث یہ ہے کہ اسلامی نظام معیشت میں گردش دولت کیلئے بڑے موثر اقدامات کیے گئے ہیں۔ سود، اِحتِکَار (ذخیرہ اندوزی Hoarding) اور اِکتِنَاز (دولت کو ذخیرہ کرنا Concentration of Wealth) وغیرہ کو حرام قرار دیا تاکہ دولت کی معاشرے میں تقسیم منصفانہ ہو سکے۔

زکوٰۃ

زکوٰۃ کا لغوی معنی: زکوٰۃ عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کا معنی پاک ہونا، پاکیزگی، طہارت اور پاک صاف ہونے کے ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہوا: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا۔ (سورۃ الشمس:9) ترجمہ: وہ فلاح پا گیا جس نے اپنے آپ کو صاف کرلیا۔ زکوٰۃ کا ایک اور لغوی معنی نشوونما بھی ہے۔

زکوٰۃ کا اصطلاحی معنی: ایک خاص مقدار سے زائد رکھے ہوئے مال پر سال گزرنے کے بعد ایک مقررہ حصہ مال شریعت کے مقرر کردہ مصارف پر خرچ کرنا زکوٰۃ کہلاتا ہے۔

زکوٰۃ کی فرضیت و اہمیت: ارکان اسلام میں نماز کے بعد اہم ترین رکن زکوٰۃ ہے۔ قرآن کریم میں بیاسی (82) مقامات پر نماز اور زکوٰۃ کا اکٹھا حکم نازل ہوا ہے۔ زکوٰۃ کی اہمیت کو سمجھنے کیلئے اس امر سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سرور عالم علیہ الصلوۃ والسلام کے وصال کے بعد جو فتنے پیدا ہوئے ان میں منکرین زکوٰۃ کا فتنہ نازک ترین تھا اور اسلامی ریاست کیلئے ایک بہت بڑا چیلنج تھا۔ جسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بڑی جرأت ایمانی سے فرو کیا اور منکرین زکوٰۃ کا فتنہ ختم کر دیا اور فرمایا جو کوئی نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا میں اس کے خلاف جہاد کروں گا۔ قرآن کی رو سے اسلامی حکومت کی چار بڑی ذمہ داریاں ہیں۔ 1-نماز قائم کروانا 2-زکوٰۃ کی ادائیگی کروانا 3-نیکی کا حکم دینا 4-برائی، فحاشی و عریانی کو روکنا۔ زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ:

1۔ زکوٰۃ دین اسلام کا رکن اعظم ہے۔ 2۔قرآن مجید میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر 82 مرتبہ آیا ہے۔ 3۔اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ اس کا حکم دیا۔ 4۔زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کیلئے بہت بڑا عذاب ہے۔ 5۔زکوٰۃ دینے سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ مال بڑھتا ہے۔ 6۔زکوٰۃ ادا کرنے والے اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے بن جاتے ہیں۔ 7۔زکوٰۃ نہ دینے والوں کا مال برباد اور انجام خراب ہوگا۔ 8۔زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے یعنی یہ کہے کہ میرے اوپر اللہ کی طرف سے زکوٰۃ فرض نہیں ہے یہ کہنے

سے اسی وقت کافر ہوجائے گا اور اس کے سابقہ تمام نیک اعمال ختم ہوجائیں گے۔ 9۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر کرنے والا گناہ گار ہے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

زکوٰۃ فرض ہونے کی شرائط: زکوٰۃ فرض ہونے کی چند شرطیں ہیں۔ 1۔ مسلمان ہونا۔ 2۔ بالغ ہونا۔ 3۔ عاقل یعنی عقلمند ہونا مجنون پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ 4۔ آزاد ہونا، غلام پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ 5۔ مال کا نصاب کے برابر ہونا۔ 6۔ جس شخص پر زکوٰۃ فرض ہے اس کا مال کا مالک ہونا۔ 7۔ مال کا قرض سے فارغ ہونا۔ 8۔ مال کا حاجت اصلیہ سے فارغ ہونا اور اس پر ایک پورا سال گزر جانا۔

نصاب زکوٰۃ: جن اموال میں زکوٰۃ فرض ہے شریعت نے ان کی خاص مقدار مقرر کردی ہے جب اتنی مقدار کسی کے پاس ہوجائے تو زکوٰۃ فرض ہوجاتی ہے اس مقدار کو نصاب کہتے ہیں۔

1۔ سونے اور چاندی کا نصاب: سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے (جو کہ جدید اعشاری نظام میں 87.47 گرام بنتا ہے) ہے اور چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولے (جو کہ جدید اعشاری نظام میں 612.35 گرام بنتا ہے) مقرر ہے۔

2۔ روپے پیسے کا نصاب: روپے اور پیسے کا حساب لگا کر پہلے چاندی یا سونے کی قیمت بنائیں پھر اس قیمت پر زکوٰۃ ادا کریں۔ نصاب خواہ سونے کا ہو یا چاندی کا یا روپے پیسے کا اس کا چالیسواں حصہ دینا فرض ہے۔ یعنی ایک سو روپے پر اڑھائی روپے دینا فرض ہے۔

مَصَارِف زکوٰۃ: مصارف، مَصْرَف کی جمع ہے۔ اس کا معنی ''زکوٰۃ خرچ کرنے کی جگہ'' ہے۔ یعنی زکوٰۃ کا مال جہاں جہاں خرچ کیا جاسکتا ہے انہیں مصارف زکوٰۃ کہتے ہیں دوسرے لفظوں میں مستحقین زکوٰۃ کو مصارف زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۔(سورۃ التوبۃ 60): ''زکوٰۃ غریبوں، مسکینوں، محکمہ زکوٰۃ میں کام کرنے والوں ان لوگوں کے لئے ہے جن کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنا مقصود ہو، گردن چھڑانے، قرضہ ادا کرنے والوں، اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لئے اللہ کی طرف سے (مقررہ) فریضہ ہے، اور اللہ بہتر جاننے والا اور حکمت والا ہے''

معاشی نظام میں زکوٰۃ کی حیثیت

1۔ گردش دولت: دین اسلام کے نظام زکوٰۃ کی خوبی یہ ہے کہ دولت چند افراد کے ہاتھوں میں نہیں رہتی بلکہ گردش میں رہتی ہے۔ وہ دولت جسے انسان اپنے علاوہ کسی

دوسرے کے پاس جانے نہیں دیتا اور جس سے انسان کو محبت ہوتی ہے۔ نظام زکوٰۃ اس سے دولت خرچ کروانے کا ایک سبب بن جاتا ہے۔

2- سودی نظام کا خاتمہ: اگر اسلامی ریاست صحیح طور پر نظام زکوٰۃ نافذ کردے تو موجودہ سودی نظام کا خاتمہ ہوسکتا ہے اور معاشرے کی یہ ناہمواری کہ امیر امیر ترین جاتا ہے اور غریب غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے، اس کا حل صرف نظام زکوٰۃ ہے۔ پاکستان میں بھی نظام زکوٰۃ کو صحیح بنیادوں پر قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ جس سے دہشت گردی میں کمی آئیگی۔ لوگ بھوک کی وجہ سے ایمان اور غیرت نیلام نہیں کرینگے خودکشی کی مذمت ہوگی بے روزگاری کم ہوگی اور جرائم میں کمی واقع ہوگی۔

زکوٰۃ کے فوائد و ثمرات

1- رضائے الٰہی کا حصول: زکوٰۃ کی ادائیگی سے خدا کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ اللہ کے حکم کی پیروی کی جائے تو اللہ تعالیٰ کی ذات بندے سے راضی ہوجاتی ہے۔

2۔ امیروں سے لی جاتی ہے غریبوں پر خرچ کی جاتی ہے: معاشرے کے نادار اور غریب لوگ زکوٰۃ کی وجہ سے اپنی ضروریات زندگی پوری کرتے ہیں اور اپنا گزر اوقات پورا کرتے ہیں۔ اسلام کے نظام زکوٰۃ سے غریبوں کی بنیادی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔

3- حقوق العباد کی ادائیگی: زکوٰۃ ایسا نظام ہے کہ اس کے ذریعے بندوں کے حقوق پورے ہوتے ہیں۔ معاشرے کے تمام لوگ دنیاوی ضرورتوں سے بہرہ مند ہوتے ہیں زکوٰۃ سے حقوق العباد کی ادائیگی ہوتی ہے۔

4- محتاجی کا خاتمہ: زکوٰۃ کے منصفانہ نظام سے معاشی ناہمواریاں ختم ہوجاتی ہیں۔ کوئی شخص کسی دوسرے کا محتاج نہیں رہتا۔ ہر شخص کو بنیادی ضروریات میسر آتی ہیں۔

5- بھیک مانگنے کی حوصلہ شکنی: زکوٰۃ کے نظام سے معاشرے میں گداگری اور بھیک مانگنے کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ بھکاریوں کی تعداد کم ہوتی ہے اور لوگ اس لعنت سے چھٹکارا حاصل کرلیتے ہیں۔

6- مال بڑھتا ہے کم نہیں ہوتا: زکوٰۃ کی ادائیگی سے مال میں برکت ہوتی ہے، جس کے مقابلے میں زکوٰۃ نہ دینے سے مال برباد ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا زکوٰۃ دے کر مالوں کو مضبوط قلعوں میں بند کرلو۔

7- تزکیہ نفس: زکوٰۃ دراصل انفاق فی سبیل اللہ ہے، اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے انسان کی روح پاک ہوتی ہے اور گناہ معاف ہوتے ہیں۔ جب تک انسان اپنی جان

مال کو خرچ نہیں کرتا اللہ کا محبوب نہیں بن سکتا۔ مال خرچ کرنے سے تزکیۂ نفس ہوتا ہے جب تک مال خرچ نہ کیا جائے تزکیۂ نفس حاصل نہیں ہوسکتا۔

8- دعائیں قبول ہوتی ہیں: حلال مال سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کی دعائیں قبول ہوتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ حلال مال کے علاوہ قبول نہیں کرتے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ لا یَقْبَلُ اِلَّاطَیِّباً (مسلم) اللہ تعالیٰ پاک ہے پاک چیزوں کو ہی قبول کرتا ہے۔

سود (RIBA)

معنی اور مفہوم: سود کے لیے عربی زبان میں "رِبٰو" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جس کے معانی بڑھنا، اضافہ اور زیادتی کے ہیں۔ اسلامی اصطلاح میں سود ہر اس زائد رقم یا چیز کو کہا جاتا ہے جو ایک قرض خواہ اپنے مقروض سے طے شدہ شرح کے مطابق اصل زر یا چیز کے علاوہ وصول کرتا ہے۔ اسی طرح ایک جیسی جنس کے تبادلے کے وقت زائد جنس کا حصول بھی سود کہلاتا ہے۔ مثلاً قرض خواہ مقروض کو دس روپے ایک مہینے کی مدت پر اس شرط پر دے کہ وہ اسے اگلے مہینے پندرہ روپے واپس لوٹائے گا اس میں پانچ روپے سود اور دس روپے اصل زر ہے اور اگر مقروض طے شدہ مہینے میں ادائیگی نہ کر سکا تو ہر ماہ مزید پانچ پانچ روپوں کا اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ اسی طرح ایک من عمدہ گندم کے مقابلے میں ڈیڑھ من ردی گندم وصول کرنے میں آدھا من گندم زائد یعنی سود ہے۔

سود کی حرمت: اسلام نے سود کی ہر قسم کو حرام قرار دیا ہے خواہ وہ شخصی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ہو یا وہ تجارتی و کاروباری مقاصد کے لیے لیا گیا قرض ہو۔ عرب معاشرہ میں سودی کاروبار رچا بسا ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سود کو یکبارگی حرام قرار نہیں دیا بلکہ انسانی نفسیات کو مدنظر رکھتے ہوئے تدریجی طور پر حرمت کے احکام دیئے گئے جو کچھ یوں ہیں۔

پہلا حکم...... سود سے مال نہیں بڑھتا: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں سود کی اہمیت کو کم کرنے کے لیے ارشاد فرمایا کہ سود لینے سے مالوں میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ معاشی حالت تنگدستی کی جانب گامزن ہو جاتی ہے: ﴿وَ مَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَاْ فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰہِ﴾ [سورہ الروم: ۳۹] (اور جو تم سود پر دیتے ہو تا کہ لوگوں کے مالوں میں اضافہ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نہیں بڑھتا)۔

دوسرا حکم...... زیادہ سود کھانے کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے کئی گنا بڑھا کر سود لینے اور کھانے سے منع فرمایا: قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا

اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً وَّاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [سورۃ آل عمران: ۱۳۰] (اے ایمان والو! سود کو کئی گنا بڑھا چڑھا کر نہ کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔)

تیسرا حکم.......تجارتی نفع کی حلت اور سود کی حرمت: اللہ تعالیٰ نے تجارتی نفع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿وَ اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [البقرہ: ۲۷۵] (اللہ تعالیٰ نے تجارت (تجارتی نفع) کو حلال ٹھہرایا ہے جبکہ سود کو حرام قرار دیا ہے)۔

چوتھا حکم.......سود کی قطعی حرمت: فتح مکہ کے موقع پر سود کی قطعی حرمت کا حکم نازل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ [سورۃ البقرۃ: ۲۷۸-۲۷۹] (اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سود کی باقی ماندہ رقم کو چھوڑ دو اگر تم مومن ہو پس اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لیے اصل مال ہیں۔ نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے)۔

سود کی حرمت احادیث نبویہ کی روشنی میں: رسول اللہ ﷺ نے سود کی حرمت اور مذمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''جس قوم میں زنا اور سود پھیل جائے وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی حق دار بن جاتی ہے۔'' سودی کاروبار میں معاونت کرنے والے تمام افراد کو سود کھانے والوں میں ہی شمار کرتے ہوئے فرمایا: ''سود کھانے والا، کھلانے والا، سودی دستاویز لکھنے والا اور اس معاملے کا گواہ بننے والے پر لعنت ہے اور فرمایا یہ اس گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔'' حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے سود کی حرمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''زمانہ جاہلیت کا سود ختم ہو چکا ہے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان میں سے حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کا سود معاف کرتا ہوں۔''

سود کے نقصانات: سود کو بے شمار نقصانات کی وجہ سے حرام قرار دیا گیا ہے۔ جن میں سے چند یہ ہیں: ۱-اللہ تعالیٰ نے سود کھانے والے سے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے اور سود سے باز نہ آنے والے کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف اعلان جنگ قرار دیا ہے۔ ۲-سود کھانے والا آخرت میں مخبوط الحواس ہوگا۔ ۳-سود سے دولت چند ہاتھوں ہی میں جمع ہو کر رہ جاتی ہے جس سے غریب غریب تر ہوتے چلے جاتے ہیں اور امیر، امیر تر ہوتے جاتے ہیں۔ ۴-سود سے باہمی تعاون، ایثار اور قربانی اور اخوت کے جذبات ختم ہو جاتے ہیں جبکہ اسلام باہمی اخوت و تعاون کا حکم دیتا ہے۔ ۵-سودی کاروبار کے باعث بغیر محنت و کوشش کے سود خور دولت مند بن جاتا ہے جس سے محنت کا جذبہ ختم ہو

جاتا ہے۔ ۶- سود کے باعث مال کی محبت بڑھ جاتی ہے اور اس کے دل سے ہمدردی کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے۔ ۷- سود خور کے دل سے نرمی اور رحمدلی ختم ہو جاتی ہے اور وہ دوسروں کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔

تجارت کے نبوی اصول

مکہ مکرمہ کے زیادہ تر لوگوں کا ذریعہ آمدن تجارت تھا۔ نبی کریم ﷺ نے بھی اپنا ذریعہ معاش تجارت کو بنایا۔ آپ ﷺ اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ شام کی جانب تجارتی سفر پر گئے۔ تجارتی معاملات میں ''صادق'' اور ''امین'' کے ناموں سے پہچانے جانے لگے۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کی اس شہرت کا سن کر آپ کو اپنا تجارتی مال دے کر شام بھیجا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ نے آپ ﷺ کی شرافت اور دیانت کی بہت تعریف کی جس سے متاثر ہو کر حضرت خدیجہؓ نے آپ سے نکاح کر لیا۔ کتب احادیث نبویہ اور سیرت النبی ﷺ سے پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تجارت کے درج ذیل اصولوں کو ہمیشہ سامنے رکھا۔

۱- <u>صداقت اور دیانت:</u> نبی کریم ﷺ نے صداقت اور دیانت کو تجارت کی بنیاد قرار دیتے ہوئے فرمایا: "اَلتَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ (سچا اور امانتدار تاجر قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہوگا)۔

<u>ایفائے عہد:</u> رسول اللہ ﷺ نے تجارت میں کامیابی کے لیے ایفائے عہد کو ضروری قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "لَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَھْدَ لَہٗ" (جو شخص وعدہ کی پابندی نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں ہے)۔ اعلان نبوت سے قبل ایک شخص عبد اللہ بن ابی الحمصاء نے آپ ﷺ سے کوئی معاملہ طے کیا اور کہا کہ آپ انتظار کریں میں ابھی آتا ہوں۔ آپ ﷺ مسلسل تین دن تک اس کے انتظار میں وہیں بیٹھے رہے تین دن کے بعد وہ شخص اتفاقاً وہاں سے گزرا تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تم نے مجھے بہت تکلیف پہنچائی ہے۔

۳- <u>درست ناپ تول:</u> درست ناپ تول کا حکم قرآن مجید میں یوں دیا گیا ہے:

﴿وَ اَوْفُوا الْکَیْلَ وَ الْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾ [سورہ الانعام: ۱۵۲] (اور انصاف کے ساتھ ناپ اور تول کو پورا کرو) رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جب تم تولو تو ترازو جھکا کر تولو۔

۴- <u>حسن اخلاق:</u> تجارت میں حسن اخلاق کی بہت اہمیت ہے حسن اخلاق کی بنیاد پر ہی گاہک تاجروں کے پاس جاتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''خرید و فروخت میں نرمی کرنے والا جنت میں جائے گا۔''

۵- مُضَارَبَت: آپ ﷺ نے مضاربت کے تحت ہونے والی تجارت کو جائز قرار دیا اور مضاربت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص کا سرمایا جبکہ دوسرے شخص کی محنت ہو اور نفع طے شدہ معاہدہ کے مطابق فریقین میں تقسیم کیا جائے۔

۶- شراکت: دو یا دو سے زائد افراد کامل کر اس طرح کاروبار کرنا کہ وہ افراد مل کر سرمایا کاروبار میں لگائیں اور سب کاروبار بھی کریں اور ہر شخص اپنے سرمایا کی نسبت سے نفع میں شریک ہوگا۔

۷- ذخیرہ اندوزی کی ممانعت: تاجر ضروریات زندگی پوری کرنے کے لیے غلہ اور دیگر اشیاء خرید کر لاتے ہیں۔ بعض اوقات تاجر ذخیرہ اندوزی کر کے زیادہ نفع حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے عام لوگوں کو معاشی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ذخیرہ اندوز کو لعنتی قرار دیتے ہوئے فرمایا: "مَنِ احْتَكَرَ فَهُوَ مَلْعُونٌ" (جس نے ذخیرہ اندوزی کی وہ لعنتی ہے)۔

۸- جھوٹی قسم کھانے کی ممانعت: نبی کریم ﷺ نے معاملات بالخصوص تجارت میں دھوکہ دہی کی تمام صورتوں کو ناجائز قرار دیا ہے۔ بعض اوقات تاجر حضرات اپنا مال بیچنے کے لیے جھوٹی قسموں کا سہارا لیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ور فرمایا: ''جھوٹی قسمیں کھانے سے مال بک جاتا ہے مگر برکت ختم ہو جاتی ہے۔''

۹- سودے پر سودا کرنے کی ممانعت: اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے تجارت کا ایک اصول یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ قیمت بڑھانے کے لیے سودے پر سودا نہ کیا جائے۔ اس سے اشیاء مہنگی ہو جاتی ہیں اور باہمی رقابت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لَا تَنَاجَشُوا (قیمت بڑھانے کے لیے سودے پر سودا نہ کرو)۔

۱۰- دھوکہ دہی کی ممانعت: آنحضرت ﷺ نے تجارت میں ہر قسم کی دھوکہ دہی کو ناجائز قرار دیتے ہوئے فرمایا: "مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا" (جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں ہے)۔ ہر بیچی جانے والی چیز کے نقص یا عیب کو چھپانے سے منع کیا گیا ہے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے گندم کے ڈھیر میں ہاتھ ڈالا تو نیچے نمی محسوس کی۔ تاجر نے پوچھنے پر بتایا کہ رات بارش کے باعث گندم گیلی ہوگئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر اس گیلی گندم کو اوپر کیوں نہ رکھا تا کہ لوگوں کو اس کے گیلے ہونے کا پتا چل سکے۔

۱۱- مجبوری اور لاعلمی سے فائدہ اٹھانے کی ممانعت: بعض اوقات مجبوری کے باعث لوگ اپنی اشیاء فروخت کرتے ہیں ایسے وقت میں ان کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اصل سے کم قیمت پر چیز خریدنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ اسی طرح دور دراز کے علاقوں

میں جا کر وہاں کے لوگوں سے اشیاء ان کی کم علمی کی وجہ سے کم قیمت پر خریدنے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے دھوکہ دہی اور مجبوری کی تجارت سے منع فرمایا ہے۔

معروضی سوالات

سوال نمبر1: درج ذیل میں ہر سوال کے ساتھ اس کے چار ممکنہ جوابات دیئے گئے ہیں، ان میں سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگایئے۔

1- ارتکاز دولت سے معاشی ترقی۔

(a) تیز ہوتی ہے (b) رک جاتی ہے ✓

(c) تقسیم ہو جاتی ہے (d) گردش کرتی ہے

2- وصیت کی جاسکتی ہے کل ترکہ کے ......حصہ تک ۔

(a) 1/3 ✓ (b) 1/4 (c) 1/5 (d) 1/6

3- زکوٰۃ لفظ ہے۔

(a) فارسی زبان کا (b) عربی زبان کا ✓ (c) پشتو زبان کا (d) ہندی زبان کا

4- اکتناز دولت سے مراد ہے۔ (a) دولت کو خرچ کرنا

(b) دولت کو ضائع کرنا (c) دولت کو ذخیرہ کرنا ✓ (d) دولت تقسیم کرنا

5- سونے کا نصاب ہے۔

(a) 5 تولے (b) 6 تولے (c) 7 تولے (d) ساڑھے سات تولے ✓

6- چاندی کا نصاب ہے۔

(a) 20 تولے (b) 30 تولے (c) 40 تولے (d) ساڑھے باون تولے ✓

7- مصارف زکوٰۃ کی تعداد ہے۔

(a) 7 (b) 8 ✓ (c) 9 (d) 10

8- سود کو اللہ نے قرار دیا ہے۔

(a) مباح (b) مکروہ (c) حرام ✓ (d) مشتبہ

9- مضاربت کے تحت ہونے والی تجارت ہے۔

(a) جائز ✓ (b) ناجائز (c) مکروہ (d) مشتبہ

10- سود کی قطعی حرمت کا حکم نازل ہوا۔

(a) 2 ہجری میں (b) 3 ہجری میں (c) فتح مکہ کے موقع پر ✓ (d) 10 ھ میں

سوال نمبر:2 درج ذیل میں سے درست کے سامنے (✓) کا اور غلط کے سامنے (X) کا نشان لگائیے۔

1- قانون وراثت کی بدولت دولت تقسیم ہو جاتی ہے۔ ✓
2- عشر زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ کو کہتے ہیں۔ ✓
3- ہبہ کی ہوئی چیز واپس نہیں لینی چاہیے۔ ✓
4- ذخیرہ اندوزی کو عربی میں احتکار کہتے ہیں۔ ✓
5- مصارف زکوٰۃ کی تعداد چھ ہے۔ X
6- غارمین کا معنی غلام کا آزاد کرنا ہے۔ X
7- سود اور تجارت دونوں جائز ہیں۔ X
8- زکوٰۃ ارتکاز دولت میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ X
9- ایک سو روپے پر دس روپے زکوٰۃ فرض ہے۔ X
10- عاملین سے مراد ہیں مسافر لوگ X

سوال نمبر3: درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجئے۔

س : ارتکاز دولت سے معاشی نظام میں کیا خلل واقع ہوتا ہے؟

ج : ارتکاز دولت سے معاشی ترقی رک جاتی ہے، دولت چند مخصوص افراد کے ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہے۔ امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہو جاتا ہے۔

س : اسلام کے معاشی نظام کیا برکات ہیں؟

ج : اسلام کے عادلانہ معاشی نظام کی بدولت تمام انسانوں کی بنیادی معاشی ضروریات عزت نفس مجروح کیے بغیر پوری ہوتی رہتی ہیں اور انہیں کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔

س : عشر سے کیا مراد ہے؟

ج : زمینی پیداوار کی زکوٰۃ کو عشر کہتے ہیں جو زرعی زمین کی پیداوار پر مخصوص مقدار میں لی جاتی ہے۔

س : وصیت سے کیا مراد ہے؟ اور کل ترکہ میں کس قدر وصیت کرنا جائز ہے؟

ج : ہر آدمی اپنی وفات سے قبل اپنی جائیداد اور دولت میں سے ان لوگوں کے لیے وصیت کر سکتا ہے جن کا حصہ وراثت میں مقرر نہیں کیا گیا۔ یہ وصیت کل ترکہ کے 1/3 (ایک تہائی) حصہ کی جا سکتی ہے۔

س : وقف سے کیا مراد ہے؟
ج : کسی بھی مسلمان کا اپنی زمین یا عمارت کو مفاد عامہ کے فائدہ کے لیے مخصوص کر دینا وقف کہلاتا ہے۔
س : زکوٰۃ کا اصطلاحی معنی کیا ہے؟
ج : اصطلاح میں ایک خاص مقدار سے زائد رکھے ہوئے مال پر سال گزرنے کے بعد ایک مقررہ حصہ شریعت کے مقرر کردہ مصارف پر خرچ کرنا زکوٰۃ کہلاتا ہے۔
س : زکوٰۃ فرض ہونے کی کوئی پانچ شرائط لکھئے؟
ج : 1- مسلمان ہونا 2- بالغ ہونا 3- عاقل ہونا
4- آزاد ہونا 5- مال کا نصاب کے برابر ہونا۔
س : سونے اور چاندی کا نصاب کیا ہے؟
ج : سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے اور چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولے ہے۔
س : مصارف زکوٰۃ کتنے ہیں اور کون کون سے ہیں؟
ج : مصارف زکوٰۃ آٹھ ہیں: سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 60 میں ان کی تفصیل اس طرح ہے۔ 1- فقراء 2- مساکین 3- محکمہ زکوٰۃ کے ملازمین
4- مؤلفۃ القلوب 5- قیدی آزاد کروانا 6- مقروض 7- مجاہدین
8- مسافر
س : سود کی قطعی حرمت کا حکم کب اور کس سورۃ کی کن آیات میں نازل ہوا؟
ج : سود کی قطعی حرمت کا حکم فتح مکہ کے موقع پر سورۃ البقرۃ کی آیات نمبر 278 اور 279 میں نازل کیا گیا۔
س : سود کے کوئی سے تین نقصانات تحریر کیجئے؟
ج : 1- اللہ تعالیٰ سود کھانے والے سے ناراضگی کا اظہار فرماتا ہے۔
2- سود کھانے والا آخرت میں مخبوط الحواس ہو گا۔
3- سود خور کے دل سے نرمی اور رحم دلی ختم ہو جاتی ہے۔

۹- اسلام کا سیاسی نظام

- اقتدار اعلیٰ
- جمہوریت
- مجلس شوریٰ
- اقامت دین میں نبوی منہاج

اسلام کا سیاسی نظام

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ یہ اپنے ماننے والوں کو زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ جس طرح معاشی ضروریات پوری کرنے کے لیے اسلام بنیادی قواعد وضوابط مہیا کرتا ہے اسی طرح نظام سلطنت چلانے کے لیے سیاسی اصول وضوابط مہیا کرتا ہے۔ جب کسی ریاست یا ملک میں نظام سلطنت اسلامی اصولوں کے مطابق ہو تو اسے اسلام کا سیاسی نظام کہا جاتا ہے۔ ذیل میں اسلام کے سیاسی نظام کے چند بنیادی اصول ذکر کیے جاتے ہیں۔

1- اقتدارِ اعلیٰ

اقتدارِ اعلیٰ سے مراد کسی ریاست کا سب سے برتر اور اعلیٰ اختیار ہوتا ہے جس کے باعث ریاست کو اپنے باشندوں اور اداروں پر برتری اور لامحدود اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ اسلامی سیاسی نظام میں اقتدار اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاصل ہے۔ تمام عقائد، اعمال اور قانون سازی کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی حاکم اعلیٰ ہے جو قادر مطلق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مقتدر اعلیٰ ہونے کے بارے میں قرآن مجید میں درج ذیل ارشادات بیان کیے گئے ہیں:

I- ﴿إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (سورۃ الفاطر: 1) ''بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے''

II- ﴿إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ﴾ (سورۃ آل عمران :154) ''تمام اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے''۔ III- ﴿إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ (سورۃ ھود:107) ''یقیناً آپ کا رب جو چاہتا ہے ضرور کرتا ہے''۔ IV- ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ (سورۃ الاعراف:54) ''غور سے سنو! پیدا کرنے اور حکم دینے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے''۔ V- ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ﴾ (سورۃ یوسف :40) ''حکم دینے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ VI- ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ﴾ (سورۃ بنی اسرائیل:111) ''اور بادشاہی میں اُس کا کوئی شریک نہیں''۔

رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ "اللہ تعالیٰ (خالق) کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔" اسی طرح آپ ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا کہ: "کتاب اللہ کی پیروی کرو' اس کے حلال کردہ کو حلال اور اس کے حرام کردہ کو حرام سمجھو۔ فرائض ادا کرو' حرام چیزوں کو قریب بھی نہ جاؤ اور حدود سے تجاوز نہ کرو۔ اسلامی ریاست میں حکمران' خلیفہ' امیر یا بادشاہ وغیرہ اللہ تعالیٰ کے نائب کے طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کے احکام کا نفاذ کرتا ہے۔ اور وہ کسی طور پر بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا۔ نیز نئے پیش آمدہ مسائل اور اُن کے حل کے لیے بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات اور عوامی فلاح و بہبود کو سامنے رکھ کر قانون سازی کر کے نافذ کریں گے۔ اسلام میں اللہ تعالیٰ کے اقتدار اعلیٰ کی حیثیت ممتاز مقام رکھتی ہے۔ اُسے ہی مطلق العنانیت حاصل ہے یہ اقتدار اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ سے حاصل ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

2- جمہوریت

لوگوں کی اکثریت کو "جمہور" کہا جاتا ہے۔ لغوی اعتبار سے جمہوریت سے مراد ایسی حکومت ہوتی ہے جس میں اقتدار کے مالک عوام ہوتے ہیں۔ مغربی جمہوریت میں عوام کو حکومت کے انتخاب کا مکمل اختیار حاصل ہوتا ہے اور اقتدار کا سرچشمہ عوام کو سمجھا جاتا ہے' جبکہ اسلامی جمہوریت میں اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام پر مبنی ہے۔ اسلامی جمہوریت میں جمہوریت اسلامی اصولوں کے تابع ہے۔ اسلام نے کوئی خاص نظام حکومت متعین نہیں کیا بلکہ اس کے لیے بنیادی اصول فراہم کیے ہیں جو قرآن و سنت میں ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ اسلامی جمہوریت کو مندرجہ ذیل امتیازات حاصل ہیں۔

I- اقتدار اعلیٰ: اسلامی جمہوریت میں اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور جملہ قانون سازی کے اختیارات بھی اُسی کو حاصل ہیں۔ کسی فرد یا ادارے کو اُس کے اختیارات سے انحراف کرنے کا قطعاً حق حاصل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (سورۃ المائدۃ: 45) "جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ ظالم ہیں"۔

II- خلیفہ: اسلامی جمہوریت میں خلیفہ' صدر' وزیراعظم' امیر یا بادشاہ وغیرہ کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے نائب کی سی ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کے احکام کا پابند ہوتا ہے اور وہ انہی کے احکام کا نفاذ کرتا ہے۔ اسلامی جمہوریت میں خلیفہ کی حیثیت حاکم کی

بجائے خادم کی ہوتی ہے۔

III-شورائیت: اسلامی ریاست میں تمام نئے پیش آنے والے مسائل کا حل "اہل الرائے" کی باہم مشاورت سے پیش کیا جاتا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾ (سورۃ اٰل عمران :159)
"اور آپ اُن سے معاملات میں مشورہ کریں اور جب کسی بات کا فیصلہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے۔ لَا خِلَافَةَ اِلَّا عَنْ مَّشْوَرَةٍ
خلافت مشورے کے بغیر نہیں چل سکتی۔

IV-مذہبی آزادی: اسلامی جمہوریت میں ہر ایک کو مذہبی آزادی حاصل ہوتی ہے جس میں ہر شخص کو اپنے مذہب کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کی پوری پوری آزادی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾ (سورۃ البقرۃ:256)
"دین کی قبولیت کے سلسلے میں کسی پر کوئی جبر نہیں"

V-مساوات: اسلامی جمہوریت میں تمام لوگوں کو سیاسی' معاشرتی' معاشی اور مذہبی حقوق مساوی حیثیت سے حاصل ہیں حتیٰ کہ اس سلسلے میں امیر' غریب' چھوٹے بڑے' مرد و عورت وغیرہ کے درمیان کچھ فرق نہیں کیا جاتا۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے خطبہ حجتہ الوداع میں فرمایا: "اے قریش کے قبیلے والو! اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت کے تمام امتیازات ختم کر دیئے ہیں۔ کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر' کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ ہاں تم میں سے زیادہ متقی و پرہیز گار کا اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ درجہ ہے۔" اس مساوات کا عملی مظاہرہ تمام اسلامی عقائد ارکان اسلام اور دیگر اوامر و نواہی میں ہوتا ہے۔

VI-عدلیہ کی آزادی: اسلامی جمہوریت میں عدلیہ لوگوں کو اُن کے حقوق کی فراہمی میں مکمل طور پر آزاد ہوتی ہے اور عدالت کی نگاہ میں بادشاہ و گدا تمام کا مقام یکساں حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾ (سورۃ النحل :90) "یقیناً اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے"۔

قانون کی نگاہ میں سب مساوی ہوتے ہیں اور عدالت بلا امتیاز تمام لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کو جاری رکھتی ہے۔ ایک واقعہ میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اُس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علیؓ خود عام شہری کی طرح عدالتوں میں پیش ہوئے تھے۔

VII-قانون کی بالادستی: اسلامی جمہوریت میں بنیادی قانون قرآن و سنت ہیں اور

قرآن وسنت میں بہت سے قوانین بیان کیے گئے ہیں جن کی پیروی کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ حکومت' اس کے ادارے اور عوام' تمام کے تمام ان قوانین کے پابند ہوتے ہیں حتیٰ کہ کوئی بھی اسلامی جمہوری حکومت ان قوانین کے خلاف قانون سازی نہیں کر سکتی۔

VIII- جوابدہی کا تصور: اسلامی جمہوریت میں حکمران طبقہ کو مکمل اختیارات حاصل نہیں ہوتے بلکہ وہ بھی اسلامی اصولوں کے پابند ہوتے ہیں۔ اگر کوئی قانون کی خلاف ورزی کرے گا تو وہ اس کا جوابدہ ہوگا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ۔ ''تم میں سے ہر ایک نگہبان اور محافظ ہے اور وہ اپنی رعایا کے بارے میں جوابدہ ہے''۔

خلیفہ بننے کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ''اگر میں درست کام کروں تو میری اطاعت کرو اور اگر ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کر دو''۔

3- مجلسِ شوریٰ

مشورہ کرنے کو شوریٰ کہا جاتا ہے جبکہ اسلامی ریاست میں ملکی نظام چلانے' قانون سازی کرنے وغیرہ کے لیے اہل الرائے سے مشورہ کرنے کو شوریٰ یا شورائیت کہا جاتا ہے اور ''اہل الرائے'' کی کمیٹی یا مجلس کو مجلس شوریٰ کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے دو جگہوں پر شورائیت کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔

1- اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اپنے اصحاب سے مشورہ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ (سورۃ آل عمران: 159) ''اور اے نبی ان (اصحاب) سے (پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کے لیے) مشورہ کرو۔

2- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے معاملات باہم مشورے سے چلاتے تھے اُن کے اس عمل کو سراہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ (سورۃ الشوریٰ: 38) ''اور اُن (یعنی اصحاب) کے معاملات باہم مشورے سے طے پاتے ہیں۔

شورائیت کے چند عملی مظاہر

1- اُسوہ رسول اور شورائیت: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر پیش آنے والے مسائل میں مشورہ کرنے والا کسی کو نہیں پایا۔ نبی کریم ﷺ اکثر معاملات میں اپنے اصحاب سے مشورہ فرماتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے بارے میں اپنے اصحاب سے مشورے کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے مشورے پر عمل کیا۔ جنگ

اُحد کے بارے میں اپنے اصحاب کی کثرت رائے کو قبول کیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے پر غزوہ احزاب کے موقع پر مدینہ منورہ کے اردگرد خندق کھودی۔ جنگ بدر کے موقع پر حضرت خباب بن الارتؓ کے مشورے سے ایک پست جگہ سے خیمہ اُکھیڑ کر اونچی جگہ پر نصب کیا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت اُم سلمہؓ سے مشورہ کیا۔

2-اُسوہ صحابہؓ اور شورائیت: حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ مشورہ کے بغیر خلافت نہیں چل سکتی۔ خلفائے راشدین کے دَور میں جمع و تدوین قرآن مجید منکرینِ زکوۃ' مرتدین اور جھوٹے نبیوں کے خلاف جنگ کا معاملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورے کے بعد کیا گیا۔ جو بھی نیا مسئلہ درپیش ہوتا اُسے قرآن و سنت میں تلاش کرتے اگر نہ ملتا تو پھر دوسرے اصحاب سے مشورے کے بعد جو فیصلہ ہوتا اُس پر عمل پیرا ہوتے۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے مشاورت کے لیے لوگوں کو بلایا اور فرمایا میں نے آپ لوگوں کو صرف اس لیے بلایا ہے کہ معاملات کی امانت کی ذمہ داری جو میرے اوپر ڈالی گئی ہے اس کی ادائیگی میں تم بھی میرے ساتھ شریک ہو تم اپنی رائے کے مطابق مجھ سے اتحاد یا اختلاف کر سکتے ہو۔ میری خواہش کی پیروی آپ لوگوں کے لیے ضروری نہیں۔

3-انتخاب خلفائے راشدین اور شورائیت: نبی کریم ﷺ نے اپنے وصال کے وقت اپنے خلیفہ کی صراحت کے ساتھ کوئی تقرری نہیں فرمائی سوائے اس کے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ ﷺ کی موجودگی میں سترہ بار مسلمانوں کی نماز با جماعت کی امامت کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بطور خلیفہ انتخاب مسلمانوں کے باہمی مشورے سے ہوا۔ اس لیے حضرت ابو بکر صدیقؓ کا انتخاب ایک مجمع عام میں ہوا۔ حضرت ابو بکرؓ نے جلیل القدر صحابہ کرامؓ سے علیحدہ علیحدہ مشاورت کے بعد اپنے مرض الموت میں حضرت عمرؓ کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا۔ پھر اُن کے بارے میں ایک وصیت لکھوا کر مسلمانوں کے مجمع عام کو خطاب کر کے فرمایا۔

کیا جس شخص کو میں اپنا خلیفہ مقرر کروں تم اس پر راضی ہو گے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ بہت سے لوگوں سے رائے لے کر اور غور و فکر کر کے میں نے اُس کے انتخاب میں کوئی کمی نہیں چھوڑی اور میں نے اپنے کسی رشتہ دار کو بطور خلیفہ منتخب نہیں کیا۔ میں نے عمر بن الخطابؓ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے پس اس کی بات سنو اور اس پر عمل کرو تو تمام لوگوں نے بیک زبان ہو کر کہا ہم اس کی بات سنیں گے اور اس پر عمل کریں گے۔

حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے قبل چھ جلیل القدر اصحاب رسول ﷺ پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ قائم کی جس کے ذمے یہ کام تھا کہ وہ باہم مشورہ سے اپنے میں سے کسی ایک

کو خلیفہ مقرر کریں اور پھر اعلان کر دیا۔ تم میں سے جو کوئی مسلمانوں سے مشورے کے بغیر زبردستی امیر بنے تو اُس کی گردن اُڑا دو۔ لہٰذا کثرت رائے سے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ بنا دیا گیا اور مجمع عام میں اُن کی بیعت کی گئی۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کو خلیفہ بننے کا کہا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میری بیعت چھپ کر نہیں ہوسکتی یہ کام مسلمانوں کی عام رضا مندی سے پایہ تکمیل کو پہنچے گا چنانچہ آپ مسجد نبوی میں تشریف لے گئے اور مہاجرین و انصار کی اکثریت کی مرضی سے آپ خلیفہ منتخب ہوئے۔

اقامتِ دین میں نبوی منہاج

اقامتِ دین سے مراد، دین اسلام کا عملی شکل میں نفاذ کرنا ہے قرآن مجید نے اسلام کے لیے دین کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (سورۃ آل عمران:19) ''یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے اقامت دین کا فریضہ سرانجام دینے کے لیے نبی کریم ﷺ کو ہدایت اور دین حق دے کر مبعوث کرتے ہوئے فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ (سورۃ الصف:9) ''وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اسے دوسرے سب دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین اس بات کو ناپسند کریں۔''

نبی کریم ﷺ نے اقامت دین کے لیے تیرہ برس مکہ مکرمہ اور دس برس مدینہ منورہ میں گزارے اس تئیس سالہ عرصہ میں نبی کریم ﷺ نے پورے طریقے سے اقامت دین کا عملی نفاذ کیا حتیٰ کہ عقائد، معاملات، اخلاق، معاشرت معیشت، سیاست اور زندگی کے ہر ہر شعبے میں اسلامی تعلیمات کا عملی نفاذ کیا۔ اقامت دین کے اس فریضہ کی انجام دہی کے لیے نبی کریم ﷺ نے مندرجہ ذیل مناہج اور طریقے استعمال کیے:

1- سیرت و کردار کا عملی نمونہ: نبی کریم ﷺ نے اعلان نبوت سے قبل مکہ مکرمہ میں چالیس سال تک زندگی گزاری اس عرصہ حیات میں آپ ﷺ نے اخلاق و کردار کی ایسی اعلیٰ مثالیں قائم کیں کہ وہ آپ کو صادق اور امین کے لقب سے پکارتے تھے۔ اسی امانت وسچائی سے متاثر ہو کر حضرت خدیجہؓ نے آپ سے شادی کی۔ کوہ صفا پر کھڑے ہو کر جب اہل مکہ کو پکارا اور اُن کے آنے پر یہ فرمایا کہ اگر میں تمہیں کہوں کہ اس پہاڑ کی دوسری طرف سے ایک لشکر تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری بات مان جاؤ گے تو سب نے

یک زبان ہو کر کہا ''ہاں'' کیونکہ آپ نے کبھی جھوٹ نہ بولا۔ آپ ﷺ کے سب سے بڑے دشمن ابو جہل عمرو بن ہشام نے کہا تھا اے محمد میں تمھیں جھوٹا نہیں کہتا لیکن میں تمہاری تعلیمات کو تسلیم نہیں کرتا قرآن مجید نے اہل مکہ کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو بطور دلیل پیش کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ (سورۃ یونس 16:) ''میں نے اس سے قبل تمہارے درمیان میں عمر گزاری ہے کیا تم اس پر غور وفکر نہیں کرتے۔''

رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا اس پر عمل کر کے دکھایا مخالفین کی کوئی دھمکی یا لالچ ترغیب آپ کو راہ حق سے نہ ہٹا سکی۔ قریش کی طرف سے مال و دولت، بادشاہت اور خوبرو عورت سے شادی کی پیش کشوں کو ٹھکراتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دو تب بھی میں تبلیغ دین اور اقامت دین کے فریضہ سے باز نہ آؤں گا۔

2-دعوت دین: نبی کریم ﷺ نے اقامت دین کے فریضہ کی ادائیگی کے لیے دعوت دین کے احکام لوگوں تک پہنچائے۔ سب سے پہلے آپ ﷺ نے اپنے رشتہ داروں پھر تمام قریش کو حتیٰ کہ صلح حدیبیہ کے بعد دُنیا کے حکمرانوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی حج پر آنے والے لوگوں سے ملتے اور انھیں اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچاتے۔ آپ تبلیغ کے لیے انتہائی آسان انداز اختیار کرتے۔ لوگوں کی طرف سے کیے گئے اعتراضات کا عام فہم انداز میں جواب دیتے۔ اُن کی سختیوں پر صبر وتحمل کا مظاہرہ فرماتے۔

3-تعلیم و تربیت: رسول کریم حضرت محمد ﷺ نے اقامت دین کے سلسلے میں اُن تمام لوگوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی جو آپ ﷺ پر ایمان لائے۔ آپ کی اس تعلیم و تربیت کے اثرات کی وجہ سے حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ جیسے عظیم اصحاب پیدا ہوئے۔ انہی تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ حضرت عائشہؓ، عبداللہ بن مسعود، ابوموسیٰ اشعری، اُبی بن کعب، زید بن ثابت اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم جیسے قانون دان پیدا ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ تعلیم و تربیت نے اُن لوگوں میں ایسی دینی و روحانی تبدیلی پیدا کی کہ وہ بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے رہنما بن گئے۔

4-دلجوئی: نبی کریم ﷺ اقامت دین کے لیے غیر مسلموں اور نئے مسلمانوں کی دلجوئی فرماتے، اُن کی مالی ضروریات کی تکمیل فرماتے نیز آپ ﷺ ان پر احسانات فرماتے، ایک شخص کو آپ ﷺ نے بکریوں کا اتنا بڑا ریوڑ دیا کہ اس نے جا کر اپنے قبیلہ کے لوگوں

سے کہا: اَسْلِمُوْا فَاِنَّ مُحَمَّدًا يُعْطِیْ عَطَاءً مَنْ لَا يَخْشَى الْفَقْرَ ''اسلام قبول کر لو کیونکہ محمد ﷺ اُس آدمی کی طرح دیتے ہیں جسے غریبی کا کوئی خوف نہیں ہے'' فتح مکہ کے موقع پر کفار مکہ سے انتقام لینے کی بجائے اُن کو معاف کر دیا اور ابوسفیان کی دلجوئی کے لیے اُس کے گھر کو دارالامن قرار دیا۔ غزوہ حنین کے مال غنیمت کا اکثر حصہ نومسلم اہل مکہ میں تقسیم کر دیا۔

5-مساوات کا عملی مظاہرہ: رسول اللہ ﷺ نے زندگی کے ہر شعبے میں مساوات کا عملی مظاہرہ پیش کیا تاکہ اقامت دین کا عملی نفاذ ہو سکے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام قسم کے رنگ نسل، وطن اور زبان کی بنیاد پر قائم ہونے والی عصبیتوں اور امتیازات کا خاتمہ فرمایا۔ اپنی پھوپھی زاد بہن کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہؓ سے کروا دیا اور اپنی وفات سے قبل حضرت زید بن حارثہؓ کے بیٹے حضرت اُسامہؓ کو ایک لشکر کا سپہ سالار مقرر فرمایا۔ حضرت بلال حبشیؓ کو امور مالیات کا مہتمم مقرر کیا۔ ہجرت مدینہ کے بعد مدینہ کے غریب ترین آدمی حضرت ابوایوب انصاری کے گھر قیام فرمایا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے فرمایا کسی عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر، کالے کو گورے پر یا گورے کو کالے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں البتہ فضیلت کا معیار تقویٰ ہے۔ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کے درمیان بیٹھتے تو کوئی امتیازی نشست اپنے لیے نہ بناتے اجتماعی کام میں دوسرے صحابہ کے ساتھ برابر کا حصہ لیتے۔ جیسا کہ غزوہ خندق کی کھدائی کا کام، غزوات میں شرکت وغیرہ۔

6-اُخوت: رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم و تربیت سے جن افراد کی کردار سازی کی اُن کو اسلامی اخوت کی لڑی میں پرو دیا جس کی وجہ سے تمام اہل اسلام ایک منظم معاشرے کی شکل میں رہنے لگے۔ یہ رشتہ اُخوت دوسرے تمام رشتوں اور تعلقات سے زیادہ فائدہ مند رہا۔ اس رشتے کی وجہ سے تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی بن گئے جس کی نشاندہی قرآن مجید نے یوں فرمائی: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (سورۃ الحجرات: 10) ''مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

اسی رشتہ اخوت کو مضبوط کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اُس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی مصیبت کے وقت اُسے چھوڑتا ہے۔'' بعض مہاجرین مکہ کی آبادکاری کے لیے نبی کریم ﷺ نے مہاجرین اور انصار مدینہ کے درمیان رشتہ مواخات پیدا کر دیا۔ جس سے اُن کے معاشرتی و معاشی مسائل حل ہوئے اور سب مل کر اقامت دین کے فریضہ کی تکمیل کے لیے کوشاں ہو گئے۔

7-اسلامی ریاست کا قیام: رسول کریم ﷺ کو جب یقین ہو گیا کہ مکہ کی سرزمین میں اقامت دین کے عملی نفاذ میں رکاوٹ پیش آ رہی ہے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی اور وہاں انصار و مہاجرین اور مدینہ کے تین یہودی قبائل سے معاہدہ کر کے ایک اسلامی ریاست قائم کی جس میں معاہدے کے تمام شرکاء نے بالاتفاق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا سردار اور ثالث تسلیم کرلیا۔ اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ منورہ میں اقامت دین کا بھرپور موقع ملا۔ تمام اسلامی احکام کا عملی نفاذ کیا، اہل کتاب کو دعوت دین دی، کفار کے ساتھ جنگیں لڑیں اور غیر مسلم حکمرانوں کو خطوط لکھ کر دعوت اسلام کا فریضہ بھی سرانجام دیا۔

8-جہاد: مکی دور میں نبی کریم ﷺ کو اور اہل ایمان کو کفار کی طرف سے پہنچائی جانے والی تکالیف پر صبر اور برداشت کا حکم دیا۔ ہجرت مدینہ کے بعد جب کفار مکہ نے مسلمانوں پر جنگ مسلط کی تو اُس وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کفار کے ساتھ جنگ کرنے کو فرض قرار دیا اور فرمایا: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ (سورۃ البقرۃ: ۲۱۶) تم پر کافروں کے ساتھ جنگ کرنا فرض کر دیا گیا ہے حالانکہ وہ تمہیں ناپسند ہے۔"

اس حکم کے بعد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحابؓ نے اقامت دین کی راہ میں بننے والی رکاوٹوں کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔ یہ جہاد اقدامی اور دفاعی ہر دو نوعیتوں کے تھے۔ غزوہ بدر، غزوہ اُحد اور غزوہ خندق میں دفاعی جہاد کیا گیا جبکہ غزوہ خیبر، فتح مکہ، غزوہ حنین اور غزوہ تبوک اقدامی جہاد کی عملی صورتیں تھیں۔ ان تمام غزوات میں نبی کریم ﷺ نے اخلاقی اصول اور اقدار کی پاسداری کا ایسا عمدہ مظاہرہ کیا کہ دنیا جس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

معروضی سوالات

سوال نمبر 1: درج ذیل میں ہر سوال کے ساتھ اس کے چار ممکنہ جوابات دیئے گئے ہیں، ان میں سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے۔

1- لوگوں کی اکثریت کو کہا جاتا ہے۔

(a) جمہور ✓ (b) اجلاس (c) جرگہ (d) گولی

2- جمہوریت میں اقتدار کے مالک ہوتے ہیں۔

(a) افواج (b) عوام ✓ (c) بیوروکریسی (d) تاجر

3- اسلامی عدالت کی نگاہ میں بادشاہ و گدا کا مقام ہے۔
(a) الگ الگ (b) یکساں ✓ (c) گھٹیا (d) عظیم

4- غزوہ احزاب کے موقع پر مدینہ منورہ کے اردگرد خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔
(a) حضرت عمر فاروقؓ نے (b) حضرت صہیب رومیؓ نے
(c) حضرت بلال حبشیؓ نے (d) حضرت سلمان فارسیؓ نے ✓

5- اعلان نبوت کے بعد حضورﷺ نے مکہ مکرمہ میں تبلیغ فرمائی
(a) 9 سال (b) 10 سال (c) 13 سال ✓ (d) 15 سال

6- ''مشورہ کے بغیر خلافت نہیں چل سکتی'' یہ قول ہے۔
(a) حضرت ابوبکرؓ کا (b) حضرت عمرؓ کا ✓ (c) حضرت عثمانؓ کا (d) حضرت علیؓ کا

7- حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حضورﷺ کی موجودگی میں مسلمانوں کی باجماعت امامت کا شرف حاصل ہوا۔ (a) 2 مرتبہ (b) 5 مرتبہ (c) 12 مرتبہ (d) 17 مرتبہ ✓

8- حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے قبل آئندہ خلیفہ کے لیے جلیل القدر اصحاب کی کمیٹی بنائی جن کی تعداد تھی۔
(a) 4 (b) 5 (c) 6 ✓ (d) 8

9- حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خلافت کے لیے انتخاب ہوا۔
(a) خفیہ (b) طائف میں (c) مجمع عام میں ✓ (d) نجران میں

10- ہجرت مدینہ کے بعد مدینہ منورہ میں آپﷺ نے جس صحابی کے گھر قیام فرمایا وہ تھے۔
(a) حضرت حسانؓ بن ثابت (b) حضرت معاذؓ
(c) حضرت ابی بن کعبؓ (d) حضرت ابو ایوب انصاری ✓

سوال نمبر:2 درج ذیل میں سے درست کے سامنے (✓) کا اور غلط کے سامنے (X) کا نشان لگائیے۔

1- اسلامی سیاسی نظام میں اقتدار اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاصل ہے۔ ✓
2- اسلامی جمہوریت میں خلیفہ کی حیثیت ڈکٹیٹر کی ہوتی ہے۔ X
3- اسلامی عدالت میں بادشاہ و گدا کا مقام یکساں ہے۔ ✓
4- اسلامی جمہوریت میں حکمران طبقہ کو مکمل اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ X
5- اسلام میں خلیفہ کسی سے مشورہ کرنے کا پابند نہیں ہوتا۔ X

6- حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتخاب ایک مجمع عام میں ہوا۔ ✓
7- حضورﷺ نے اقامت دین کے لیے مکہ میں تیرہ برس گزارے۔ ✓
8- غزوۂ حنین کے مال غنیمت کا اکثر حصہ انصار مدینہ کو دیا گیا۔ X
9- غزوہ بدر اقدامی جہاد کی صورت تھی۔ X
10- غزوہ تبوک دفاعی جہاد تھا۔ X

سوال نمبر3: درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجئے۔

س : اقتدار اعلیٰ سے کیا مراد ہے؟
ج : اقتدار اعلیٰ سے مراد کسی ریاست کا سب سے برتر اور اعلیٰ اختیار ہونا ہے۔ جس کے باعث ریاست کو اپنے باشندوں اور اداروں پر برتری اور لامحدود اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔

س : لغوی اعتبار سے جمہوریت سے کیا مراد ہے؟
ج : لغوی اعتبار سے جمہوریت سے مراد ایسی حکومت ہوتی ہے جس میں اقتدار کے مالک عوام ہوتے ہیں۔

س : اسلامی ریاست میں نئے پیش آمدہ مسائل کو کیسے حل کیا جاتا ہے؟
ج : اسلامی ریاست میں نئے پیش آمدہ مسائل کا حل ''اہل الرائے'' کی باہم مشاورت سے پیش کیا جاتا ہے۔

س : کیا اسلامی جمہوریت میں حکمران طبقہ کو مکمل اختیارات حاصل ہوتے ہیں؟
ج : اسلامی جمہوریت میں حکمران طبقے کو مکمل اختیارات حاصل نہیں ہوتے بلکہ وہ بھی اسلامی اصولوں کے پابند ہوتے ہیں۔

س : شورائیت سے کیا مراد ہے؟
ج : اسلامی ریاست میں ملکی نظام چلانے، قانون سازی کرنے وغیرہ کے لیے اہل الرائے سے مشورہ کرنے کو شوریٰ یا شورائیت کہا جاتا ہے۔

س : غزوۂ احزاب کے موقع پر مدینہ منورہ کے اردگرد خندق کھودنے کا مشورہ کس صحابی نے دیا؟
ج : غزوۂ احزاب کے موقع پر مدینہ منورہ کے اردگرد خندق کھودنے کا مشورہ حضرت سلمان فارسیؓ نے دیا تھا۔

س : اقامتِ دین سے کیا مراد ہے؟
ج : اقامتِ دین سے مراد، دین اسلام کا عملی شکل میں نفاذ کرنا ہے۔
س : دعوتِ دین کے فریضہ سے روکنے کے لیے قریش نے آپ ﷺ کو کیا ترغیبات دیں؟
ج : قریش مکہ کی طرف سے آپ ﷺ کو تبلیغ دین سے روکنے کے لیے مال و دولت، بادشاہت اور خوبرو عورت سے شادی کی پیش کی گئی۔
س : حضور ﷺ نے قریش کی پیش کشوں کے جواب میں کیا فرمایا؟
ج : آپ ﷺ نے قریش کی پیش کشوں کو ٹھکراتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دو تب بھی میں تبلیغِ دین اور اقامت دین کے فریضہ سے باز نہ آؤں گا۔
س : اقامت دین کی خاطر آپ ﷺ غیر مسلموں کے ساتھ کیا سلوک فرمایا کرتے تھے؟
ج : اقامت دین کے لیے آپ ﷺ غیر مسلموں اور نئے مسلمانوں کی دلجوئی فرماتے تھے، ان کی مالی ضروریات کی تکمیل فرماتے تھے نیز ان پر احسانات فرماتے تھے۔

۱۰- اسلام کا معاشرتی نظام

- اسلامی معاشرے میں عائلی نظام
(خاندانی نظام کی اہمیت خاوند، بیوی اور اولاد کے حقوق و فرائض)
- اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام و کردار

اسلام کا معاشرتی نظام

مُعاشَرہ عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کا لغوی معنی باہم مل جُل کر زندگی گزارنا ہے۔ چونکہ معاشرے کا کوئی بھی فردتن تنہا اپنے تمام کام خود سرانجام نہیں دے سکتا اس لئے یہ بات ناگزیر تھی کہ لوگوں کو اُن کی زندگیاں آسان بنانے کے لئے ایک معاشرتی نظام میں منسلک کردیا جائے ۔ چنانچہ دین اِسلام نے اپنے ماننے والوں کو ایک نہایت پاکیزہ، خوبصورت اور مربوط معاشرتی نظام عطاء کیا ہے جسے ہم عائلی نظام یا اسلامی معاشرہ کہتے ہیں ۔اس کی اسلامی تشکیل کے لئے حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی ادائیگی ضروری ہے اس کے بغیر معاشرہ ''اسلامی معاشرہ'' کہلانے کا حق دار نہیں ہوسکتا۔

معاشرتی حسن و بقا: انسانی معاشرہ افراد سے ملکر بنتا ہے جس میں حسن اور توازن ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے سے پیدا ہوتا ہے اگر لوگ اپنے فرائض ادا نہ کریں تو یہ معاشرہ جنگل کا سا ہو جائے گا جس میں ہر کمزور اور بے بس دوسرے کے ظلم وستم کا شکار ہو کر رہ جائے گا۔ جب تک حقوق العباد پورے پورے ادا نہ کئے جائیں۔ دین کے تقاضوں کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ ہمیں اپنے گھر، گلی ، محلے سے لیکر قصبے شہر اور پورے ملک حتیٰ کہ تمام روئے زمین پر عام انسانوں کے حقوق کا خیال رکھنا ہوگا۔ بقول علامہ اقبال :۔

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

واقعہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ مسجد نبوی ﷺ میں بسلسلہ اعتکاف تشریف فرماتے کہ آپؓ نے ایک شخص کی آہ و پکار کو سنا اور پتہ کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ شخص مقروض ہے اور کوشش کے باوجود ادائیگی نہیں کرسکتا آپؓ اعتکاف کو چھوڑ کر اپنے گھر گئے اور اس شخص کو مطلوبہ رقم لاکر دے دی اس شخص نے حیرانگی سے آپؓ کے اعتکاف کو توڑنے کے بارے میں پریشانی ظاہر کی تو آپؓ نے روضہ رسول ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا : اس ''صاحب قبر ﷺ'' کا یہ قول مجھے یاد ہے کہ ''جس نے کسی مصیبت زدہ بھائی کی مدد کی

اسے دس اعتکاف کے برابر ثواب ملے گا۔"

اسلامی معاشرہ میں حقوق العباد کی فہرست تو بڑی طویل ہے لیکن ہم یہاں پر اختصار کے ساتھ والدین کے حقوق وفرائض اور اولاد کے حقوق وفرائض نیز زوجین (میاں بیوی) کے حقوق وفرائض کے متعلق تفصیل بیان کریں گے :۔

1۔ والدین کے حقوق کی اہمیت: اللہ تعالیٰ کی ذات کے بعد ہر انسان پر جن ہستیوں کا زیادہ احسان ہوتا ہے ان میں والدین (ماں، باپ) سرفہرست ہیں۔ وہ کسی بچے کو دنیا میں لانے کا سبب بنتے ہیں اور پھر ساری زندگی اپنا سکون مال واسباب اور توانائیاں بچے کی زندگی آسان، محفوظ اور خوشیوں سے بھرنے کے لئے خرچ کردیتے ہیں۔ اسی لئے دین اسلام میں دنیا کے ہر مذہب کی طرح والدین کے حقوق پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔

اہمیت ازروئے قرآن: 1- وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَانًا (سورۃ الاحقاف:15)

ترجمہ: " اور ہم نے انسان کو وصیت کی اپنے والدین کے ساتھ احسان (بھلائی) کی۔" 2-تمہارے رب کا حکم ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور ماں باپ سے احسان کرو۔ 3۔ان کے سامنے نرمی اور رحم سے عاجزی کے ساتھ کندھے جھکائے رکھو۔ 4۔انہیں اُف بھی نہ کہو، انہیں نہ جھڑکو اور نرمی سے بات کرو۔ 5۔ دعا کرو! اے پروردگار تو ان پر رحم کر جس طرح انہوں نے بچپن میں میری پرورش کرتے ہوئے مجھ پر رحم کیا۔

اہمیت ازروئے حدیث: 1- اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ ترجمہ: جنت ماؤوں کے قدموں کے نیچے ہے۔ 2۔ جو شخص اپنے والدین سے بے رخی کرتا ہے وہ ناشکرا ہے۔ 3۔حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل زیادہ پسند ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! وقت پر نماز پڑھنا، میں نے پوچھا پھر کون سا عمل تو فرمایا! ماں باپ سے نیکی کرنا۔ 4۔ وہ شخص ہلاک ہوا جس نے اپنے والدین میں سے دونوں یا ایک کو بڑھاپے کی عمر میں پایا اور ان کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہ ہوا۔ 5۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ والدین کے چہرے پر محبت کی نظر ڈالنے والے کو ایک مقبول حج کا ثواب ملتا ہے پوچھا گیا اگر کوئی شخص دن میں سو مرتبہ انہیں دیکھے تو ارشاد فرمایا: "سو دفعہ حج کا ثواب ملے گا۔"

والدین کے حقوق/فرائض

1۔ حسن سلوک: اسلام نے والدین سے حسن سلوک کی بڑی تاکید کی ہے "تمھارے رب کا حکم ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔"

حدیث نبوی ﷺ: " اللہ تعالیٰ کے ہاں نماز کے بعد والدین سے حسن سلوک سب

سے پسندیدہ عمل ہے۔" حضرت یوسفؑ نے مصر کی بادشاہت ملنے پر والدین کو تمام اہل و عیال کے ساتھ بلا کر حسن سلوک کی ایک نادر مثال قائم کی۔

2۔فرماں برداری: اسلام نے والدین کے احکام و مشوروں کو اگر وہ اللہ کی نافرمانی میں نہیں تو ماننے کی بہت زیادہ تاکید کی ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ اسلام کا قول قرآن میں آیا ہے۔"ابا جان آپ کو جو حکم ملا ہے اسے پورا کریں آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔" (سورۃ الصافات: 102) نبی پاکﷺ نے فرمایا: اگر والدین تمہیں اہل خانہ اور دنیا سے نکل جانے کو کہیں تو بھی ان کی نافرمانی نہ کرو۔

3۔ادب واحترام: والدین کے حقوق میں ان کا ادب و احترام بہت اہمیت کا حامل ہے تاکہ کسی بھی طرح ان کے جذبات، واحساسات کو مجروح نہ ہونے دیا جائے۔ ارشاد الٰہی ہے: "اور ان کو اف تک نہ کہو، ان کو نہ جھڑکو اور ان سے ادب کے ساتھ گفتگو کرو۔" ارشاد نبویﷺ کے مطابق "والدین کی رضا میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور ان کی ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی ہے۔" امام غزالیؒ کا قول ہے۔ اگر والدین کسی مشتبہ چیز کا حکم دیں تو بھی اس کا ماننا واجب ہوگا۔ کیونکہ شبہ کی وجہ سے والدین کی اطاعت کا حتمی حکم ٹل نہیں سکتا۔

4۔مالی امداد: والدین کی خدمت کے ساتھ ساتھ ان کی مالی امداد کا بھی قرآن نے واضح حکم دیا ہے۔"اے نبیﷺ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ مال کہاں خرچ کریں کہہ دیجیے جو مال خرچ کرنا چاہو تو اس کے بہتر حقدار ماں باپ ہیں۔" ایک شخص نے آپﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ میں اپنے فلاں بیٹے کو ایک غلام تحفہ دینا چاہتا ہوں آپﷺ اس پر گواہ بن جائیں۔ آپﷺ نے پوچھا کیا تیری اور بھی اولاد ہے اور انہیں بھی ایسا تحفہ دیا ہے اس نے عرض کی میرے پاس ایک ہی غلام ہے اور میں ایک ہی بیٹے کو دینا چاہتا ہوں۔ آپﷺ نے فرمایا: میں اس ظلم پر گواہ نہیں بنوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے والدین کے ورثے میں لڑکوں کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کا حصہ بھی متعین کر دیا ہے۔ جس کا ادا نہ کرنا ظلم اور ناانصافی ہے۔ آپﷺ نے فرمایا کہ اگر تم گھر میں کچھ پھل لاؤ تو اس کی تقسیم لڑکیوں سے شروع کرو۔

اولاد کے حقوق /والدین کے فرائض

1۔شفقت و رحمت: اولاد کے حقوق میں ان کے ساتھ شفقت اور رحمت کا برتاؤ کرنا نہایت اہم ہے جس کی وجہ سے بچوں کے اندر خود اعتمادی اور حوصلہ جیسی صفات پیدا ہوتی ہیں اور وہ نفرت اور احساس محرومی سے محفوظ رہتے ہیں۔ ہمارے آقا حضرت محمدﷺ نے

فرمایا: ”جو ہمارے بڑوں کی عزت نہیں کرتا اور ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔“ آپ ﷺ نے ایک سخت دل سردار اقرع بن حابس ؓ کے سوال پر ارشاد فرمایا! اگر تیرے دل میں سے محبت اور شفقت کا چشمہ خشک ہو چکا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں (اس دوران آپ اپنے نواسے حضرت امام حسین ؓ کو چوم رہے تھے) نماز کے دوران اکثر آپ ﷺ کی نواسی حضرت امامہ ؓ آپ ﷺ کے کندھوں پر سوار ہو جاتی تو آپ ﷺ سجدے کو طویل کر دیتے۔ سفر سے واپسی پر مدینہ کی گلیوں سے گزرتے ہوئے بچے دوڑ دوڑ کر آپ سے لپٹتے آپ ﷺ خوشی خوشی انہیں پیار کرتے اور اکثر کسی نہ کسی کو اپنی سواری پر اپنے ساتھ سوار کر لیتے۔ جامع ترمذی میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے کہ حضرت حسن ؓ اور حضرت حسین ؓ گرتے پڑتے آئے۔ حضور ﷺ نے خطبہ چھوڑ کر انہیں اٹھایا اور اٹھائے اٹھائے باقی خطبہ مکمل کیا۔

2- نکاح: اولاد کی پرورش اور تعلیم وتربیت کے بعد جوان ہونے پر مناسب رشتہ تلاش کر کے ان کا نکاح کرنا بھی والدین کے لئے اہم فریضہ ہے ارشاد نبوی ﷺ ہے: تین چیزوں میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ نماز میں جب اس کا وقت ہو جائے۔ جنازے میں جب وہ حاضر ہو، اور لڑکی کی شادی میں جب اس کا مناسب رشتہ مل جائے۔ اولاد کے نکاح کرنے میں ان کی رضامندی کو اسلام نے بہت اہم قرار دیا ہے تاکہ وہ خوشی خوشی آنے والی ذمہ داریاں اٹھانے کے لئے راضی ہو جائیں۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:۔ عورت خواہ بیوہ یا کنواری اس کا نکاح اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اس کی رضامندی نہ ہو جائے اور کنواری لڑکی کی رضامندی خاموشی میں ہے۔ شادی بیاہ کے معاملات میں والدین کی رہنمائی اور تجربہ کے ساتھ ساتھ اولاد سے مشورہ مفید نتائج لاتا ہے۔

3۔ وراثت: والدین کی وراثت کی صورت میں اسلام میں وراثتی قوانین میں لڑکے اور لڑکی کا حصہ مقرر کر دیا گیا ہے بلکہ جہاں تک کہ اس کی ادائیگی کا حکم ہے اس کے متعلق فرمایا کہ ”یتیم کا مال کھانے والا اپنے پیٹ میں سوائے آگ کے کچھ نہیں بھرتا۔“

4۔ دعا: والدین کے فرائض میں شامل ہے کہ ”وہ اپنی اولاد کی صحت، اچھی تعلیم اور دنیاوی واخروی کامیابی کے لئے بھی دعا مانگیں۔“ مثل مشہور ہے: ماں کی دعا جنت کی ہوا۔

واقعہ: ایک عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور اس کے ساتھ اس کی دو لڑکیاں بھی تھیں۔ دست سوال دراز کیا اس وقت آنحضرت ﷺ کے گھر کھانے کے لئے سوائے ایک کھجور کے کچھ بھی نہ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہی کھجور اس کو دے دی۔ اس عورت نے اسے دو حصوں میں تقسیم کیا اور دونوں لڑکیوں کو دے کر خود بھوکی

رہی۔ بعد میں آپ ﷺ کو یہ بات بتلائی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر یہ عورت اسی طرح اپنی لڑکیوں کی پرورش کرتی رہی یہاں تک وہ جوان ہو کر اپنے نکاح کو پہنچ گئیں تو اس عورت کے لئے ان لڑکیوں کی پرورش کرنا قیامت کے روز اس کے اور جہنم کے درمیان پردہ بن جائے گا۔"

5۔ ختنہ و عقیقہ: بچے کی پیدائش پر اسے نہلا دھلا کر اس کے دائیں کان میں فجر کی اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنے کے بعد برکت کی دعا مانگنا والدین کے لئے ضروری ہے۔ مسنون طریقہ یہ ہے ساتویں روز خوشی کے اظہار کے لئے عقیقہ کیا جائے۔ جس میں لڑکا ہو تو دو عدد اور لڑکی ہو تو ایک بکرا ذبح کر کے اعزہ واقرباء کی دعوت کی جائے اور نومولود کا اچھا نام رکھا جائے اور سر کے بال اتار کر اس کے برابر مقدار میں چاندی خیرات کی جائے اور ختنہ کروایا جائے اور اس کا اچھا نام رکھا جائے آپ ﷺ نے عبداللہ اور عبدالرحمٰن کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نام قرار دیا۔

حُقوقِ زَوْجَیْن

تعارف: زوجین زَوج کا تثنیہ ہے جس کے لغوی معنی جوڑے کے ہیں اور اصطلاحاً اس سے مراد میاں بیوی ہیں۔ اسلام نے مثالی معاشرہ کے لئے نکاح کو بنیادی حیثیت دی ہے کیونکہ معاشرہ کی بنیادی اکائی خاندان ہے جو ایک مرد اور ایک عورت کے باہم شادی کر لینے سے وجود میں آتا ہے۔ اسلام نے میاں اور بیوی کے دائرہ عمل کو متعین کرتے ہوئے دونوں کے ایک دوسرے پر حقوق و فرائض کو بیان کر دیا ہے۔ تاکہ دونوں مل کر نسل انسانی کی بقاء کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر گھر کو جنت نظیر بنا سکیں۔

شوہر کے حقوق یا بیوی کے فرائض

1۔ اطاعت و فرمانبرداری: بیوی پر لازم ہے کہ وہ اپنے خاوند کی اطاعت و فرمانبرداری کرے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے! فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ (سورۃ النساء: ۳۴) "یعنی نیک بیویاں وہ ہیں جو اپنے شوہروں کی تابع فرماں ہوتی ہیں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:۔ اگر بیوی اس حالت میں مرے کہ اس کا خاوند اس سے راضی تھا تو وہ جنت میں جائے گی۔ ایک اور حدیث میں تو آپ ﷺ نے یہاں تک فرما دیا کہ: اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔

2۔ تحفّظ عصمت: بیوی کا اہم ترین فرض ہے کہ وہ اپنے شوہر کی عدم موجودگی میں اس کے عزت و مال کی محافظ ہو۔ ارشاد ربانی ہے: حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ (سورۃ

النساء-34) ترجمہ: نیک بیویاں اپنے خاوند کی عدم موجودگی میں اس کے مال وعزت کی حفاظت کرتی ہیں۔ جن کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بہترین عورت وہ ہے جب اس کا خاوند غائب ہو تو اپنے نفس کی حفاظت کرے۔'' خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: ''خاوند کا اپنی بیوی پر یہ حق ہے کہ وہ بستر کو کسی دوسرے مرد سے پامال نہ ہونے دے۔''

3- محبت و وابستگی: شوہر کا بیوی پر یہ حق ہے کہ وہ اس سے محبت کرنے والی اور اسی کے ساتھ وابستگی رکھنے والی ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بہترین عورت وہ ہے جو اپنے شوہر کو ایک نظر میں خوش کر دے۔ معاشرے کے حسن و توازن کیلئے ضروری ہے کہ میاں بیوی کی باہم محبت اور وابستگی یک جان دو قالب کی مانند ہو، تاکہ مکمل یکسوئی سے وہ آنے والی نسل کی تعلیم و تربیت کر سکیں۔ بیوی کا شوہر سے اظہار محبت عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔

4- شکر گزاری: بیوی کے ذمہ یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ گھریلو زندگی میں اتار چڑھاؤ اور چھوٹی چھوٹی خواہشات کے پورا نہ ہونے پر شکوہ و شکایت نہ کرنے لگ جائے۔ آپ ﷺ نے معراج کی رات مردوں کی نسبت عورتوں کو زیادہ جہنم میں عذاب میں مبتلا دیکھا وجہ پوچھنے پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم لعنت زیادہ کرتی ہو اور اپنے شوہروں کی ناشکری کرتی ہو۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: خاوند اگر عمر بھر خدمت کرتا رہے لیکن کسی وجہ سے بیوی کا ایک ہی مطالبہ پورا نہ کر سکے تو بیوی عمر بھر کے کیے کرائے پر پانی پھیر دیتی ہے اور کہتی ہے میں نے تم سے کبھی کوئی بھلائی نہیں پائی۔

5- آرائش و زیبائش: جسم و لباس کی آرائش و زیبائش جہاں ایک عورت کا فطرتی حق ہے وہاں اسلام نے بیوی کو اپنے شوہر کے لئے آرائش و زیبائش اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے: اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ وَّیُحِبُّ الْجَمَالَ ترجمہ: بے شک اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بہترین بیوی وہ ہے کہ جسے جب شوہر دیکھے تو خوش ہو جائے۔'' جب ایک بیوی اپنے آپ کو بچوں کو، اور اپنے گھر کو صاف ستھرا رکھے گی تو شوہر کے دل و دماغ میں ہمیشہ اپنا گھر ہی رہے گا اور اس کے قدم کسی اور جانب نہیں بھٹکیں گے۔

6۔ طلاق کا حق: اسلام میں میاں بیوی کے رشتے کو نکاح کے ذریعے عبادت قرار دیا گیا ہے لیکن ان کے خیالات و عادات ایک دوسرے سے اس حد تک متضاد ہو جائیں کہ مزید اکٹھے رہنا ناممکن ہو جائے تو ایک دوسرے کے ساتھ ظالمانہ رویہ اختیار کرنے سے بہتر ہے کہ معروف طریقے سے علیحدگی اختیار کر لیں۔ اگر چہ ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق حلال اور

جائز کاموں میں سے طلاق اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ فعل ہے۔ لیکن شوہر بحالت مجبوری، حالات کے نہ سدھرنے کی صورت میں اپنا یہ حق استعمال کرسکتا ہے۔

7۔ شوہر کے رشتہ داروں سے حسن سلوک: بیوی کے فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ اپنے اخلاق سے سسرالی رشتہ داروں کو اپنا ہمنوا بنا لے۔ ایسے رویّے سے لڑائی جھگڑے ختم ہو جائیں گے اور گھر جنت کا نمونہ بن جائے گا۔

بیوی کے حقوق یا شوہر کے فرائض

1۔ حسن سلوک: شوہر کا پہلا فرض یہ ہے کہ اپنی بیوی کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آئے تا کہ گھر جنت کا نمونہ بن جائے ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (سورۃ النساء: 19) ترجمہ: اور تمہیں اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک سے زندگی بسر کرنی چاہیے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کا فرمان ہے: خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهٖ، ترجمہ: ''تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے حق میں بہتر ہے۔'' مزید فرمایا: خاوند پر فرض ہے کہ جب خود کوئی چیز کھائے تو بیوی کو حصہ دے اور جب خود کوئی لباس پہنے تو اسے بھی پہنائے اور نہ اسکے منہ پر تھپڑ مارے اور نہ اس کو گالی دے۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا: اے لوگو! عورتوں کے حقوق کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

2۔ حق مہر: مرد کا یہ فرض ہے کہ وہ عورت کا حق مہر ادا کرے۔ قرآن میں ارشاد ہے: اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے ادا کرو۔ ہاں وہ اگر اپنی خوشی سے اس میں سے تمہیں کچھ چھوڑ دیں تو خوش دلی سے کھا لیا کرو۔ حضور ﷺ نے فرمایا: جن شرطوں کو تم پورا کرتے ہو ان میں سے سب سے زیادہ ضروری اس کو پورا کرنا ہے جس کی وجہ سے تم نے عورتوں کی ناموس کو اپنے لئے حلال کیا ہے۔'' جس نے مہر کے عوض کسی عورت سے نکاح کیا اور نیت یہ رکھی کہ وہ اسے ادا نہ کرے گا تو وہ زانی ہے۔''

3۔ نان ونفقہ: نان ونفقہ سے مراد شوہر کا اپنی بیوی کو گھر، لباس اور خوراک کا مہیا کرنا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ (سورۃ البقرۃ:236) ترجمہ: مال دار پر اس کی طاقت کے مطابق ذمہ داری ہے اور مفلس پر اس کی حیثیت کے مطابق۔

2. اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ (سورۃ النساء:34) ترجمہ: مرد عورتوں پر نگہبان ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو بعض لوگوں پر فضیلت دی ہے اور اس لئے بھی کہ وہ اپنے مالوں میں

سے خرچ کرتے ہیں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: انسان کے اعمال کے پلڑے میں جو چیز سب سے پہلے رکھی جائے وہ اس کا اپنے کنبہ پر خرچ کیا ہوا مال ہے۔ اگر مرد اس فرض کو ادا کرنے سے کوتاہی برتے تو عورت عدالت کے ذریعے بھی اپنا حق لے سکتی ہے۔ کسی شخص کے پوچھنے پر آپ ﷺ نے فرمایا: عورت کا یہ حق ہے جیسا خود کھاتے ہو ویسا ہی اسے کھلاؤ اور جیسا خود پہنو ویسا ہی اسے پہناؤ۔

4- عدل ومساوات: شوہر کے فرائض میں یہ بات شامل ہے کہ وہ اپنی ایک یا اگر ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو انکے درمیان عدل و انصاف سے کام لے۔ اور اگر وہ اپنے اندر یہ اہلیت نہیں پاتا تو ایک ہی بیوی پر اکتفا کرے۔ ارشاد الٰہی ہے: فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (سورۃ النساء:3) ترجمہ: ''اور عورتوں میں سے تمہیں جو پسندیدہ ہوں دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کرو اور اگر تمہیں خوف ہو کہ عدل نہ کرسکو گے تو ایک کافی ہے۔'' ارشاد نبوی ﷺ ہے: ایسا شخص جس کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں اور اس نے ایک ہی طرف جھک کر دوسری کی حق تلفی کی تو روز قیامت اپنی قبر سے اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ اس کا آدھا جسم گر چکا ہوگا۔ عورت فطرتی طور پر اپنے اور شوہر کے درمیان کسی دوسری ذات کو برداشت کرنے کے لئے بہت کم تیار ہوتی ہے چہ جائیکہ اس کے مقابلے میں اس کا شوہر کسی دوسری عورت کو اس پر ترجیح دے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

5- رازداری: شوہر کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کے راز و نیاز کے معاملات کو پوشیدہ رکھے۔ ازدواجی زندگی گزارتے ہوئے دونوں ایک دوسرے کے کئی نقائص اور غلطیوں سے آگاہ ہوتے ہیں ان کی پردہ پوشی کرنا دونوں پر لازم ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے: ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ [سورۃ البقرۃ:187] ترجمہ: عورتیں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو۔ کیونکہ لباس کا مقصد ہی انسانی جسم کی پردہ پوشی کرنا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: قیامت کے دن بدترین انسان وہ ہوگا جو بیوی کے راز سے باخبر ہو اور اسے افشا کرے۔

6- بیوی کے اقرباء اور سہیلیوں سے حسن سلوک: بیوی کی طرح شوہر پر بھی فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے سسرالیوں، رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے اور ان کے سامنے اپنی بیوی کی تحسین و تعریف کرتا رہے تاکہ بیوی کے رشتہ دار اسے اپنے شوہر کی زیادہ سے زیادہ قدر کرنے کی نصیحت کریں۔ اقرباء کے ساتھ ساتھ بیوی کی

سہیلیوں کے ساتھ بھی مروت و شائستگی سے پیش آئے تاکہ اس کی بیوی کی عزت و احترام اپنی ہم جولیوں کی نظر میں بڑھے۔ حضرت نبی اکرم ﷺ اپنی محبوب زوجہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ کھیلنے والی سہیلیوں کے ساتھ خصوصی شفقت و مروت سے پیش آتے تھے۔

7- خلع کا حق: اسلام نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ بعض ناگزیر حالات مثلاً خاوند کی بد اخلاقی، ایذاء رسانی یا حقوق زوجیت سے محرومی کے صورت میں عدالت سے رجوع کر کے حق مہر واپس لوٹا کر اور باہمی اتفاق رائے سے طے کردہ رقم دے کر خلع کر سکتی ہے۔ آپ ﷺ نے کئی صحابیات کو یہ حق دلایا۔

8- حق وراثت: اسلامی شریعت میں شوہر کی وفات پر بیوی کو اس کے چھوڑے ہوئے مال و اسباب میں سے اگر اولاد ہو تو آٹھواں حصہ اور اگر نہ ہو تو چوتھے حصے کا حق دار ٹھہرایا گیا ہے۔

واقعہ: احادیث کی کتابوں میں متعدد واقعات بیان ہوئے ہیں۔ جن سے حضور ﷺ کا اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کا پتہ چلتا ہے۔ ایک دفعہ ام المومنین حضرت حفصہؓ حضور ﷺ سے کسی بات پر اونچی آواز میں مخاطب ہوئیں تو آپ کے والد گرامی حضرت عمر فاروقؓ انہیں سرزنش کرنے کیلئے دوڑے۔ وہ ڈر کر حضور اکرم ﷺ کے پیچھے چھپ گئیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا عمر رہنے دو ہم دونوں میاں بیوی کا معاملہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے مسکراتے ہوئے حضرت عمرؓ کے اس رویّے سے درگزر کیا۔

اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام و کردار

انسانی معاشرہ اور عورت کا مقام: عورت اور مرد انسانی معاشرے کے ایسے لازمی عناصر ہیں کہ جن کے بغیر انسانیت کا وجود ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کسی ایسے معاشرے کا تصور محال ہے جو تنہا مردوں پر مشتمل ہو اور جس میں عورت کی ضرورت نہ ہو اور نہ ہی اس کے برعکس کوئی تصوّر موجود ہے۔ سماجی، معاشرتی، نفسیاتی اور نسلی ضروریات کیلئے دونوں ایک دوسرے کے یکساں محتاج ہیں۔

قبل از اسلام عورت کا مقام: اسلام سے پہلے مذاہب اور تہذیبوں میں عورت کا انسانی معاشرے کیلئے لازمی عنصر ہونے کے باجود ایسے تصورات پائے جاتے تھے جو بیک وقت مضحکہ خیز بھی تھے اور توہین آمیز بھی۔ اہل یونان ہوں یا اہل ہند عورت کا وجود ان کے نزدیک تمام آفات و مصائب کی جڑ گردانا جاتا اسی طرح قبل از اسلام عربوں کے ہاں بھی عورت کا وجود باعث ذلت و عار تھا۔ عرب کے اس جاہلی معاشرے میں کسی گھر میں لڑکی کا

پیدا ہونا اہل خانہ کیلئے کس طرح باعث حزن و ملال ہوتا اس کی ایک جھلک قرآن کے اس بیان سے ظاہر ہوتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ﴾ [سورۃ النحل: ۵۸-۵۹] جب ان میں سے کسی کو لڑکی (کی پیدائش) کی خبر سنائی جاتی تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا اور وہ غم میں گھلنے لگتا ہے اس خبر کی اذیت سے وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا (اور یہ سوچنے لگتا) کہ آیا اسے ذلت و رسوائی کے ساتھ زندہ رکھے یا مٹی میں دبا دے (یعنی زندہ درگور کر دے)۔

الغرض عموماً عورت انسانی معاشرے میں مظلوم ہی رہی ہے۔ اسلام نے مساوات انسانی کا ایسا درس دیا جس کو کسی زمانے میں بھی جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ اسلام نے بتایا کہ انسان مرد ہو یا عورت سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور اس اعتبار سے دونوں (مرد اور عورت) باعث تکریم ہیں ارشاد ربانی ہے: ﴿وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ ﴾ [سورۃ بنی اسرائیل: ۷۰] ''اور ہم نے اولاد آدم کو بزرگی اور تکریم سے نوازا ہے'' اور ایک جگہ ارشاد فرمایا: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ ''بے شک ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں تخلیق کیا ہے۔''

<u>معیار بزرگی:</u> ان دونوں آیات میں اولاد آدم اور انسان کے الفاظ مرد و عورت دونوں کیلئے ہیں اور اس سلسلے میں مرد اور عورت کے درمیان بزرگی، تکریم و عزت اور بہترین طریقہ تخلیق کے حوالے سے کوئی تفریق نہیں ہے۔

<u>معیار ایمان و عمل:</u> اسلام نے صاف الفاظ میں واضح فرما دیا کہ عزت و تکریم اور سعادت مندی و اجر کا معیار جنس یا صنف نہیں بلکہ تقویٰ، پرہیزگاری اور سیرت و اخلاق ہے۔ سورۃ النحل کی آیت 97 میں ارشاد فرمایا: ''مرد یا عورت جس نے بھی کوئی صالح عمل کیا اور وہ مومن بھی ہو تو ہم اس کو ایک بہت ہی پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور انہیں ان کے بہترین اعمال کا اجر دیں گے۔''

اس ارشاد باری تعالیٰ میں بھی واضح فرما دیا گیا کہ عزت و برتری کا معیار مرد اور عورت کیلئے برابر ہے اور ان کے اعمال کا اجر دیتے وقت کوئی بھی صنفی تفریق نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح سورۃ ال عمران میں فرمایا: ﴿اَنِّىْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾ [سورۃ ال عمران:195] ''بے شک میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کروں گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت''۔ عربی زبان اور قرآن مجید کے اسلوب سے شناسائی رکھنے والے جانتے ہیں کہ قرآن مجید کے احکام مرد و عورت کیلئے ایک ہی صیغہ امر

اور نہی میں بیان کیے گئے ہیں اس کے باوجود متعدد جگہوں پر مومن مرد اور مومن عورتوں کا ذکر بطور خاص الگ الگ کر کے دونوں صنفوں کو یکساں اہمیت دی گئی ہے اور کسی قسم کی تفریق نہیں کی گئی مثال کے طور پر سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 35 میں ارشاد ربانی ہے:

"بلاشبہ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور اہل ایمان مرد اور اہل ایمان عورتیں اور عبادت گزار مرد اور عبادت گزار عورتیں سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں اور صابر مرد اور صابر عورتیں اور صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مَرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں اللہ نے ان سب کیلئے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔"

یہ اور اس طرح کی دیگر آیات عورت کے مقام و مرتبہ کو مرد کے برابر و مساوی قرار دینے کے لیے واضح دلیل ہیں کہ اسلام نے صنفی بنیاد پر عورتوں کے ساتھ ماضی میں روا رکھے جانے والے ظلم پر مبنی سلوک کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا اور عورت اور مرد کو یکساں تکریم اور تحسین کا حق دار ٹھہرایا ہے۔

<u>اسلام میں عورت کا سماجی رتبہ:</u> اسلام نے عورت کے بارے میں روا رکھے جانے والے سابقہ غلط رویوں کی نہ صرف مذمت کی بلکہ قیامت تک آنے والی نسلوں میں عورت کو وہ باعزت مقام دیا ہے جس کا تصور نہ پہلے ممکن تھا اور نہ آج کے نام نہاد ترقی یافتہ معاشروں میں ممکن ہے۔ قبل از اسلام اگر عورت کو باعث ذلت و عار سمجھ کر اس پر ظلم کیا جاتا تھا تو آج کی نام نہاد مہذب دنیا میں عورت کو بازار کی جنس اور شمع محفل بنا کر اس کا استحصال کیا جا رہا ہے۔ یہ صرف اسلام کا امتیاز اور اس کا نمایاں وصف ہے کہ اس نے عورت کو ہوس پرستوں اور دولت کے پجاریوں کی پست سوچ سے بچا کر معاشرے میں بطور ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کے ایک باعزت مقام بخشا ہے۔

<u>عورت بطور ماں:</u> اسلام نے عورت کے ہر سماجی روپ کو باعزت بنایا ہے لیکن نسل انسانی کی آبیاری کیلئے بطور ماں جو درجہ اسلام نے عورت کو بخشا ہے اس کا کسی اور تہذیب یا ملت میں تصور بھی ممکن نہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ" بے شک اللہ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی حرام قرار دی ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں پیارے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ" جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

<u>عورت بطور بہن اور بیٹی:</u> انسان کیلئے سب سے بڑی کامیابی اخروی کامیابی اور جنت کا

حصول ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب ﷺ نے اس عظیم کامیابی کا حصول بھی بطور بہن اور بیٹی عورت کے حقوق کی ادائیگی میں رکھ دیا ہے ارشاد فرمایا جس شخص کے گھر لڑکی ہو اور وہ اسے نہ زندہ در گور کرے نہ اس کے ساتھ حقارت آمیز سلوک کرے اور نہ اس پر اپنے لڑکے کو ترجیح دے تو اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا: "أَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى أَفْضَلِ الصَّدَقَةِ اِبْنَتُكَ مَرْدُوْدَةً اِلَيْكَ لَيْسَ لَهَا كَاسِبٌ غَيْرُكَ۔ (ابن ماجہ) "کیا میں تیری رہنمائی بڑی فضیلت والے صدقے کی طرف نہ کروں؟ (وہ یہ ہے کہ) اپنی اس بچی پر احسان کرنا جو بیوہ ہونے یا مطلقہ ہونے کی وجہ سے تیری طرف لوٹا دی جائے اور تیرے سوا اس کوئی اور کفیل بھی نہ ہو۔

عورت بطور بیوی: اسلام نے عورت اور مرد کو نکاح کے بندھن میں آ جانے کے بعد ایک دوسرے کیلئے لباس قرار دیا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ لباس نہ صرف انسانوں کو موسم کے شدائد سے بچاتا ہے بلکہ ننگ و عار کو چھپاتا ہے اور لباس انسان کیلئے زیب و زینت کا کام بھی دیتا ہے اسی طرح میاں بیوی کا رشتہ بھی ہے۔ یہ دونوں نہ صرف ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے ساتھی میں بلکہ ایک دوسرے کیلئے باعث تسکین اور باعث تسلی بھی ہیں۔ اسلام نے مرد پر جہاں بیوی کی کفالت کی ذمہ داری ڈالی ہے وہیں اس کے لیے لازم قرار دیا ہے کہ وہ اپنے اہل خانہ اور ازواج سے بہترین سلوک اختیار کرے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [سورۃ النساء: 19] "اور اپنی بیوی سے بہترین سلوک کرو۔" اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهٖ" ترجمہ: "تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہے۔"

اسلام میں معاشی اعتبار سے عورت کا مقام: شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے اسلام مرد اور عورت دونوں کو معاشی میدان میں مساوی حقوق دیتا ہے اور ان کی محنت کے صلہ کو انکا جائز حق تسلیم کرتا ہے جس میں ان کی مرضی کے بغیر تصرف کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ﴾ [سورۃ النسا: 32] "مردوں کیلئے ان کی کمائی کا حصہ ہے اور عورتوں کیلئے ان کی کمائی کا حصہ" معاشی میدان میں عورت کو اسلام نے پورا پورا حق دیا ہے کہ وہ شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے نہ صرف حق ملکیت رکھ سکتی ہے بلکہ کمائی کے جائز ذرائع بھی اختیار کر سکتی ہے۔

وراثت میں عورت کا مقام: بہت سے مذاہب اور مختلف تہذیبوں کی روایات میں عورت

کو حق وراثت دیا ہی نہیں گیا اس حق کا حصول ان کے لیے ناممکن بنا دیا گیا ہے۔ اسلام نے اس ظلم کا بھی خاتمہ کیا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾ [سورۃ النسا: 7] ''جو کچھ ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑیں خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ اس میں مقرر کردہ طریقے کے مطابق مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی حصہ ہے۔''

اس مختصر سی بحث سے یہ بات واضح ہے کہ قرآن و حدیث میں وہ بنیادیں جو اسلامی معاشرے میں عورت کی حیثیت کو متعین کرتی ہیں ان کے بغیر کوئی معاشرہ اسلامی معاشرہ نہیں کہلا سکتا۔

اسلام میں عورت کا کردار: اللہ تعالیٰ کی بے شمار صفات میں سے ایک صفت خالق ہونے کی بھی ہے اور خالق وہ ذات ہے جو تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس اعتبار سے خالق کائنات نے ہر چیز کی طرح مرد اور عورت کی نہ صرف تخلیق کی بلکہ ان کے لیے زندگی گزارنے کا طریقہ بھی متعین فرمایا ہے۔

شریعت اسلامیہ میں خالق کون و مکان نے معاشی ذمہ داریوں اور خاندان کی کفالت کے بوجھ سے عورت کو آزاد رکھا ہے اور یہ ذمہ داری مرد کی قرار دی ہے۔ ساتھ ہی خاندان کی نشوونما، پرورش اور تربیت کی زیادہ ذمّہ داری عورت پر عائد کی ہے اور یہ ذمّہ داری کچھ کم اہمیت کی حامل نہیں ہے کیونکہ معاشرے کی اصلاح کا انحصار خاندان اور فرد کی تربیت پر ہے۔ اس لحاظ سے خاندان اور فرد کی تربیت معاشرے کی اتنی بڑی خدمت ہے کہ جس کا کوئی بدل نہیں ہے۔ ایک عرب شاعر اس حوالے سے کہتا ہے کہ اگر تم اچھی بیٹیاں تیار کر لو تو گویا تم نے ایک پاکیزہ رگوں والی نسل تیار کر لی۔ لہٰذا اسلامی معاشرے میں عورت کی جس بنیادی حیثیت کا تعین کیا گیا ہے کسی اور کے ہاں اس کی مثال ملنا محال ہے۔

اس بنیادی ضرورت کے ساتھ ساتھ بیرون خانہ عورت کی وہ سرگرمیاں جو حیاء اور اخلاقی اقدار کے منافی نہ ہوں۔ نہ صرف جائز ہیں بلکہ قابل تحسین ہیں۔ تاریخ اسلام اور سیرت رسول اکرم ﷺ اس بات کی تائید کرتی ہے کہ عورت کی خدمات سے قومی امور کے تمام اہم معاملات میں استفادہ کیا جاتا رہا ہے۔ حالت جنگ ہو یا امن، قدرتی حادثات و آفات ہوں یا قوم کی تعلیم و تربیت علاج معالجہ کی ضروریات ہوں یا قومی امور میں مشاورت ہر جگہ عورت کی خدمات کو نہ صرف جائز مانا گیا بلکہ ان سے بھرپور فائدہ اٹھایا گیا۔

لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام نے عورت و مَرد کی چند بنیادی ذمہ داریوں کے تعین کے ساتھ ساتھ دونوں کیلئے زندگی کے تمام اہم گوشوں میں مثبت کردار کو قابل تحسین جانا ہے۔ موجودہ دور میں عورت کے حقوق کے حوالے سے مغربی دنیا کو بہت اہمیت دی جاتی ہے حالانکہ عورت کا جتنا استحصال مغربی تہذیب وتمدن نے اسے بازار کی جنس بنا کر کیا ہے اس جیسی شرمناک مثالیں کہیں اور نہیں ملتیں۔ اسلام ہی وہ آفاقی اور الہامی دین ہے جس نے ہر دور کے تقاضوں کے مطابق نہ صرف عورت کی عزت وعصمت کا لحاظ رکھا ہے بلکہ سماجی سطح پر بھی عورت کے مثبت کردار کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

معروضی سوالات

سوال نمبر1: درج ذیل میں ہر سوال کے ساتھ اس کے چار ممکنہ جوابات دیئے ہوئے ہیں، ان میں سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگایئے۔

1- معاشرہ...... زبان کا لفظ ہے۔

(a) فارسی (b) عربی ✓ (c) ترکی (d) جرمن

2- یتیم کا مال کھانے والا اپنے پیٹ میں بھرتا ہے۔

(a) پتھر (b) لکڑی (c) آگ ✓ (d) مٹی

3- مثل مشہور ہے۔ ماں کی دعا...... کی ہوا۔

(a) جنت ✓ (b) باغ (c) صبح (d) بہار

4- حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے کسی مصیبت زدہ بھائی کی مدد کی اسے...... اعتکاف کے برابر ثواب ملے گا۔

5(a) 6 (b) 10 (c) ✓ 12 (d)

5- جنت...... کے قدموں کے نیچے ہے۔

(a) ماؤں ✓ (b) باپوں (c) چچا (d) پھوپھی

6- والدین کے چہرے پر محبت نظر ڈالنے والے کو ایک مقبول...... کا ثواب ملتا ہے۔

(a) عمرہ (b) حج ✓ (c) روزہ (d) نماز

7- اللہ خوبصورت ہے اور...... کو پسند کرتا ہے۔

(a) مال (b) خوبصورتی ✓ (c) جنات (d) سکون

8- عورت اور...... انسانی معاشرے کے لازمی عناصر ہیں۔

(a) جن (b) فرشتے (c) مرد ✓ (d) بھوت

9- جاہلی معاشرے میں کسی گھر میں لڑکی کا پیدا ہونا باعث ...... سمجھا جاتا تھا۔
(a) فخر (b) خوشی (c) نجات (d) حزن و ملال ✓

10- اسلام نے عورت کو مقام دیا۔
(a) گھٹیا (b) باعزت ✓ (c) رسوا کن (d) درمیانہ

سوال نمبر:2 درج ذیل میں سے درست کے سامنے (✓) کا اور غلط کے سامنے (X) کا نشان لگائیے۔

1- عائلی زندگی کا مقصد نسل انسانی کی بقا ہے۔ ✓
2- مہر اصل میں عورت کا حق ہے۔ ✓
3- زوجین ایک دوسرے کا لباس ہوتے ہیں۔ ✓
4- نان ونفقہ کی فراہمی عورت کا فرض ہے۔ X
5- اسلام میں ایک وقت میں مرد کیلئے چار شادیاں جائز ہیں۔ ✓
6- بچوں کو ایک سال تک دودھ پلانے کا حکم ہے۔ X
7- ختنہ اسلامی شعار ہے۔ ✓
8- بچوں کی شادی کیلئے ان کی رضا مندی ضروری ہے۔ ✓
9- عورت اور مرد انسانی معاشرے کے لازمی عناصر ہیں۔ ✓
10- عورتوں کے لیے ان کی کمائی میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ X

سوال نمبر3: درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجئے۔

س : معاشرے کی اسلامی تشکیل کے لیے کیا ضروری ہے؟
ج : معاشرے کی اسلامی تشکیل کے لیے حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی ادائیگی ضروری ہے، اس کے بغیر معاشرہ ''اسلامی معاشرہ'' کہلانے کا حقدار نہیں ہوسکتا۔

س : ارشاد نبوی کے مطابق کن تین چیزوں میں دیر نہیں کرنی چاہیے؟
ج : 1- نماز جب اس کا وقت ہو جائے۔
2- جنازے میں جب وہ حاضر ہو۔
3- لڑکی کی شادی میں جب اس کا مناسب رشتہ مل جائے۔

س : عقیقہ کا مسنون طریقہ کیا ہے؟
ج : عقیقہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ بچے کہ پیدائش کے بعد ساتویں روز خوشی کے

اظہار کے لیے لڑکا ہو تو دو اور لڑکی ہو تو ایک بکرا ذبح کر کے اعزّہ و اقارب کی دعوت کی جائے۔

س : حلال اور جائز کاموں میں سے کونسا کام اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ ہے؟

ج : ارشاد نبوی کے مطابق حلال اور جائز کاموں میں سے طلاق اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ فعل ہے۔

س : وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ کا ترجمہ لکھیے؟

ج : اور تم اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک سے زندگی بسر کرو۔

س : شوہر کی وفات پر بیوی کا اس کے ترکے میں کتنا حصہ ہے؟

ج : اسلامی شریعت میں شوہر کی وفات پر بیوی کو اس کے چھوڑے ہوئے مال و اسباب میں اس سے اگر اولاد ہو تو آٹھواں حصہ اور اگر نہ ہو تو چوتھے حصہ کا حق دار ٹھہرایا گیا ہے۔

س : نان ونفقہ سے کیا مراد ہے؟

ج : نان ونفقہ سے مراد شوہر کا اپنی بیوی کو گھر، لباس اور خوراک مہیا کرنا ہے۔

س : اہل یونان اور اہل ہند کے نزدیک عورت کے وجود کی کیا حیثیت تھی؟

ج : اہل یونان اور اہل ہند کے نزدیک عورت کو تمام آفات و مصائب کی جڑ گردانا جاتا تھا۔

س : عرب کے جاہلی معاشرے میں گھر میں لڑکی کا پیدا ہونا کیسا تھا؟

ج : عرب کے جاہلی معاشرے میں کسی گھر میں لڑکی کا پیدا ہونا باعث حزن و ملال ہوتا تھا، لڑکی کے باپ کا چہرہ سیاہ ہو جاتا اور وہ غم میں گھلنے لگتا اور لوگوں سے چھپتا پھرتا۔

س : آج کے نام نہاد مہذب معاشروں میں عورت کا کیا مقام ہے؟

ج : آج کے نام نہاد مہذب معاشروں میں عورت کو بازار کی جنس اور شمع محفل بنا کر پیش کیا جارہا ہے۔